پیغامِ رضا

کا

امام احمد رضا نمبر

رضا دارالمطالعہ پوکھریرا سیتامڑھی، بہار۔

Waris e Uloom e Alahazrat, Nabirah e Hujjat ul Islam, Janasheen e Mufti e Azam Hind, Jigar Gosha e Mufassir e Azam Hind, Shaikh ul Islam Wal Muslimeen, Qazi ul Quzzat, Taj ush Shariah Mufti

Muhammad Akhtar Raza Khan

Qadiri Azhari Rahmatullahi Alihi

Or Khaanwada e Alahazrat k Deegar Ulama e Kiram Ki Tasneefat Or Hayaat o Khidmaat k Mutaluah k Liyae Visit Karen.

To discover about writings, services and relical life of the sacred heir of Imam Ahmed Raza, the grandson of Hujut-ul-Islam, the successor of Grand Mufti of India, his Holiness, Tajush-Shariah, Mufti

Muhammd Akhter Raza Khan

Qadri Azhari Rahmatullahi Alihi

the Chief Islamic Justice of India, and other Scholars and Imams of golden Razavi ancestry, visit

www.muftiakhtarrazakhan.com

رسالہ :- پیغام رضا

شمارہ :- (۱) سنہ ۱۴۱۷ھ / سنہ ۱۹۹۶ء

تعداد :- گیارہ سو

نگران طباعت :- اشرف جشتی قادری

ناشر :- رضا دار المطالعہ پوکھریرا سیتامڑھی بہار۔

خوش نویس :- محمد علیم الدین پٹنہ۔

ملنے کا پتہ

- قادری کتاب گھر رضا جامع مسجد نل بازار، بمبئی ۳۔
- رضوی کتاب گھر غیبی نگر بھیونڈی تھانے۔
- حق اکیڈمی مبارک پور اعظم گڑھ یوپی۔
- رضا اکیڈمی ۲۶ کامبیکر اسٹریٹ پوسٹ بکس نمبر ۳۳۰۷، بمبئی ۳۔
- فاروقیہ بکڈپو ۴۲۲/ع مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۶۔
- پاکیزہ بکڈپو سبزی باغ پٹنہ ۴۔
- اجمیری بکڈپو ناگپاڑہ، بمبئی۔

صفر المظفر ۱۴۱۷ھ

جولائی ۱۹۹۶ء

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

مسلک اہلسنت کا ترجمان امام احمد رضا کے افکار و خیالات کا مؤید مجلہ پیغام رضا پوکھریرا سیتامڑھی بہار

مجلہ پیغام رضا

مدیر اعلیٰ
رحمت اللہ
صدیقی

مدیر
فیضان احمد
رضوی

کا

امام احمد رضا نمبر

مدیر اعزازی :- اشرف چشتی

خط و کتابت کا پتہ:-

مولانا فیضان احمد رضوی مقام و پوسٹ پوکھریرا ضلع سیتامڑھی بہار

مدیر اعلیٰ رحمت اللہ صدیقی نے آفسیٹ پریس دلی سے چھپوا کر دفتر رضا دارالمطالعہ پوکھریرا سے شائع کیا۔

بزم رضا
میں
دھوم مچانے والے

پیغام رضا کی اشاعت اول حضور سیدنا محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ، کی بارگاہ میں نذر ہے ان کے طفیل رب کائنات الحاج صاحب الدین مرحوم و حفیظ النساء مرحومہ کے درجات بلند فرمائے انہیں اپنے جوار رحمت میں رکھے اور ان کے صاحبزادے کے کاروبار میں بے پناہ وسعت دے اور اہل و عیال کو صحت و عافیت میں رکھے اور ہر طرح کی سرخروئی عطا فرمائے آمین آمین۔

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

امام کا کلام، کلام کا امام

مجددِ اعظم امام احمد رضا فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کس کے جلوے کی جھلک ہے یہ اجالا کیا ہے
ہر طرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے

مانگ من مانتی منہ مانگی مرادیں لے گا
نہ یہاں نا ہے، نہ منگتا سے یہ کہنا کیا ہے

ہم ہیں انکے وہ ہیں تیرے تو ہوئے ہم تیرے
اس سے بڑھ کر تیری سمت اور وسیلہ کیا ہے

اُنکی امت میں بنایا انہیں رحمت بھیجا
یوں نہ فرما کہ ترا رحم میں دعویٰ کیا ہے

زاہدان کا میں گنہ گار وہ میرے شافع
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے

سامنا قہر کا ہے دفترِ اعمال ہیں پیش
ڈر رہا ہے کہ خدا حکم سناتا کیا ہے

آپ سے کرتا ہے فریاد کہ شاہِ رسل
بندہ بیکس ہے شہا رحم میں وقفہ کیا ہے

پھر مجھے دامنِ اقدس میں چھپالیں سرور
اور فرمائیں ہٹو اس پہ تقاضا کیا ہے

یہ سماں دیکھ کے محشر میں اٹھے شور کہ واہ
چشمِ بد دور ہو کیا شان ہے رتبہ کیا ہے

صدقہ اس رحم کے اس سایۂ دامن پہ نثار
اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے

اے رضا جانِ عنادل تیرے نغموں پہ نثار
بلبلِ باغِ مدینہ ترا کہنا کیا ہے

۹۲/۷۸۶

اداریہ

رحمت اللہ صدیقی

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی متبحر، متنوع اور عبقری وہمہ جہت شخصیت مدت مدید تک پردۂ خفا میں رہی۔ کسی نے بھی اس عظیم ذات کو اور نہ ان کے کارہائے گرانمایہ کو لائق تحقیق اعتناء گردانا خواہ وہ اپنے ہوں یا بیگانے۔ اعتراف حقیقت اور اس کے اظہار وابلاغ کے تئیں ان کے اندر ایک مشترکہ تساہل اور اعراضی قوت کارفرما رہی۔ مذہبی وادبی تاریخ میں آج بھی ایک خلا محسوس ہوتا ہے جو انہیں حضرات کے نظریۂ عقیدہ پرستی کا ردعمل ہے اور جن حضرات نے تحقیقی، تنقیدی اور تاریخی تقاضے کے تحت ان کی عبقری شخصیت پر قلم اٹھایا بھی تو ان کی بات ان کے نظریہ تلے دب کر رہ گئی اور اس طرح جہاں ضمیر کی آواز کا گلا گھونٹا گیا وہیں تاریخی حقائق بھی پردۂ خفا میں رہ گئے۔ یہ تعصب اور عقیدہ پرستی کا ہی نتیجہ تھا کہ کہیں انہیں مکفر المسلمین بتایا گیا۔ کہیں انہیں متشدد جھگڑالو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی، کہیں ان کی تصنیفات کی تعداد پچاس بتائی گئی اور کہیں انہیں بریلوی فرقے کا بانی قرار دیا گیا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ باتوں میں سے کوئی بات بھی ثابت النسب نہیں سب کی سب الحاقی اور الزامی ہیں۔ ایک مصلح کار

مجدد الوقت اور عبقری شخصیت میں جتنی خصوصیات ہونی چاہئیں امام احمد رضا ان ساری خصوصیات کے جامع تھے۔

خدا کا شکر ہے کہ امام احمد رضا کے تئیں اب وہ سکوت مسلسل نہ رہا ادھر چند سالوں میں بڑی حوصلہ افزا بیداری آئی ہے۔ بزم رضا آراستہ ہے دھوم مچانے والے مچا رہے ہیں۔ نغمات رضا سے دلوں کی دنیا آباد ہو رہی ہے۔ عشق رسالت کے ترانے لبوں کی زینت بن گئے ہیں۔ کالجوں، یونیورسیٹیوں، دانش گاہوں، مذہبی اور ادبی اداروں میں ان کا چرچہ بڑے پیمانے پر ہونے لگا ہے۔ محققین اور دانشور حضرات ان سے قریب ہو رہے ہیں۔ تحقیق و ریسیرچ کا ماحول بن چکا ہے بہت سارے افراد ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں پا چکے ہیں کچھ تحقیقی مراحل سے گذر رہے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو اس سفر کے لئے پر تول رہے ہیں۔

جیسے جیسے تحقیقات کی رفتار بڑھ رہی ہے امام احمد رضا کے علوم و فنون کے نت نئے ابواب سامنے آ رہے ہیں جن سے دل و نگاہ کی دنیا کیف محسوس کر رہی ہے کوچہ کوچہ نغمات رضا سے گونج رہا ہے اور جسم ہی نہیں روح تک مسکرا رہی ہے کاروان رضا پاک و ہند کی سرحدوں سے نکل کر پورے عالم اسلام میں تحریر و تقریر کے ذریعہ افکار رضا کی اشاعت میں مصروف ہے۔ کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ لٹریچر بانٹے جا رہے ہیں۔ امام احمد رضا کی تالیفات و تصنیفات کو جدید لہجہ، جدید پیرائے، جدید انداز اور دنیا کی بیشتر زبانوں میں منتقل کیا جا رہا ہے جس سے ہر طبقہ استفادہ کر رہا ہے۔ غلط فہمیوں کی کائیاں چھٹ رہی ہیں غلط افکار و نظریات جو ان سے متعلق پائے جا رہے تھے ختم ہو رہے ہیں ایک خوش گوار ماحول بنتا جا رہا ہے۔

صدیوں کی تاریخ میں امام احمد رضا کا کوئی ہم سر و مد مقابل نظر نہیں آتا علم و فن کا وہ کون سا شعبہ ہے جس پر آپ کی گرفت مسلم نہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، ادب، نعتیہ شاعری، علم کلام، منطق، فلسفہ، ہیئت، نجوم، توقیت، جفر، تکسیر، تقابل ادیان، جغرافیہ، سائنس، ریاضی، معاشیات، عمرانیات، لسانیات، ارضیات، فلکیات، بحریات اور بھی اسی طرح کے دوسرے علوم ہیں جو آپ کے علمی دامن سے وابستہ ہیں۔

امام احمد رضا کے علوم و فنون کی تعداد ستر تک پہنچ چکی ہے اور بعض محققین نے بحث و تمحیص سے یہ تعداد ایک سو پانچ بتائی ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ کی تصنیفات کی تعداد بارہ سو ہے جس میں سب سے عظیم بارہ ہزار صفحات پر مشتمل علوم و معارف کا بحر بیکراں اور فقہی مسائل کا خزانہ فتاویٰ رضویہ ہے تاریخ میں اتنا بڑا دانشور دور دور تک نظر نہیں آتا۔ محققین کی بہت بڑی جماعت آپ پر تحقیقات کرنے میں مصروف ہے اس کے باوجود آج تک کوئی آپ کے علم کی وسعتوں کو نہ پا سکا بقول مولانا کوثر نیازی:

> امام احمد رضا علم کا ایک ایسا عمیق بحر بے کنار ہے جس کی گہرائی تک ابھی کوئی نہیں پہنچ سکا میں ساری زندگی علم حاصل کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جیسے ابھی تک ایک سمندر کے کنارے پر کھڑا ہو کر علم کی وسعتوں اور گہرائیوں کے سامنے دم بخود ہوں۔
>
> (امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت)

امام احمد رضا کی کن کن خوبیوں کا ذکر کیا جائے ہر وصف میں وہ بے مثال ہر فن میں وہ لاجواب۔ جس موضوع پر قلم اٹھایا تحقیق کے دریا بہا دیئے جس فن کو ہاتھ لگایا اس فن کو معراج عطا کر دی۔ آج ان کی ہمہ جہات شخصیت علمی دنیا میں شمس و قمر کی طرح درخشندہ و

تابندہ ہے۔ ان کی شخصیت کا ہر گوشہ، ہر پہلو دل و نگاہ کی تسکین کا سامان فراہم کرتا ہے صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی لکھتے ہیں :۔

فاضلِ بریلوی کی شخصیت ہشت پہلو ہیرے جیسی ہے جس طرح اسے سورج کی روشنی پر رکھا جائے تو ہر کونے سے ایک نیا رنگ نظر پڑتا ہے۔ کسی سمت سے سنہری، کسی جانب سے سبز، کسی پہلو سے نیلا، کسی سمت سے سرخ، کسی زاویے سے نارنجی اور کسی گوشے سے آسمانی، اعلیٰ حضرت کو بھی آفتابِ علم کی روشنی میں دیکھا جائے تو ان کی شخصیت کے کئی رنگ دل و نگاہ کی جاذبیت کا سامان لئے ہوئے ہے۔

(جہان رضا مارچ ۱۹۹۶ء)

اس عظیم شخصیت پر تحقیقی و تدقیقی مضامین و مقالات کا ایک حسین سب رنگ گلدستہ "پیغام رضا" کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے رضا دار المطالعہ پوکھریرا کی یہ عظیم پیشکش ہماری سعی بلیغ اور انتھک محنتوں کا حسین ثمرہ ہے اس کی ترتیب و تہذیب میں ہمیں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے اس کا صحیح احساس تو انہیں لوگوں کو ہوگا جو اس پر خار وادی سے آشنا ہیں پھر بھی یہ بڑی لمبی داستان ہے۔ خداوند کریم نے ہمارے تڑپتے جذبات، مچلتے ارمان، دھڑکتے دل اور اشک بار آنکھوں کی بات سن لی یہ انہیں آنسوؤں میں ڈوبے ہوئے جذبات کا کرشمہ ہے کہ یہ مجلہ منصۂ شہود پر آسکا۔ اگر کوئی کمزور اعصاب کا آدمی ہوتا تو تھک کے بیٹھ جاتا، لیکن امام احمد رضا کی محبت اور جذبۂ خود رفتگی نے سہارا دیا اور یوں عشق جنوں خیز اپنی منزل تک پہنچ گیا۔ ؎

یہ ادا اس راہ منزل یہ میری شکستہ پائی ٭ میں تو تھک کے بیٹھ جاتا تیری یاد کام آئی

آج مداحانِ رضا کی غالب اکثریت پاک و ہند میں ہی نہیں بلکہ برِّاعظم ایشیا، برِّاعظم افریقہ اور برِّاعظم یورپ تک پھیلی ہوئی ہے اس کے باوجود قدم قدم پر ہماری سخت ترین حوصلہ شکنی کی گئی۔ اس جرم میں بڑے بڑے صاحبانِ جبہ و دستار اور مفتیانِ وقت شامل ہیں اگر ان کے نام آشکار ہو جائیں تو ان کی رضا دوستی کا کھوکھلا شیش محل ریزہ ریزہ ہو جائے۔ جو لوگ امام احمد رضا کے نام پر عیش کوشیوں کے سامان فراہم کر لئے ہیں، وہ بھی اس عظیم کام کے لیے قلمی اعانت سے دامن کش نظر آئے ایسے ہی لوگوں کے جمود، فکری تعطل اور بے توجہی نے باطل قوتوں کو امام احمد رضا کے خلاف سر ابھارنے کا موقع دیا۔ باطل قوتیں امام احمد رضا کے خلاف محاذ آرائیاں کرتی رہیں۔ ان کی بے غبار، صاف و شفاف شخصیت کو بے بنیاد الزامات کا نشانہ بناتی رہیں اور یہ تماشائی بنے دیکھتے رہے۔ رب کائنات علمائے پاکستان کو اپنی رحمتوں، عنایتوں اور نوازشوں سے شاد کام کرے کہ انہوں نے اس دورِ خود پرستی و نفس شعاری میں عالمِ اسلام کے ذہن و فکر کو اس عبقری ذات کی طرف متوجہ کیا اس طرح برسوں سے گرد و غبار میں بھی شخصیت جلوہ ریز ہوئی اور اس کی علمی، فکری اور روحانی کرنیں دور دور تک پھیل گئیں۔

سالِ گذشتہ پاکستان کے پندرہ موقر اخبار و رسائل نے امام احمد رضا کی حیات و خدمات پر خصوصی نمبر شائع کئے تھے۔ مرکزی مجلس رضا کے زیرِ اہتمام ماہنامہ جہانِ رضا پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے جو خالص رضا مشن کا امین و مبلغ ہے۔ مقالات نہایت ہی معیاری اور تحقیقی ہوا کرتے ہیں۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کا سالنامہ پابندی سے نکل رہا ہے جو تحقیقی مقالات سے مزین ہوتا ہے۔ امام احمد رضا پر تحقیقات،

کرنے والوں کے لئے اس میں تحقیقی مواد وافر مقدار میں ہوتا ہے ادارۂ تحقیقات پورے عالم اسلام میں مذہبی اداروں، لائبریریوں اور علماء و محققین کو اپنی مطبوعات بھیجتا ہے۔

"رضا فاؤنڈیشن" بڑا متحرک و فعال ادارہ ہے حال ہی میں اس نے فتاوی رضویہ کی بارہ جلدیں بڑے خوبصورت انداز میں شائع کی ہیں اور فتاوی رضویہ جدید انداز میں مع تخریج و ترجمہ آراستہ کرنے میں مصروف ہے جس کی نو جلدیں نو ہزار صفحات پر مشتمل منظر عام پر آچکی ہیں ادارہ قریب قریب پچاس جلدوں میں فتاوی رضویہ کو پھیلانے کا ارادہ رکھتا ہے اس کام کے لئے دانشوروں کی ایک ٹیم ہمہ وقت مصروف عمل ہے اور بھی اسی طرح کی بیسیوں تنظیمیں ہیں جو مسلسل امام احمد رضا پر کام کر رہی ہیں اور پورے عالم اسلام سے داد و تحسین حاصل کر رہی ہیں۔

ادھر ہندوستان میں ابھی بیداری کی وہ لہر نہیں آئی ہے جو پاکستان کا طرۂ امتیاز ہے۔ علماء و محققین اس تعلق سے پہلو تہی اختیار کئے ہوئے ہیں معدودے چند ایسے افراد اور ایسی تنظیمیں ہیں جو رضویات پر کام کر رہی ہیں یہ بیداری بھی غنیمت ہے ہم جزوی طور پر ان پر فخر کر سکتے ہیں یہاں ان باتوں کا محل نہیں۔ رضا اکیڈمی بمبئی جو امام احمد رضا کے تعلق سے مثبت کردار ادا کر رہی ہے ۱۹۹۵ء میں فتاوی رضویہ مکمل، کنز الایمان اردو، ہندی، اور انگریزی، جد الممتار، من عقائد اہل سنہ جواہر البیان، "سالنامہ یادگار رضا" اور بھی اسی طرح کی دوسری مطبوعات اس نے شائع کی ہیں۔ الحاج سعید نوری صاحب کی سرپرستی میں مسلم ٹائمز بمبئی نے امام احمد رضا نمبر شائع کیا تھا۔ دار العلوم اشرفیہ مبارکپور جو پورے ہندوستان میں تعلیم و تربیت کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتا اس کے کئی اساتذہ و فضلاء امام احمد رضا پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ دار العلوم خیریہ نظامیہ سہسرام کے طلبہ و اساتذہ

رضویات کی اشاعت میں پیش پیش ہیں۔ بمبئی تحریک فکر رضا، افکار رضا کے ذریعے پیغام رضا کو عام کر رہا ہے جامعہ قادریہ مقصود پور تیز آندھیوں میں عشق و محبت کی شعاعیں بکھیر رہا ہے۔ امام احمد رضا کے افکار و نظریات کی اشاعت ہی اس کا مقصد تاسیس ہے۔ مفتی اسلم صاحب قبلہ اس کے میر کارواں ہیں مسلکی فلاح کے لئے ان کا وجود نعمت عظیمہ ہے۔ دار العلوم فیض الرضا دربھنگہ نئی امنگوں کے ساتھ تبلیغ و ارشاد کے میدان میں نمودار ہوا ہے۔ ادارہ اصحاب قلم پٹنہ مولانا امجد رضا صاحب کی سرپرستی میں رضا بریلوی پر تحقیقی کام کر رہا ہے اس ادارہ کی ایک معیاری کتاب انتخاب غزلیات رضا طباعت کے مرحلے میں ہے انشاء اللہ عرس رضوی کے موقع سے اس کی اشاعت ہوگی مدرسہ نور الہدیٰ پوکھریرا جناب حفظ الاسلام صدیقی کی سرپرستی میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس کر رہا ہے اور بھی کچھ ادارے ہیں جو محتاط انداز میں کام کر رہے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ امام احمد رضا سے متعلق ہر شعبہ حیات میں مکمل بیداری لائی جائے۔ یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا پر چیئر قائم کئے جائیں اور دوسرے مذہبی و ادبی اداروں میں امام احمد رضا پر ایک خاص شعبہ تشکیل دیا جائے۔ یہ بات حقیقت ہے کہ امام احمد رضا کی تعلیمات و پیغامات ہماری قومی و ملی سلامتی کے ضامن ہیں امام احمد رضا کی ذات، ان کی تعلیمات کو فراموش کر کے ہم اپنے اسلامی تشخص کو برقرار نہیں رکھ سکتے۔ ہم ایک نئے عزم، نئے حوصلے کے ساتھ اٹھیں اور توحید و رسالت کے پر کیف نغموں سے انسانیت کو لذت آشنا کر دیں۔

امام احمد رضا کی ہمہ جہت اور کوہ پیکر شخصیت کے ہزاروں گوشے ہیں ان تمام گوشوں کو "پیغام رضا" کے محدود صفحات میں سمیٹا نہیں جا سکتا پھر بھی بھرپور کوشش کی گئی ہے کہ مقالات و تاثرات کا ایسا انتخاب پیش کیا جائے جن سے ان کی حیات و خدمات

کے مخصوص و ممتاز گوشے ابھر کر سامنے آجائیں تاکہ علم دوست اور تحقیقات کرنے والے خاطر خواہ استفادہ کر سکیں اور عام قارئین ان کے علمی فضل و کمال کی جلوہ ریزیوں سے لطف اندوز ہو سکیں اس سلسلے میں ہماری کوشش کہاں تک کامیاب ہوئی ہے اس کا فیصلہ آپ کی صواب دید پر ہے ترتیب و تہذیب میں پوری بصیرت اور عرق ریزی بروئے کار لائی گئی ہے پروف ریڈنگ کا کام اہل شعور کی نگرانی میں ہوا ہے پھر بھی بشری تقاضوں کے تحت بھول چوک ہو سکتی ہے اگر کوئی خامی آپ کی نگاہ میں آجائے تو برائے کرم اطلاع دیں علم نوازی کا یہی تقاضا ہے دوسرے ایڈیشن میں اس کا خاص خیال رکھا جائے گا نیز اپنے قیمتی اور مخلصانہ مشوروں سے نوازیں ہم سراپا چشم براہ ہیں۔

یہاں ہم اپنے ان کرم فرماؤں کا ذکر نہ کریں تو احسان فراموشی ہوگی جنہوں نے قدم قدم پر ہماری حوصلہ افزائی کی۔ نازک اور مایوس کن لمحوں میں سہارا دیا اور مالی دشواریوں کو آسان سے آسان تر کیا۔ الحاج سعید نوری صاحب بانی و سربراہ رضا اکیڈمی ممبئی آپ کی نوازشات اور کرم فرمائیوں نے ہر موڑ پر سہارا دیا۔ حضرت علامہ وارث جمال صاحب نے اپنی گوناگوں علمی و ادبی مصروفیت کے باوجود وقت بھی دیا اور زریں مشورے بھی۔ الحاج سراج الدین خان صاحب کی پر خلوص دعاؤں نے حالات سے سمجھوتہ کرنے کا حوصلہ بخشا۔ رب کائنات ان کے کاروبار میں ترقی اور اہل و عیال کو دارین میں عافیت عطا فرمائے۔ حافظ توفیق عالم صاحب خطیب و امام سنی نوری مسجد دھاراوی، مولانا امجد رضا خاں صاحب ڈاکٹر ادارہ اصحاب قلم پٹنہ مولینا عبد القیوم صاحب ممبئی، مولانا اشرف چشتی صاحب خطیب و امام جامع مسجد کوتولی پٹنہ، مولینا دیان احمد مصباحی، مصباح الحق صدیقی "پیغام رضا" کی اشاعت میں ان حضرات کی جانفشانیاں بڑی معاون ثابت ہوئیں رب کائنات سبکو اپنی رحمتوں سے شاد کام کرے آمین بجاہ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم۔

امام احمد رضا : ایک تأثر

حضرت علامہ سید آل رسول نظمی

سجادہ نشین، مارہرہ مطہرہ

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ جن دنوں مارہرہ مطہرہ حاضر ہوئے اس وقت وہ اپنے ساتھ تمام تر علمیت، فضیلت، شہرت لئے ہوئے تھے۔ بس کسر تھی تو ایک نسبت کی۔ مارہرہ مطہرہ کے ایک سیدزادے نے اس خان زادے کو شرف بیعت عطا کیا اور اس کے ظرف کو دیکھتے پرکھتے ہوئے اسی وقت اپنے خانوادے کی ساری خلافتیں اجازتیں عطا فرما دیں۔ خلفاء نے عرض بھی کیا حضور، آپ کے خانوادے کی تو یہ روایت رہی ہے کہ مجاہدے اور آزمائش کے بنا کسی کو خلافت نہیں دیتے۔ خاتم الاکابر شاہ آل رسول احمدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس آئینے پر دھول ہوتی ہے اسے صاف کیا جاتا ہے۔ مولوی احمد رضا اپنا آئینہ دل پہلے ہی سے صاف ستھرا لائے تھے پھر مزید صفائی کی کیا ضرورت تھی۔ شاہ آل رسول نے ایک نشست میں فرمایا عرصہ دراز سے یہ فکر دامن گیر تھی کہ کل جب قیامت میں رب پوچھے گا آل رسول ہمارے لئے کیا لایا تو کیا عرض کرونگا۔ الحمد للہ اب وہ فکر دور ہوئی۔ اب جب رب پوچھے گا آل رسول ہمارے لئے کیا لایا تو عرض کرونگا احمد رضا لایا۔ سبحان اللہ دنیا کے سارے مرید اپنے مرشد پر ناز کریں مگر یہ مرشد ایسا کہ اپنے مرید باصفا پر ناز کرے ——— حضور والد ماجد سید العلماء مولانا سید شاہ آل مصطفےٰ سید میاں علیہ الرحمۃ

والرضوان فرماتے۔ ہم نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تھا کہ مجدد کے مرتبے پر اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں سے کسی سید زادے کو فائز کر دیتا پھر آخر بریلی کے ایک خان زادے کو کیوں یہ منصب عطا فرمادیا۔ تب اندر سے کسی نے جواب دیا، آل مصطفیٰ، اگر کوئی سید مجدد کے منصب پر فائز ہوتا اور وہ اس طرح سادات کے احترام کا درس دیتا تو لوگ کہہ سکتے تھے کہ سید زادہ اپنے منہ میاں مٹھو بن رہا ہے اس نے آل رسول کا ادب واحترام ایک نائب رسول کے زبان وقلم سے مشتہر کروا دیا اعلیحضرت کا دنیا بھر کے تمام سیدوں پر یہ احسان عظیم ہے کہ انہوں نے اپنے قول وفعل وحال کے ذریعہ دنیا والوں کو یہ بتا جتا دیا کہ سیدوں کا ادب کس طرح کیا جاتا ہے۔

بہت پہلے بھیونڈی میں ایک یوم رضا کے موقع پر میں نے ایک مقابلہ پڑھا تھا اس کے شروع میں لکھا تھا۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ علم، عشق اور عمل کا ایک ایسا مثلث تھے جس کے ہزار زاویے۔ وہ علم وفضل اور زہد وتقویٰ کا ایک ایسا قطب مینار تھے جس کی اونچائی کا اندازہ لگانے میں اچھوں کے سر سے ٹوپیاں گر جاتی ہیں۔ اللہ، اللہ امام احمد رضا کی عبقری شخصیت، ۵۵ سے زیادہ علوم ظاہر وباطن پر قلم اٹھایا، دس ہزار صفحات پر مشتمل فتاویٰ لکھ کر دنیا کو دین حق سے روشناس کرایا اور سیکڑوں اشعار قلمبند کر کے لوگوں کے دلوں میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغ روشن کئے۔ میں نے اپنی ایک طویل نظم میں اعلیحضرت کو یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

یہی تھے وہ خاتم الاکابر
کہ جن کے ہاتھوں بکے بریلی کے خان زادے

مرید احمد رضا تھے ایسے
کہ جن پہ نازاں تھے ان کے مرشد
یہی وہ احمد رضا تھے جن کو
علوم ظاہر علوم باطن میں سب نے اپنا امام مانا
انہیں کی تقلید اس زمانے میں
سنیت کی کسوٹی ٹھہری
انہوں نے دنیا کو یہ بتایا
کہ پیر کا احترام کیا ہے
انہوں نے شعر و سخن کے میدان میں
نعت گوئی کا ایک اچھوتا شعور بخشا
رضا کے موئے قلم نے
نجدی ملاعنہ کے حواس پہ بجلیاں گرائیں
حسام الحرمین ذوالفقار علی کی صورت
چلی سپاہ وہابیہ پر
سکھایا احمد رضا نے دنیا کو
حق و باطل میں فرق کرنا
یہ فیض آل رسول کا تھا
امام احمد رضا نے دنیا میں اعلحضرت خطاب پایا۔
راقم الحروف کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اس گدی کا وارث ہے جس سے امام احمد رضا

منسلک تھے ۔ وہ حجرۂ مبارکہ بھی میرے ہی مکان میں ہے جہاں اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ نے شاہ آل رسول علیہ الرحمۃ کے دست مبارک پر خود کو ہمیشہ کے لئے بیچ دیا تھا۔

نظمی کی نعت گوئی اعلیٰحضرت کا عطیہ ہے ۔ لوگ مجھے امام احمد رضا کی شاعری کی چلتی پھرتی کرامت کہتے ہیں ۔ اور مجھے پر تو کلام رضا کا لقب دیا گیا ہے ۔ اسے میں اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ لوگ میری نعتیں سن کر کلام الامام امام الکلام کی یاد تازہ کرتے ہیں مجھے بھی یہ کہنے میں کوئی عار نہیں

؎ یہ فیض کلکِ رضا ہے کہ شعر کہتا ہوں
وگرنہ نعت کہاں اور کہاں قلم میرا

اعلیٰحضرت کو میں نے اپنی نعتیہ شاعری کا استاد تسلیم کیا ہے درحقیقت مجھے شعر کہنے کی تحریک ہی حدائق بخشش سے ملی ہے ۔ ذیل میں اعلیٰحضرت کی شان میں میرا منظوم خراجِ عقیدت ملاحظہ فرمائیں :

سونے چاندی کو جانچنے کے لئے
سنگ پارس سے کام لے لیجئے
اور وہابی کو جاننے کے لئے
اعلیٰ حضرت کا نام لے لیجئے

جب بھی کوئی پوچھتا ہے اہلسنت کی سند
پیش کردیتے ہیں ہم تو اعلیٰحضرت کی سند
جس کا چہرہ کھل اٹھے احمد رضا کے نام پر
گویا اس کو مل گئی جیتے جی جنت کی سند

اعلیٰ حضرت نے جو خدمت کی قرآن پاک کی
ان پہ رحمت تھی سراسر صاحب لولاک کی
نجدیوں سے کیا گھٹے گا رتبۂ احمد رضا
حیثیت طوفاں کے آگے کیا خس و خاشاک کی

اعلحضرت کے قلم کے بارے میں حضور والد ماجد سید میاں علیہ الرحمۃ نے ایک بار فرمایا تھا۔

ع ذوالفقار حیدری کا جانشیں تیرا قلم
مظہرِ مشکل کشا احمد رضا خاں قادری
خاندان برکت اللّٰہی کا تو چشم و چراغ
ہوگیا ہاں ہوگیا احمد رضاں خاں قادری

نظمیؔ اپنے والد کے اتباع میں یوں عرض کرتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے قلم کا زور کیوں کر ہو رقم
اعلیٰ حضرت کا قلم ہے اعلیٰ حضرت کا قلم
اس کی ہر جنبش میں عشق مصطفےٰ جلوہ نما
یہ قلم ہے سنیوں پر رب تعالیٰ کا کرم

مسلک احمد رضاؔ کے بارے میں آج کچھ لوگ انگلیاں اٹھاتے ہیں کہ یہ کون سا نیا مسلک نکلا ہے۔ ایک عام بات ہے کہ کسی ٹانک میں مختلف ادویہ مختلف اجزا ہوتے ہیں مگر اس مجموعۂ ادویہ کو ان ساری دواؤں کا الگ الگ نام دیا جاتا بلکہ ایک مستقل نام دیکر اس کی شناخت کرائی جاتی ہے۔ یہی حال مسلک احمد رضا

کا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا مذہب ہو یا سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا، مخدوم سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہو یا شاہ برکت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا۔ سب کا نچوڑ ہے مسلکِ اعلیٰ حضرت۔ اسی لئے میں کہتا ہوں۔

مشعل نوری لیے جب چل پڑے احمد رضا
نور احمد ان کے ہر ہر حال میں شامل رہا
علم ظاہر علم باطن کی امامت مل گئی
فضل حق سے مل گیا وصفِ فنا فی المصطفٰے

میرے والد ماجد نے برسوں قبل ایک منقبت میں یوں ارشاد فرمایا تھا

یا الٰہی مسلکِ احمد رضا خاں زندہ باد
حفظِ ناموس رسالت کا جو ذمہ دار ہے

رب تبارک و تعالیٰ مسلک امام احمد رضا کو قیام قیامت تک سربلندی عطا فرمائے اور اعلیٰحضرت کے فیوض روحانی سے ہم سنیوں کو مالا مال فرمائے۔ آمین

میرے لئے بڑی خوشی کی بات ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات پاک اور ان کے کارناموں اور تبلیغی مشن سے عوام الناس کو روشناس کرانے کا مستحسن اقدام برادر عزیز مولینا رحمت اللہ صاحب صدیقی نے اٹھایا ہے۔ میں پیغام رضا کی کامیابی کے لئے دعا کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ یہ مجلّہ اعلحضرت کے چاہنے والوں کو روحانی تسکیں دینے کے ساتھ ساتھ ان کی معلومات میں بھی اضافہ کرے گا۔

برکاتی ہاؤس　　　　۱۴ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ　　　　ممبئی

از

مفتی مطیع الرحمٰن مضطر،

صدر مفتی ادارۂ شرعیہ سلطان گنج،
پٹنہ۔

جس طرح کسی بھی زبان میں دو طرح کے محاسن ہوتے ہیں۔ لفظی و معنوی اسی طرح اس کے اسلوب بیان بھی دو ہوتے ہیں۔ (۱) تقریری (۲) تحریری۔ دونوں اسلوب کا اپنا اپنا الگ الگ انداز ہوتا ہے۔ مگر قرآن حکیم کا اسلوب نہ تو تقریری ہے اور نہ تحریری۔ بلکہ دونوں سے جداگانہ ہے۔ اس میں تقریر کی لذّت بھی ہے اور تحریر کی چاشنی بھی۔ تقریر کی گھن گرج بھی ہے اور تحریر کی سلاست و روانی بھی۔ یہ رسول سے بھی خطاب ہے اور مسلمانوں سے بھی۔ منافقین سے بھی خطاب ہے اور کفار و مشرکین سے بھی۔ کہیں عبادت کا حکم ہے کہیں مناہی سے باز رہنے کا ارشاد۔ کہیں اطاعت و فرماں برداری پر جنتوں کی بشارت ہے کہیں عدوان و سرکشی پر عذاب جہنم کی تخویف۔ اس میں رفق و نرمی سے انفس و کائنات میں غور و فکر کی دعوت ہے تو خود ساختہ عقیدوں اور مزعومات کا رد بھی۔ کہیں مخاطب کے ساتھ غائب سے تکلم کا انداز ہے تو کہیں غائب سے تخاطب کے انداز میں کلام۔ گویا ایک پھول ہزار رنگ کا مصداق ہے۔

قرآن کریم جس طرح اپنے لفظی و معنوی محاسن کے ساتھ ساتھ اس خاص اسلوب کے اعتبار سے رفعتِ اعجاز کے اس مقام پر ہے، جہاں انسانی اسلوبِ کلام کے انتہائی کمالات سر بسجود نظر آتے ہیں اور قرآن کے چیلنج

"اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے ان خاص
بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور اللہ کے
سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔"

کے باوجود آج تک اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز و درماندہ رہ کر اسے کتاب الٰہی کی حیثیت سے تسلیم کرنے پر مجبور رہیں۔

اسی طرح دوسری زبانوں میں اس کے ترجمہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ لفظی و معنوی محاسن کے ساتھ ساتھ اس جداگانہ اسلوب کے اعتبار سے بھی ایسے بلند مقام پر ہو جہاں سے اعجاز کی حد شروع ہوتی ہے اور جس پر انسانی دسترس اگر محال نہیں تو کم سے کم اس مقام تک ہر کس و ناکس کی رسائی بھی نہ ہو تاکہ جن لوگوں کے فہم و فکر کی براہ راست رسائی اصل قرآن کی اعجاز بیانی تک نہ ہو سکے وہ ترجمہ ہی سے کچھ اس کا اندازہ کر سکیں اور اسے خدا کی آخری کتاب تسلیم کرنے پر مجبور ہوں۔

اردو کی پیدائش سے لے کر ۱۹۱۱ء تک اس زبان میں قرآن کریم کے جتنے تراجم سامنے آئے اُن میں سے کسی ترجمہ سے بھی اس ضرورت کی تکمیل نہیں ہو پائی۔ تو صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی نے امام احمد رضا سے اس کی گذارش کی۔ مگر چوں کہ امام موصوف دوسرے اور ضروری دینی کاموں کی وجہ سے اس کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ اس لیے صدر الشریعہ رات میں سوتے وقت یا دن میں قیلولہ کے

وقت کاغذ، قلم اور دوات لے کر بیٹھ جاتے۔ اب امام احمد رضا زبانی طور پر فی البدیہہ برجستہ ترجمہ بولتے جاتے اور صدر الشریعہ لکھتے رہتے۔ اس طرح سنہ ۱۹۱۱ء کو "کنز الایمان" کی یہ گراں مایہ دولت، مسلمانان اہل سنت کو نصیب ہوئی جسے شروع سے آخر تک بہ نظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد تاجدار اشرفیت حضرت محدثِ اعظم ہند بے ساختہ پکار اٹھے۔

"جس کی کوئی مثال عربی زبان میں ہے، نہ فارسی زبان اور نہ ہی اردو زبان میں۔ اس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ پر لایا ہی نہیں جا سکتا۔ یہ بظاہر تو ایک ترجمہ ہے مگر —— درحقیقت قرآن کی صحیح تفسیر —— بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اردو زبان میں قرآن ہے۔

(المیزان امام احمد رضا نمبر، ص ۲۴۵)

استاد سعید بن یوسف زئی امیر جمعیت اہل حدیث پاکستان نے بھی برملا اعتراف کیا۔

"یہ ایک ایسا ترجمۂ قرآن مجید ہے کہ جس میں پہلی بار اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جب ذات باری تعالیٰ کے لئے بیان کی جانے والی آیتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے تو بہ وقت ترجمہ اس کی جلالت، تقدیس و عظمت و کبریائی کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ جب کہ دیگر تراجم خواہ وہ اہل حدیث سمیت کسی بھی مکتب فکر کے علماء کے ہوں۔ ان میں یہ بات نظر نہیں آتی ہے۔ اسی طرح وہ آیتیں جن کا تعلق محبوب خدا

شفیع روز جزا سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ یا جن میں آپ سے خطاب کیا ہے تو بوقتِ ترجمہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے یہاں بھی اوروں کی طرح صرف لفظی اور لغوی ترجمہ سے کام نہیں چلایا ہے بلکہ صاحب ماینطق عن الھویٰ اور ورفعنا لک ذکرک کے مقام عالی شان کو ہر جگہ ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے جو کہ دیگر تراجم میں بالکل ہی ناپید ہے....

ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ترجمہ میں وہ چیزیں پیش کی ہیں جس کی نظیر علماء اہل حدیث کے یہاں بھی نہیں ملتی ہے۔

ایک اور غیر جانبدار عالم و ممتاز صحافی مولانا کوثر نیازی نے یہ خراج تحسین پیش کیا۔

امام احمد رضا نے عشق افروز اور ادب آموز ترجمہ کیا ہے یہ ایمان پرور ترجمہ عشق رسول کا خزینہ اور معارف اسلامی کا گنجینہ ہے۔

مگر جس طرح فہم قرآن کے مطالب تک رسائی ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے راسخین فی العلم کا حصہ ہے۔ اسی طرح "کنز الایمان" کے مطالب اور مفاہیم پر کما حقہ دسترس بھی ہر عام و خاص کا کام نہیں۔ علوم و فنون کے ماہرین کا حق ہے ____ اس لئے ضرورت تھی ایک ایسی تفسیر و توضیح کی جس سے اس تنگیٔ وقت اور قلتِ فرصت کے زمانے میں عوام و خواص دونوں بقدر ظرف مستفید ہوتے۔

اپنی جگہ یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ کسی کتاب کی بسیط شرح لکھنی آسان ہے اور صحیح معنوں میں حاشیہ لکھنا دشوار۔ کیوں کہ شرح نویس کو نہ تو کتاب کی صفحات بڑھ جانے کا خیال رہتا ہے اور نہ ہی قارئین کے وقت کی تنگدامنی کا احساس۔ جبکہ حاشیہ نگار کو کاغذ و قرطاس کی کمی کا بھی خوف رہتا ہے اور قارئین کے وقت کی تنگدامنی کا اندیشہ بھی۔ اسی لئے اسے گویا کوزے میں دریا کو بند کرنا ہوتا ہے۔ پھر ترجمۂ قرآن کی حاشیہ نگاری تو اور بھی مشکل ترین امر ہے اس لئے امام احمد رضا نے خود ہی اس کا بیڑا اٹھایا، اور کنزالایمان پر توضیحی حواشی لکھنا شروع کیے۔

ان حواشی کا ایک مختصر سا ابتدائی حصہ مجھے بریلی شریف کے ایک ناگفتہ بہ مقام سے ملا یہی نہیں کہہ سکتا کہ حاشیہ کے اس مقام تک پہنچ کر دوسری اہم دینی ضرورتوں نے امام رضا کو عنان قلم اپنی طرف منعطف کر دینے پر مجبور کر دیا اور اس طرح یہ توضیحی حواشی تشنۂ تکمیل رہ گئے، یا پھر امام احمد رضا کی دوسری بہت سی اہم تصنیفات کے ساتھ ساتھ اس کے باقی حصے بھی دست بردِ زمانہ کی نذر ہو گئے۔

کنزالایمان کی یہ توضیحی حواشی اگرچہ ناتمام، اور سورۃ فاتحہ و سورۃ بقرہ کی محض چند آیات پر مشتمل ہیں پھر بھی ان کی اہمیت و افادیت سے صرف نظر ممکن نہیں۔

میں یہ عرض کرنا تو بھول ہی گیا کہ حواشی کا یہ ناتمام حصہ نہایت خستہ اور جا بجا سے کرم خوردہ ہے اس میں جہاں جہاں سے الفاظ غائب ہیں میں قوسین کے اندر اپنی سمجھ کے مطابق پیوندکاری کر دی ہے اب بھی اگر کوئی کمی رہ گئی ہو تو وہ میری طرف سے ہو گی۔ امام احمد رضا کے حواشی کا دامن اس سے پاک ہے۔

فقیر محمد مطیع رضوی 21.11.93.

حواشی ترجمۂ قرآن

افادۂ خامۂ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز

(سُورَۃُ الفَاتِحَہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ (ف۱) الرَّحِیْمِ (ف۲) ○

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا۔

اَلْحَمْدُ (ف۳) لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا۔ بہت مہربان رحمت والا۔

فوائد:۔ ف۱ "رحمٰن" اللہ عز وجل کا خاص نام ہے، ان ناموں میں جن کا دوسرے

پر اطلاق حرام، بلکہ علماء نے کفر لکھا ہے۔ جیسے رحمٰن، قیوم، قدوس،۔ لوگ عبد الرحمٰن، عبد القیوم، عبد القدوس نام رکھتے ہیں اور یہ بہت اچھے نام ہیں۔ مگر پکارنے میں تخفیف کے لئے لفظ عبد حذف کر کے نرے اسمائے الٰہیہ سے پکارتے ہیں۔ عبد الرحمٰن کو رحمٰن، عبد القیوم کو قیوم، یہ سخت حرام ہے اس سے احتراز لازم ہے۔

ف۲ رحیم کا اطلاق مخلوق پر بھی آتا ہے۔ تمام جہان سے بڑھ کر رحیم، حضور رحمۃ للعالمین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ تمام عالم پر ان کی رحمت ہے اور خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ تو "بالمومنین رؤف الرحیم" ہیں۔ مگر اسمائے الٰہیہ سے جن ناموں کا اطلاق اس کے بندوں پر بھی آتا ہے۔ جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس (نے سمیع)، بصیر، علیم، غفور، رؤف، رحیم، حلیم، کریم اور ان کے سوا ستر کے قریب (اپنے اسماء حسنیٰ سے) عطاء کئے۔ حاشا یہ شرکت معنیٰ نہیں، اللہ عزوجل پاک ہے اس سے کہ کوئی کسی بات میں اس کا شریک ہو سکے۔ ذات وصفات اسماء احکام سب میں وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ یہ اس کی صفات کریمہ کی تجلیاں ہیں کہ جو اس نے اپنے خاصوں (پر) فرمائیں۔

ف۳ یہ سورت کریمہ قرآن مجید کا خطبہ ہے۔ مولیٰ عزوجل نے بندوں کو اس میں اپنی حمد و ثنا و دعاء تعلیم فرمائی اور انہیں کی زبان میں اسے اشارہ کیا کہ خالص عرض عباد رہے اور اس میں جمیع مقاصد قرآن مجید کو اور اس میں جمیع مقاصد قرآن مجید کو جمع فرما دیا۔ کتابیں اتارنا، رسولوں کا بھیجنا دو باتوں کے لئے ہے۔ تصحیح ایمان و اخلاص اعمال، مدار ایمان، اللہ عزوجل کی توحید اور اس کے محبوبوں سے محبت اور دشمنوں سے عداوت ہے۔ اور اخلاص اعمال، خاص اس کی عبادت ہے۔ پہلی تین آیتوں میں جزو اول یعنی توحید ہے اور پانچویں چھٹی میں جزو دوم، اور ساتویں میں سوم، باقی چوتھی

آیت کہ وسط میں رہی اعمال کے لئے ہے۔ توحید تصدیق رسالت حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقبول نہیں۔ بہتیرے کافر لاالہ الااللہ کہا کرتے تھے محمد رسول اللہ نہ ماننے سے ابدی جہنمی ہوئے صلے اللہ علیہ وسلم۔ لہٰذا جزو دوم سے پہلے جس میں اس کی تصریح ہے جزو اول ہی نے اس کی طرف اشارہ فرمایا۔ اپنی کتاب کریم کو حمد سے شروع فرمایا جسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خاص نسبت ہے۔ وہ محمد ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہاں سے زیادہ حمد کیے گئے۔ اولین و آخرین ان کے حامد ہیں۔ اللہ عزوجل نے جیسی ان کی حمد فرمائی کسی کی نہ فرمائی۔ وہ احمد ہیں تمام جہاں سے زیادہ حمد کرنے والے، اللہ عزوجل کی جیسی حمد انہوں نے فرمائی کسی سے نہ ہوئی وہ حامد ہیں حمید ہیں، محمود ہیں، نبی الحمد ہیں۔ ان کا مقام مقام محمود ہے۔ ان کا نشان لواء الحمد ہے۔ توریت مقدس میں ان کی امت کا نام حمادین ہے۔ ہر طرح سے حمد کو ان سے نسبت ہے اور ان کو حمد سے صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ تو اسی لفظ سے ابتدا فرمائی گئی کہ ذات وصفات کریمہ کی طرف اشارہ ہو۔ گویا ارشاد ہوتا ہے تمام حمد کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیں اور کریں گے جو جمیع محامد اولین و آخرین کو شامل اور ان سے اعلیٰ و اکمل ہیں اور تمام حمدیں کہ اولین و آخرین نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیں اور کریں گے، ان سب کا مرجع کون ہے؟ اللہ۔ کہ ذات جامع جمیع کمالات کا علم ہے جس کے مظہر اتم و اکمل حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ انبیاء، اولیاء، وجہان وجہانیاں مظہر اسماء وصفات ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مظہر ذات رب العالمین سارے جہاں کی پرورش فرمانے والا، جس نے اپنے فیض کا واسطۂ مطلق اور اپنی بارگاہ کا خلیفۂ اعظم حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو کیا اور دین و دنیا میں، اولیٰ و اخریٰ میں جو نعمت، جو رحمت کسی کو پہنچی یا پہنچے گی

ان کے دستِ اقدس سے پہنچائی کہ بے اس وسیلۂ مطلقہ کے خلق کا کیا منہ تھا کہ ایک ایک ذرہ اس بارگاہ بے نیاز سے بلاواسطہ مستفیض ہوتا، الرَّحْمٰن دنیا میں بڑی رحمت والا جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین کر کے بھیجا۔ الرَّحِیم آخرت میں کمال مہربان جس نے گنہگاروں کی شفاعت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ رکھی، جو بالمومنین رؤف الرحیم ہیں۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ انصاف کے دن کا مالک جس نے جنّت و دوزخ کی کنجیاں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں رکھیں۔ جب ہر طرح سے استحقاق حمد اسی کو ثابت ہو لیا کہ کسی کے کمال ذاتی کے لئے حمد کیجئے تو وہ اللہ ہے، جامع جمیع کمالات، اس لئے حمد کیجئے کہ وہ ہمارا مولیٰ ہمارا پالنے والا ہے تو وہ ربّ العالمین ہے اور اگر اس لئے کہ فی الحال اس سے نفع پہنچتا ہے تو وہ رحمٰن ہے اور اگر نفع آئندہ کی امید پر تو وہ رحیم ہے اور اگر سزا کے خوف سے تو وہ مالکِ یوم الدین ہے، یہی وجوہ حمد ہیں اور سب اسی کے لئے ثابت۔ لہٰذا اس کا مستحق عبادت ہونا برہان قطعی سے ثابت ہو کر عرض کرنا، ہے۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ ہم تجھی کو پوجتے ہیں۔ ہم پوجتے ہیں اس میں شان دعویٰ نکلتی ہے۔ لہٰذا اپنے دعویٰ اپنے حول و قوت سے برأت کر کے اسی کی طرف رجوع لاتے ہیں۔ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ بے تیری مدد کے نہ ہم عبادت کر سکیں نہ کچھ اس میں اس وہم کا شائبہ تھا کہ (بلا) وساطت اللہ عزوجل سے استعانت کرنا، ہے اور اس کا حکم ہے۔ وابتغوا الیہ الوسیلہ میری طرف وسیلہ چاہو۔ لہٰذا وسیلہ اعظم کی طرف رجوع کرتا ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم ہمیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے دونوں یاروں کی سچی معرفت عطا فرما۔ صحیح حدیث میں فرمایا الصراط المستقیم محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصاحباہ ابوبکر و عمر۔ صراط مستقیم محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور ان کے دونوں رفیق ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ آگے تمام وسائل کی تعمیم کرتا ہے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ راہ ان کی جن پر تو نے احسان کیا وہ کون ہیں؟ نبیین، صدیقین، شہداء، صالحین علیہم الصلوٰۃ

والسلام اجمعین۔ پھر یہ جان کر کہ اس راہ میں چور اور راہ زن بکثرت ہیں اُن سے پناہ ملنے کی دعا کرتا ہے کہ نہ ان کی جن پر تیرا غضب ہے نہ گمراہوں کی اب اس کا ایمان علماً (عملاً) ہر طرح کامل ہو گیا۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

روز جزا کا مالک ف۱ ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں ف۲

ف۱ "ہم تجھی کو پوجیں" یہ حصر مطلق ہے اصالۃً یا وساطۃً کوئی غیر خدا کسی طرح مستحق عبادت نہیں ہو سکتا اگر چہ اسے وسیلہ ہی جان کر پوجے۔ مشرکین مکہ نے یہی عذر کیا تھا کہ وہ بتوں کو وسیلہ ٹھہرا کر پوجتے ہیں۔ قرآن عظیم نے ان کا رد فرمایا اور انہیں مشرک ہی ٹھہرایا اور دوسرا حصر کہ ہم تجھی سے مدد چاہیں۔ حصر حقیقت ہے یعنی حقیقۃً مدد تجھی سے ہے اگر دوسرے کو مستقل بالذات سمجھ کر اس سے مدد مانگی جائے تو ضرور (مشرک) ہے اور بارگاہ الٰہی میں وسیلہ جان کر، تو بیشک جائز و مستحسن بلکہ خود قرآن مجید میں اس کا حکم ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں "غیر سے ایسی استعانت انبیاء و اولیاء نے کی ہے۔" اس کی مثال پہلی ہی آیت ہے کہ حمد کا حصر اللہ عزوجل کے لئے فرمایا یعنی حقیقی ذاتی کمال اسی کے لئے ہے اور اپنے نبی کریم کا نام محمد رکھا صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی بکثرت و بار بار حمد کئے گئے اور قیامت میں ان کے مقام کا نام مقام محمود رکھا۔ تو اولین و آخرین میں حضور کے لئے حمد ہے۔ توریت مقدس میں ہے۔ امتلات الارض من تحميد احمد و تقديسه ملك الارض و رقاب الامم۔ زمین بھر گئی احمد کی حمد اور تقدیس سے، احمد ساری زمین کا مالک اور

تمام امتوں کی گردنیں اس کی ملک ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، یہ حمد و ملک عطائی ہیں۔ اور اللہ عزوجل کے لئے ذاتی۔ تو اس میں حصر، ان کے لئے ثبوت کا منافی نہیں۔ یونہی اعانت و استعانت، قرآن فرماتا ہے وتعاونوا علی البر والتقوی نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اگر دوسرا مدد نہیں کر سکتا تو یہ حکم کس لئے۔ حدیث میں ہے اذا اراد احدکم عونا فلیناد یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی جب تم میں سے کوئی مدد چاہے تو یوں پکارے۔ "اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو"۔ اور اس کی یہ تاویل کہ وہاں کچھ اولیاء زندہ نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔ یہ ان سے مدد کو فرمایا ہے، محض نادانی ہے۔ دوسرے سے مدد مانگنا اگر شرک ہو تو شرک میں مردے اور زندے سب برابر۔ کیا زندے خدا کے شریک ہو سکتے ہیں؟ اور یہ تو اہل دل اسے کہنے کی بات ہے کہ اولیاء مردہ نہیں کہے جاتے وہ بعد وفات بھی زندہ ہیں۔ قرآن مجید سے اس کا ثبوت آگے مذکور ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ

۵ ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ راستہ ان کا جن پر

اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ

تو نے احسان کیا ۶ نہ ان کا جن پر غضب ہوا۔

وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

۷ اور نہ بہکے ہوؤں کا۔

ف ۱ اوپر حدیث سے ثابت ہوا کہ صراط مستقیم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصدیق و فاروق ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ تو سورۂ فاتحہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد پر مشتمل ہے اور شریعت مطہرہ نے نماز کی ہر رکعت میں اس کا پڑھنا واجب یا کم از کم سنت کیا اور ہر قعدہ میں التحیات واجب فرمائی جس کے اول میں حمد الٰہی کے بعد سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ سلام حضور پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں اور آخر میں شہادت و توحید کے بعد ہے وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے سب سے خاص تر بندہ اور رسول ہیں۔ پھر ہر اخیر قعدہ میں اس کے بعد درود کا حکم ہے، یہ ہمارے نزدیک سنت اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرض ہے، بے اس کے نماز ہوتی ہی نہیں۔ غرض نماز از اول تا آخر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد سے (معمور اور) مالامال ہے۔ وہابیہ کا امام اسمٰعیل دہلوی کہ اپنی کتاب مسمّٰی بہ (صراط مستقیم) میں نماز میں حضور کی طرف خیال لے جانے کو معاذ اللہ سخت ملعون الفاظ سے تعبیر کرتا ہے۔ شریعت مطہرہ کا منکر نہایت گستاخ، ضال ہے۔ سورۂ فاتحہ پر ایمان لانے والے خوب ہوشیار ہیں کہ فاتحہ نے جس طرح محبوبوں کے دامن تھامنے کی ہدایت فرمائی، یونہی دشمنوں سے دور بھاگنے کی و باللہ التوفیق۔

ف ۲ اللہ عزوجل اپنے غضب سے بچائے۔ اس کے غضب کو غصہ سے ترجمہ کرنا بھاری غلطی ہے۔ غصہ اصل میں گلے کے اچھو کو کہتے ہیں اور مجازاً اس غضب پر اطلاق ہوا جو گلے کے پھندے کی طرح گھٹے اور آدمی کسی خوف یا خاطر سے اسے (ظاہر) نہ کر سکے۔ اصل معنیٰ یہ ہیں، اور اللہ عزوجل اس سے پاک ہے تو اس پر اس کے اطلاق سے احتراز چاہیے۔ جیسے ناواقف لوگ اس کی رضا کو رضامندی بولتے ہیں یہ بھی نادانی اور جہالت ہے۔ فارسی میں مند

کا کلمہ ظرفیت کے لئے ہے۔ رضامندی یعنی رضا سے بھرا ہوا اور اللہ عزوجل ظرفیت سے پاک، ادب الفاظ ایک بہت بڑا علم ہے جسے اللہ عطا فرمائے۔ آج کل بہت لوگ اس سے معری ہیں یا پرواہ نہیں کرتے اور یہ اول سے سخت تر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

ف۳ حدیث صحیح میں ارشاد ہوا کہ مغضوبوں سے مراد یہود ہیں اور ضالین سے نصاریٰ۔ یہود و نصاریٰ دونوں کافر ہیں اور ہر کافر پر اللہ کا غضب اور ہر کافر گمراہ، پھر اس شخصیت کی حکمت سمجھئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محبوبان خدا کے ساتھ عداوت بھی کفر ہے اور ایسی جھوٹی نفسانی محبت کہ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا ٹھہرا دے یہ بھی کفر، تو کافر دونوں ہوئے، مگر وہ محبوبوں کی عداوت کی راہ سے، لہٰذا ان پر غضب کا لفظ ارشاد فرمایا اور یہ محبوبوں کی ادعائے محبت کی راہ سے، لہٰذا انہیں گمراہ، بتایا اور یہی وجہ ہے کہ یہود پر ذلت و خواری مقرر فرمادی۔ ہزاروں برس ان کی سلطنت رہی پھر جب سے اعلام فرمادیا ضربت علیهم الذلة والمسكنة وباءوا بغضب من الله کوئی بتادے کہ کسی یہود کی کہیں سلطنت ہوئی، براہ راست کوئی سلطنت نہیں ہوئی۔ فلسطین کی حکومت بیساکھی کے سہارے ہے ۱۲۔ کہ محبوبوں سے دشمنی کی تھی اس کا بدلہ یہی ہے کہ دنیا میں خوار اور آخرت میں نار۔ نصاریٰ کی گمراہی محبت محبوبان میں افراط سے ہوئی۔ محبوبوں کی محبت موجب عزت ہے۔ مسلمان بحمد اللہ سچے محب ہیں۔ انہیں سچی عزت دی کہ آخرت کی سلطنت ہے۔ نصاریٰ جھوٹے محب تھے انہیں دنیا کی عزت، دولت، سلطنت عطا فرمائی کہ دنیا بھی نری جھوٹ اور دھوکہ ہے۔ اسے غور کر لو کہ محبوبوں کی محبت اور عداوت میں یہ فرق ہوتا ہے پھر کیا کہنا ہے ان خوش نصیبوں کا جنہیں اپنے محبوب کی سچی محبت عطا فرماتے۔ اَللّٰھُمَّ ارزقنا آمین۔ سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا سنت، آمین کلمۂ قرآن نہیں، وہ مہر دعا، اور خود ایک دعا ہے اس کے معنی ہیں "الٰہی ایسا ہی

کر اور دعا میں سنت آہستہ ہونا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں حکم ہے۔ لہٰذا (نماز) میں آہستہ
آمین کہنا سنت ہوا۔

سُورۃ البقرۃ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا۔

الٓمّٓ ۝١ ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ

وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔

ف سورۂ آل عمران شریف میں بیان فرمائے گا کہ قرآن مجید کی آیتیں دو قسم ہیں متشابہات
اور محکمات حروف (تہجی) کہ سورتوں کی ابتدا میں مذکور ہیں۔ محال ہے کہ بے معنیٰ ہوں۔ نہ یہی
معقول کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ان کے معانی ظاہر نہ فرمائے گئے ہوں جس
سے خطاب فرمایا جائے۔ اس سے ایسا کلام (جس) کے معنیٰ وہ نہ سمجھے شان مخاطبہ سے بعید ہے۔
اور اگر حضور نہ سمجھتے تو جہاں میں کون سمجھنے والا ہو سکتا ہے تو حاصل یہ ٹھہرے گا کہ وہ کلام
نازل فرمایا جسے کوئی نہیں سمجھ سکتا یہ بات غیر معقول ہے، بلکہ یقیناً ان کے معانی حضور
اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے ہیں۔ حضور پر دو قسم کے علم نازل فرمائے ایک وہ کہ
امت کو جن کی تفہیم فرمانے کا حکم تھا کہ لتبین للنّاس ما نزل الیھم دوسرے وہ (اسرار)

کہ خاص محب و محبوب میں ہیں وہ (ان)، مقطعات شریفہ میں ہیں ان میں اصل راہ تو یہی ہے کہ ان کے معنیٰ کا علم اللہ و رسول پر حوالہ کیا جائے۔ و بس اور بعض صحابہ و ائمہ کے ان اشارات کی طرف بھی توجہ فرمائی، یہ طریقہ تاویل کہلاتا ہے نہ کہ تفسیر۔ تفسیر رائے سے حرام ہے اور تاویل میں رائے کی گنجائش۔ تفسیر بیان مراد (ہے) اور تاویل بیان احتمال و اشارات صحابہ و ائمہ نے (جس طور پر) ان میں کلام فرمایا اصلاً صالح انکار نہیں، تو یہ کہنا کہ وہ ان کی اپنی (رائے ہے)۔ گستاخی ہے۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کی (تاویل)، یہ مروی ہے کہ الف اشارہ ہے اسم جلالت کی طرف اور لام (جبریل کی طرف) اور میم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (کی طرف) گویا فرمایا جاتا ہے کہ اللہ نے جبریل کو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس یہ کلام لے کر بھیجا تو اس تقدیر پر، اگلے دعویٰ ذالک الکتاب لا ریب فیہ کی دلیل ہوئی کہ اس کتاب میں کچھ شک نہیں، کلام کہ متکلم دوسروں کے ذریعہ سے پہونچائے اس میں شک کی تین صورتیں ہوتی ہیں، یا تو متکلم کا صدق ضروری (نہ ہو) معاذ اللہ خلاف کا بھی امکان ہو یا سفیر جو لے کر آیا اس میں سہو یا خیانت کی گنجائش ہو، یا جن کے پاس آیا ان میں یہ احتمال ہو کہ پورا نہ پہنچائیں گے یا بات پوری نہ سمجھیں گے۔ یہاں یہ تینوں صورتیں محال ہیں۔ متکلم اللہ ہے جل جلالہ جس کا صدق واجب اور کذب محال بالذات اور سفیر جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ سہو و خطا سے معصوم ہیں اور مخاطب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ (حاوی) علوم و رسول معصوم ہیں۔ لہٰذا ذالک الکتاب لا ریب فیہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔ بعض نے فرمایا الف ایک ہے اور لام تیس اور میم چالیس تو یہ اشارہ ہے کہ ایک اللہ نے تیس پارے والا قرآن چالیس برس کی عمر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ بعض کہتے ہیں یہ قسمیں ہیں کہ کلام الٰہی میں مذکور ہوئیں۔ میں کہتا ہوں اس تقدیر پر ممکن ہے کہ الف

حضور کا قدِ مبارک ہو اور لام زلف مطہر اور میم دہن اقدس، گویا ارشاد ہوتا ہے تمہارے قد و زلف و دہن کی (قسم)، اس کتاب میں کوئی شک نہیں، یا الف حضور کا قامت مبارک ہے۔ جب حضور قیام میں ہوں اور لام کہ نصف جھکا ہوا ہے حالت رکوع کا اشارہ ہے اور میم کہ سمٹا ہوا ہے حالت سجود کا ایما گویا ارشاد ہوا کہ اے قائم، راکع، ساجد! تیرے قیام و رکوع و سجود کی قسم کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔

(۲) اس جملہ کریمہ میں محتمل ہے کہ ذالک مبتدا اور الکتاب اس کی خبر ہے اور لاریب فیہ دوسرا جملہ۔ ذالک سے اشارہ قرآن عظیم کی طرف ہے کہ اس کی علو شان کے سبب اشارہ بعید سے تعبیر فرمایا اور الکتاب میں لام عہد کا ہے۔ سورۂ کریمہ مدنیہ ہے مدینہ طیبہ میں تشریف آوری حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے (قبل) یہود آیسے تھے کہ بعثت اقدس کے منتظر تھے تو ان میں قرآن عظیم خوب معہود و معروف تھا کہ وہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن کے انتظار میں ہم یہاں آباد ہیں ان پر ایسی کتاب اترے گی، تو یہ فرمایا گیا کہ یہ قرآن وہ کتاب ہے جس کے تم منتظر تھے۔ آگے دوسرے جملہ سے اس کی تاکید فرمائی کہ لاریب فیہ اس کے وہ کتاب معہود ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اور محتمل ہو کہ ذالک الکتاب مبتدا اور لاریب فیہ اس کی خبر ہو، پہلی صورت میں (فیہ) کی ضمیر مضمون جملۂ اول کی طرف تھی اب نفس کتاب کی طرف ہوگی۔ یعنی اس کتاب کریم میں کوئی حرف محل شک نہیں، شک تو ہزاروں کو ہے، مگر جہاں آرا آفتاب بے پردہ و حجاب جب نصف (النہار) پر آئے اور مادر زاد اندھا جس کی آنکھوں کو شعاع کا بھی احساس نہیں، اگر اس میں شک کرے تو آفتاب مشکوک نہیں ہو جائے گا، آفتاب کو یہی کہا جائے گا کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

گر نہ بیند بروز شب پرہ چشم ۔:۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

راست خواہی ہزار چشم چناں ۔:۔ کور بہتر کہ آفتاب سیاہ

یہ آیت کریمہ وہابیہ پر قاہر رد ہے۔ وہابیہ اس سبوح قدوس کا معاذاللہ کذب ممکن جانتے ہیں جب کذب ممکن ہوا صدق ضروری نہ ہوا، اور جب صدق ضروری نہ ہوا تو لاریب فیہ کہاں سے آئے گا؟ ضرور اس میں محل ریب ہوگا۔ لاریب فیہ تو یونہی ہے کہ یہ اس کا کلام ہے جس پر کذب محال بالذات ہے کسی طرح اس میں کذب کا امکان (نہیں)، اور جب امکان مانا تو یقیناً عقل کو احتمال کذب رہے گا۔ کیا دلیل کہ وہ کذب جو ممکن تھا واقع نہ ہوا؟ امام الحرمین نے کتاب الارشاد اور امام فخر رازی نے مفاتیح الغیب میں اور، اور اکابر ائمہ نے تصریحیں فرمائی ہیں کہ جو بات ممکن ہے عقل اپنی طرف سے اس کے وجود و عدم کسی پر جزم نہیں کر سکتی اور کوئی تصریح نہ کرتا تو امکان کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ اسے عدم و وجود دونوں سے یکساں نسبت ہو، پھر کس ذریعہ سے (مان لیا کہ) اس نے جو کچھ فرمایا ضرور حق ہے۔ اس کے جاننے کے ذریعے اگر ہو سکتے تو تین ہی یا تو اس کا وعدہ کہ کذب اگرچہ ممکن ہے مگر میں کبھی صادر نہ کروں گا۔ یا اس کی خبر کہ میں نے جو کچھ فرمایا ہے حق ہی فرمایا ہے (اس امکان کو کام میں نہیں لایا)۔

ہوں یا اس کے نبی کی خبر کہ جو کچھ فرمایا ہے حق ہے۔ مسلمانو! ذرا غور کرو اگر معاذاللہ اس کا کذب ممکن ہو تو اس کے وعدہ اور اس خبر کے صدق پر کیا اطمینان! ممکن کہ جھوٹ یہی بولا ہو اور جب اس کی خبر پر اطمینان نہیں تو نبی کی خبر تو دوسرے درجے میں ہے۔ غرض امکان کذب مان کر تصدیق کلام اللہ کے سارے ذرائع بند کر دیئے یہ حاصل ہے وہابیہ کے ایمان کا۔ جس کو قرآن فرما رہا ہے کہ لاریب فیہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ امکان کذب (مان) کر سارا قرآن اور تمام دین و ایمان (تہہ) و بالا کر دیا۔ کسی پر اطمینان نہ رہا۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ؕ

ف۱ اُس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو ف۲ وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں۔

ف۱ متقی صاحب تقویٰ کو کہتے ہیں۔ تقویٰ بچنا اور پرہیز کرنا۔ اور وہ سات قسم ہے۔ قسم اول کفر سے بچنا اور وہ ہر مسلمان کو حاصل ہے۔ دوم بدمذہبی سے بچنا اور وہ ہر سنّی کو نصیب ہے۔ سوم ہر کبیرہ سے بچنا یعنی نہ کسی کبیرہ کا ارتکاب کرے اور نہ کسی صغیرہ پر اصرار کرے۔ صغیرہ بھی اصرار سے کبیرہ ہو جاتا ہے۔ چہارم صغائر سے بھی بچنا۔ پنجم شبہات سے بھی احتراز۔ جس کو فرمایا آدمی متقین کے درجہ کو نہیں پہنچتا جب تک مباح کو ممنوع کے خوف سے ترک نہ کرے۔ ششم شہوات سے بچنا۔ ہفتم غیر کی طرف التفات سے بچنا یہ اخص الخواص کا منصب ہے۔ اور قرآن عظیم ان ساتوں فرقوں کا ہادی ہے۔

ف۲ ایمان یہ ہے کہ جو کچھ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے رب کے پاس سے لائے، سچے دل سے اس سب کی تصدیق کرنا، ماننا، گرویدہ ہونا، بعض گمراہوں نے جو یہ کہا کہ ایمان سچا سمجھنے کو کہتے ہیں یہ اس ایمان کے معنیٰ ہوں گے جس کے وہ مدعی ہیں ورنہ فقط سچ سمجھنا ہرگز ایمان کے لئے کافی نہیں۔ ہزاروں یہود و نصاریٰ بلاشبہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سچا نبی دل میں سمجھتے تھے مگر ایمان سے حصّہ نہ تھا۔ مولا تعالیٰ فرماتا ہے یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم۔ یہ اہل کتاب اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ عبد اللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اعلم علماء یہود تھے۔ جب مشرف باسلام ہوئے اس آیت کریمہ کو سن کر عرض کی یارسول اللہ واللہ کہ ہم حضور کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچانتے تھے۔ بیٹے میں احتمال ہے شاید عورت نے خیانت کی ہو اور حضور کی رسالت میں

کوئی شک نہ تھا۔ مولیٰ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم جان بوجھ کر مکرے اور دلوں میں خوب یقین تھا۔ اور فرماتا ہے وقد کانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاء ھم ما عرفوا کفروا بہ فلعنۃ اللہ علی الکافرین۔ اور بیشک اس نبی کے ظہور سے پہلے لڑائیوں میں اس کے صدقہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے کہ الٰہی اس نبی آخر الزماں کا صدقہ ہمیں ان پر فتح دے۔ پھر جب وہ جانا پہچانا نبی تشریف لایا، منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت کافروں پر۔ یہودی بادشاہ خیبر نے اپنے بھائی سے کہ دونوں عالم یہود تھے پوچھا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ بولا خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کی بشارت موسیٰ نے دی تھی۔ کہا پھر تو اپنے دل کو ان کی طرف سے کیسا پاتا ہے؟ کہا خدا کی قسم پہلے سے زیادہ عداوت (سے پُر) کہا اپنا بھی یہی حال ہے۔ یہ حال ہے ان پر سچ سمجھنے والوں کا، یقیناً سچ سمجھتے تھے اور یقیناً کافر تھے۔ مسلمانو! ان تباہ کنندگانِ دین وایمان سے پرہیز کرو۔ جو ترجمۂ قرآن مجید کا نام کریں اور ایسی الٹی سمجھائیں کہ ایمان ہی کا پتا نہ رہے ایمان میں سچا ماننا ضرور ہے یہ بھی سمجھے کہ اس قائل نے ماننے سے عدول (کیوں) کیا؟ اس میں بڑی حکمت ہے۔ اس کا پیشوائے مذہب اسماعیل دہلوی تقویۃ الایمان میں جا بجا لکھ گیا ہے کہ "اللہ کے سوا کسی کو نہ مان، اوروں کو ماننا محض خبط ہے۔ سب نبی اتنی ہی بات سمجھانے آئے تھے کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ مانئے"۔ جب یہ ان لوگوں کا اعتقاد ہے تو وہ (ایمان) کے معنیٰ ماننا کیسے لے سکتے ہیں کہ ایمان تو رسول پر لانا پڑے گا اور ان کا مذہب یہ ہے کہ رسول کو ماننا محض خبط ہے لہٰذا (ان ہی کی) تقلید سے فقط سمجھنے پر اکتفا کی۔

وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ

ف اور نماز قائم رکھیں ف۲ اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں

يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ

اٹھائیں ف۳ اور وہ کہ ایمان لائیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اترا اور جو تم سے پہلے اترا۔ ف۵

ف غیب پر ایمان لانے کا حکم فرمایا۔ غیب اسے کہتے ہیں جس تک عقل و حواس کی رسائی نہ ہو۔ ایسی بات بغیر نبی کے بتائے معلوم نہیں ہو سکتی۔ نبی کو نبی اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ غیب کی خبریں ارشاد فرماتا ہے۔ جنت و نار و حشر و نشر و عذاب و ثواب و حساب و کتاب و ملائکہ وغیرہم ہزاروں غیوب ہیں جن پر ایمان لانے کا حکم ہے اور ایمان اسی وقت تک مقبول ہے کہ ان پر بے مشاہدہ ایمان لائے۔ وقت نزع جب سینہ پر دم آتا اور حالت غرغرہ پیدا ہوتی ہے اس وقت پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ یہ چیزیں پیش نظر ہو جاتی ہیں۔ اس وقت کا ایمان مقبول نہیں کہ حکم تو غیب پر ایمان لانے کا تھا۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ عز وجل اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے ہر مسلمان کو غیب کا علم دیتا ہے کہ غیب پر ایمان کا حکم ہے اور ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم ہے جو بات (علم ہی میں) نہیں اس کی تصدیق کیوں کر ہو سکتی ہے تو یہ آیت بھی وہابیہ کا رد ہے۔

ف۲ یہاں سے نماز کی عظمت ظاہر ہوئی کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے ایمان و ہدایت کے ساتھ اسے قرین کیا۔ اسی لئے حدیث میں ارشاد ہوا الصلوٰۃ عماد الدین من اقامها فقد اقام الدین ومن ترکها فقد هدم الدین۔ نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے قائم کیا اس نے اپنا دین قائم کیا اور اسے چھوڑا اس نے اپنا دین ڈھایا۔

ف۳ اس خرچ کرنے سے زکوٰۃ مراد ہے۔ یہ دینِ اسلام کا (نماز) کے بعد دوسرا رکن ہے۔ بتیس جگہ قرآن مجید میں نماز کے ساتھ اسے ذکر فرمایا۔ عبادت (بدنی) سے ہو گی یا مال سے اول کی سرتاج نماز ہے اور دوم کی سردار زکوٰۃ۔

ف۴ ایمان کا ذکر فرما چکا تھا مگر وہ مجمل تھا۔ اب ایک صحیح (معیار) ارشاد فرماتا ہے جس میں سب کچھ تفصیلاً آجائے کہ اس قرآن کریم اور خدا کی سب کتابوں پر ایمان لاؤ کتب الٰہیہ تمام ایمانیات کی تفصیل ہے۔ ان پر ایمان میں تفصیلاً سب پر ایمان ہو جائے گا۔

ف۵ قرآن عظیم جمیع مطالب کتب (سماوا) یہ پر مشتمل، بلکہ جملہ مَا کَانَ وَمَا یَکُون کو حاوی ہے اور وہ خود مصدق قالبین یدیہ اگلی کتب سماویہ کی تصدیق فرمانے والا ہے۔ بایں ہمہ فرمایا گیا کہ ایمان لائیں اس پر بھی جو تم سے پہلے اترا یہ مسلمانوں کے ایک خاص طبقہ کے لئے ہے کہ وہ اللہ کی سب کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔ بخلاف یہود کہ توریت کو مانتے ہیں انجیل و قرآن کے منکر، نصاریٰ کہ انجیل کو مانتے ہیں۔ قرآن کے منکر۔ پھر واقعہ یہ ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتابیں بدل دیں۔ تحریفیں کر دیں، گھٹا دیا، بڑھا دیا تو کسی کو یہ شبہہ ہو کہ اب ان کتابوں پر ایمان ضروری نہ رہا، ان پر ایمان ویسا ہی ضروری ہے ان کے ہاتھوں کے تحریف ہونے سے کلام اللہ نہیں بدل گیا۔ ان کی نسبت یوں کہو کہ جو کچھ اس میں اللہ کا کلام ہے اس پر ہم ایمان لائے۔

⁂ ⁂ ⁂

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى

ف۱ اور آخرت پر یقین رکھیں۔ وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے

مِنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

ہدایت پر ہیں۔ اور وہی مراد کو پہونچنے والے ۲ بیشک وہ جن کی قسمت میں

كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ

کفر ہے انہیں برابر ہے چاہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ

نہیں ۳ اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کر دی اور ان کی آنکھوں پر گھٹا

وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۷﴾

ٹوپ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ ۴

۱ آخرت پر ایمان کا تین بار ذکر ہو چکا۔ غیب پر ایمان لاتے (نہیں)۔ آخرت غیب ہے۔ اگلی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں ذکر آخرت ہے۔ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور اس میں تو اس (تفصیل) کے ساتھ ہے کہ کسی کتاب میں نہیں، بایں ہمہ چوتھی بار تصریحًا اسے ارشاد فرمایا کہ تمام طبائع کو آخرت کا یقین ہی ایمان پر مستقیم رکھتا، اور اطاعت کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اللہ عزوجل لذاتہٖ مستحق (عبادت) ہے اگر بالفرض عبادت پر کوئی ثواب موعود نہ ہوا ئکے ترک پر کوئی عذاب ہو وہ مستحق عبادت ہے توریت مقدس میں ہے اس سے بڑھ کر ظالم کون جو بہشت (کی) خواہش یا دوزخ کے خوف سے میری عبادت کرے، کیا، اگر میں بہشت دوزخ نہ بناتا تو مستحق عبادت نہ تھا؟ مگر یہ صفت مردوں کی ہے عام خلائق مثل اطفال ہیں بھلائی کی (طرف) بلانے اور برائی سے روکنے کے لئے لالچ دیا جاتا اور ڈرایا دھمکایا جاتا ہے لہٰذا آخرت

پر ایمان دیا، بالتصریح جداگانہ ذکر فرمایا۔

ف۲ یہ نہ فرمایا کہ "تمہیں برابر ہے" کہ حضور تو ان پر حجۃ اللہ قائم فرما رہے ہیں۔ ہاں انہیں یکساں ہے ـــــــ اور اسی تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ بعض گمراہوں نے جو اس میں معاذ اللہ عبث ہونے کا احتمال نکالا ہے، محض ضلالت ہے کیا حجۃ اللہ قائم کرنا معاذ اللہ عبث ہے انہیں تبلیغ و دعوت نہ فرمائی جاتی تو روز قیامت ان کے لئے کہنے کو جگہ ہوتی کہ ہمیں کسی نے ڈرایا ہی نہیں۔ جیسا کہ باوصف ہزاروں تبلیغوں کے یہی جھوٹا عذر پیش کریں گے۔ اس کے رفع کے لیے انہیں ڈرایا گیا اور حجۃ اللہ، ان پر قائم ہوگئی۔

ف۳ یہ آیۃ کریمہ جبریوں، قدریوں، رافضیوں، معتزلیوں سب پر رد بلیغ ہے۔ جبریوں پر تو ظاہر ہے کہ ان کے لئے بڑا عذاب بتاتا ہے۔ اگر انسان اپنے کام میں پتھر کی طرح مجبور محض ہے تو اس پر (عذاب)، کس لئے؟ قدریہ، معتزلیہ نے بندے کو اپنے مطلقاً افعال، اور روافض نے افعال شر کا خالق اس لئے مانا تھا کہ ان کے زعم باطل میں مولیٰ تعالیٰ پر ارادہ شر کا الزام نہ آئے وہ اب بھی حاصل ہے۔ جب اس نے ان کے دلوں پر مہر فرمائی کہ حق نہ سمجھ سکیں۔ کانوں پر مہر لگادی کہ حق بات کان تک ہی نہ پہونچے تو تمہارے ناقص (عقول) کے ظہور پر ان کے کفر کا الزام کس پر؟ تو ثابت ہوا کہ مذہب اہلسنت حق ہے کہ نہ اس پر اصلح واجب، نہ اس کے کسی فعل پر سوال وارد۔ دو غلاموں کا ایک مالک مجازی ہو وہ ایک کو مسجد کی خدمت پر مقرر کرے، دوسرے کو پاخانہ کمانے پر، اور دونوں ہوں ایک سے، تو اس پر اگر کوئی اعتراض کرے، وہ یہی جواب دے گا میں مالک ہوں جس سے جو چاہا کام لیا۔ جب مالک مجازی سے سوال نہیں ہو سکتا تو مالک حقیقی سے سوال کرنے والا کون؟ جو چاہا

کیا۔ جو چاہے گا کرے گا۔ انسان اور پتھر میں فرق (بدیہی) ہے۔ مولیٰ تعالیٰ نے اسے عقل دی۔ ایک نوع اختیار دیا۔ اس نے اسے انکار میں صرف کیا۔ دنیا میں سزا یہ دی کہ ان کے دل اور کانوں پر مہر لگادی کہ اب سننے سمجھنے کے قابل ہی نہ رہے اور آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔

ف۴ یہ آیت کریمہ نیچریہ کا رد ہے جو صرف کلمہ گوئی کو ایمان کے لئے کافی جانتے ہیں۔ یہاں ان کے کلمہ گوئی کا ذکر فرمایا اور ساتھ ہی فرمادیا کہ وہ مسلمان نہیں۔

ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاٰخر وما

اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور

ھم بمؤمنین ۝ یخٰدعون اللہ والذین اٰمنو ج

وہ ایمان لانے والے نہیں ف۱ فریب دیا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو

وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون ۝ فی

اور حقیقت میں فریب نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو اور انہیں شعور نہیں۔ ف۲

قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضاً ج ولھم عذاب

ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھائی اور ان کے لئے

الیمۃ بما کانوا یکذبون ۝ واذا قیل لھم لا

دردناک عذاب ہے۔ بدلا ان کے جھوٹ کا ف۳ اور جو ان سے کہا جائے زمین میں

تفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون ۝

فساد نہ کرو، تو کہتے ہیں ہم تو سنوارنے والے ہیں۔ سنتا ہے وہی

الا انھم ھم المفسدون ولکن لا یشعرون ۝

فسادی ہیں مگر انہیں شعور نہیں۔ اور جب ان سے کہا جائے ایمان لاؤ

واذا قیل لھم اٰمنوا کما اٰمن الناس قالوا

جیسے اور لوگ ایمان لائے ہیں۔ تو کہیں کیا ہم احمقوں کی طرح ایمان لے آئیں۔

انؤمن کما اٰمن السفھاء الا انھم ھم السفھاء

وٓ سنتا ہے وہی احمق ہیں وھ مگر جانتے نہیں وٓ اور جب

ولکن لا یعلمون ۝ واذا لقوا الذین اٰمنوا

ایمان والوں سے ملیں تو کہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے

قالوا اٰمنا واذا خلوا الیٰ شیٰطینھم قالوا انا

شیطانوں کے پاس اکیلے ہوں تو کہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

معکم انما نحن مستھزءون ۝

ہم تو یوں ہی ہنسی کرتے ہیں۔

وا اس (آیت) کریمہ میں تقیہ (تقیہ کا رد ہے) والا مسلمانوں کو فریب ہی دیا جاتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ اللہ بھی اس کے اس فریب کی گرفت نہ کرے گا تو (گویا اللہ کو بھی) فریب دینا چاہتا ہے اسے فرمادیا کہ یہ ان کا خیال خام ہے بلکہ خود اپنی جانوں کو فریب میں

ڈالے ہوئے ہیں، سمجھتے ہیں کہ دھوکہ دے کر بچ گئے، اور ایک دن وہ آنے والا ہے تبلی السرائر فمالہ من قوۃ ولا ناصر جس دن دلوں کی چھپی جانچی جائیں گی۔ اس دن آسے نہ کچھ زور ہوگا نہ کوئی مددگار۔

ف۲ یہ آیۃ کریمہ معتزلہ و روافض کا رد ہے۔ ان کے نزدیک معاذاللہ اللہ عزوجل پر (اصلح) واجب ہے یعنی بندہ کے حق میں وہی کرنا جو اس کے حق میں بہتر ہو۔ جس کے دل میں بیماری ہو . . . . اس کی بیماری بڑھا دینا کیا اس کے حق میں بہتر ہے؟ نہیں بلکہ وہی ہے یفعل اللہ ما یشاء اللہ کرتا ہے جو چاہے۔

ف۳ یہ آیۃ کریمہ ان لوگوں پر رد ہے جو صلح کلی بنا چاہتے ہیں جس جلسہ میں گئے، ویسی ہی کہی اور اس میں اپنی بھلائی سمجھتے ہیں اور اسے اصلاح جانتے ہیں۔ فرمادیا کہ یہ بڑا فساد ہے اصلاح تو دین پر قائم رہنے میں ہے اور قیام دین کے دو رکن ہیں (الحب) للہ والبغض للہ محبوبوں سے محبت اور دشمنوں سے عداوت بغیر یکسو ہوئے نہیں ہو سکتا۔ دورویہ پن سے دین تو گیا ہی، دنیا میں بھی کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ ایسا شخص دونوں فریق کی نگاہ میں (ذلیل) ہوتا ہے ــــــ ف۴ اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا کی عقل، علم، کمالات کتنے ہی ہوں آدمی کو احمق ہونے سے نہیں بچا سکتے جب تک ایمان نہ لائے۔ ایک بوہرا جسے لوگ بے عقل کہیں اور ہو مسلمان، اور دوسرا کافر فلسفی کہ دنیا کی عقل بروجہ کمال رکھتا ہو اور فلسفہ و ہیأت و ہندسہ و ریاضی کا علامہ ہو، عنداللہ یہ احمق ہے اور اس کی عقل اس (سے) بدرجہا بہتر ہے کہ وہ نجات کی (راہ) چلا اور اس نے اپنے لئے ہمیشہ کی آگ اختیار کی اس سے بڑھ کر حماقت کیا ہے۔ ف۵ حماقت پر حماقت یہ جہل (مرکب) کہ ہیں احمق، اور اپنے آپکو سمجھتے ہیں عاقل۔ ف۶ یہ آیت کریمہ بھی تقیہ کا (رد) ہے۔ ــــــ ●●

آئینہ حق نما

چشم و چراغ ـــــ مارہرہ
حضرت علامہ شاہ سیّد حسن میاں رحمۃ اللہ علیہ
سجّادہ نشیں آستانہ برکاتیہ،
(مارہرہ شریف)

چہرۂ زیبا ترا احمد رضا
آئینہ ہے حق نما احمد رضا

غوث اعظم مظہر شاہِ رُسل
ان کا تو مظہر ہوا احمد رضا

علم تیرا بحرِ ناپیدا کنار
ظلِّ علمِ مرتضیٰ احمد رضا

تیرے مرشد حضرت آلِ رسول
ان کو تجھ پہ ناز تھا احمد رضا

اپنے برکاتی گھرانے کا چراغ
تجھ کو نوری نے کہا احمد رضا

سنّیوں پر یہ ترا احسان ہے
اپنے دامن میں لیا احمد رضا

سنّیت کی آبرو دم سے ترے
اب بھی قائم ہے شہا احمد رضا

جب بھی کوئی مرحلہ آکر پڑا
تو نے عقدہ حل کیا احمد رضا

نعرۂ شیرانہ جب گونجا ترا
قلبِ نجدی پھٹ گیا احمد رضا

نام لیوا دید کے مشتاق ہیں
کھول دے چہرہ ذرا احمد رضا

مفتیٔ اعظم ہوئے واصل بحق
ان سے راضی ہو خدا احمد رضا

تیری الفت میرے مرشد نے مجھے
دی ہے گھٹی میں پلا احمد رضا

یاد کرتا ہے تجھے تیرا حسن
اس کے حق میں کر دعا احمد رضا

⁂ ⁂ ⁂

نغمۂ رضا

نعت: امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ،

تشریحی ترجمہ: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

اے محبوب تجھ جیسا کسی نے نہیں دیکھا۔ تیرا مثل پیدا ہی نہیں ہوا۔ کائنات کی شاہی کا تاج تیرے ہی سر سجتا ہے۔ (سب ہی نے) تجھی کو دونوں جہاں کا بادشاہ جانا اور مانا ہے۔

البحر علا والموج طغی من بے کس و طوفاں ہوشربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا

سمندر چڑھ رہا ہے، موجیں بپھر رہی ہیں، میں بے یار و مددگار ہوں، طوفان ہوش

اڑائے دیتا ہے..... ہوا مخالف ہو گئی، بھنور میں پھنس گیا ہوں، (اے محبوب) میری کشتی کو پار لگا دے ......

یا شمس نظرت الی لیلی، چوں بطیبہ رسی عرضے بکنی

توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا

اے آفتاب! تو نے میری رات دیکھی؟ (اتنی سیاہ رات کہ تیرے ہوتے ہوئے بھی اس کی سیاہی نہ گئی!) جب تو گردش کرتے کرتے مدینہ پہنچے تو یہ عرض کرنا "تیرے نور کی چکا چوند نے پوری کائنات کو منور کر رکھا ہے مگر میری رات، رات ہی رہی، دن نہ ہو سکی"...

لك بدر فی الوجہ الاجمل، خط ہالہ مہ زلف ابر اجل

تورے چندن چندر پرو کنڈل، رحمت کی بھرن برسا جانا

تیرے چہرۂ زیبا میں چودھویں کا چاند دمک رہا ہے، ...... تیرا خط، جیسے چاند کے گرد ہالہ .... تیری زلف جیسے گھنگور گھٹا ...... تیرے مہکتے، چاند جیسے چمکتے چہرے کے گرداگرد رحمت ہی رحمت ہے ——— ہم پر بھی رحمت کی پھوہار ڈالتا جا-!

انا فی عطش وسخاك اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم

برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا

اے گیسوئے پاک! میں پیاسا ہوں، تیری سخاوت کا کیا کہنا! اے رم جھم برسنے والے ابر کرم! دو بوندیں مجھ پر بھی گراتا جا۔

یا قافلتی زیدی اجلک رحمے بر حسرت تشنہ لبک
مورا جیرا لرجے درک درک طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا

اے مرے قافلے والو! کچھ دن تو اور ٹھہرو..... مجھ حقیر حسرت بھرے پیاسے پر کچھ تو رحم کرو!...... (فراق کے خیال سے) میرا دل دھڑک رہا ہے، تڑپ رہا ہے، کانپ رہا ہے۔ ..... ابھی مدینہ سے کوچ کی خبر تو نہ سناؤ.....!

واہا لسویعات ذہبت آں عہد حضور بار گہت
جب یاد آوت موہے کر نہ پرت دردا وہ مدینے کا جانا

آہ! کیا گھڑیاں تھیں جو بیت گئیں!.... وہ تیری بارگاہ میں حاضری کا زمانہ جب بھی مجھے یاد آتا ہے تو میرا دل بے چین ہو جاتا ہے.... آہ! وہ مدینہ کا جانا! (وہ بھی کیا دن تھے)

القلب شج والھم شجون دل زار چناں جاں زیر چنوں
پت اپنی بپت میں کا سے کہوں مرا کون ہے تیرے سوا جانا

دل زخمی ہے اور مصیبتیں پیچ در پیچ ہیں ____ دل ایسا ضعیف ہے اور جان ایسی کمزور ہے.... ! اے محبوب! میں اپنا دکھ درد کس کو سناؤں.... ؟ تیرے سوا میرا ہے کون؟

الروح فداک فزد حرقا یک شعلہ دگر برزن عشقا
مورا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا

(اے محبوب، تجھ پر جان قربان!... سوزش عشق اور بڑھا دے.... اے آتش عشق!

اک اور لپیٹ مار ہاں ، تو نے میراثِ من دھن سب پھونک دیا (یہ جان رہ گئی ہے) اس کو بھی جلاکر بھسم کر دے ۔

بس خامۂ خام نوائے رضا نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

اے قلم ! تو رضا کے روکھے پھیکے اشعار لکھ چکا ، بس کر !
. . . . . یہ تو نہ رضا کا طرز ہے اور نہ رنگ شاعری . . . کچھ دوستوں کی فرمائش نے مجبور کیا تو یہ طرز اختیار کی اور چار زبانوں میں نعت پیش کی ۔

اردو نعتیہ شاعری

میں

امام احمد رضا کا مقام

وجاہت رسول قادری

برصغیر پاک و ہند میں نعتیہ شاعری کا باقاعدہ نشان سلطان شہاب الدین التمش کے عہد میں ملتا ہے۔ اس کے بعد کے دور میں حضرت امیر خسرو سے نعتیہ شاعری کو فروغ ملا۔ صاحبانِ دل کے لئے ان کی نعت برنگ غزل آج بھی کیف و سرمستی کا موجب ہے۔ ان کی ایک مشہور نعت کا مقطع ملاحظہ ہو

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمد شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم (صلی اللہ علیہ وسلم)

اردو شعر و ادب کی ابتداء بھی امیر خسرو کے عہد ہی سے ہو چکی تھی، اگرچہ رفتار آج کے مقابلے میں سست تھی اور آج تو اردو شعر و ادب نے اپنے دامن میں اتنے درِ شاہوار اکٹھا کر لئے ہیں کہ جس پر دوسری زبانوں کو رشک ہے لیکن مقام افسوس ہے کہ اس کے باوجود اردو میں مجازی شاعری کے مقابلے میں حمد و نعت کا سرمایہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ قطب علی شاہ، ولی دکنی ،

میر تقی میر، غالب، ذوق، سودا، داغ، مومن، آتش، ناسخ، انیس، دبیر، اصغر، جگر، حسرت، جوش غرض دبستان لکھنؤ و دلی کے وہ تمام قابل ذکر شعراء جنہیں امام الادب، رئیس المتغزلین، استاد الشعراء کے خطابات سے نوازا گیا اور جن کے کلام بلاغت نظام کو اردوئے معلّٰی کا شاہکار اور اردو شعر و ادب کی آبرو قرار دیا گیا، مگر حیرت و افسوس ہے کہ ان کے دواوین نعت مقدس کے بہترین سرمائے سے بہت دور تک خالی ہیں۔

امیر مینائی اور محسن کاکوروی نے اردو نعتوں کو فنی زینت بخشی۔ دونوں کا شمار اردو کے بڑے نعت گو شعراء میں ہوتا ہے۔ امیر مینائی کا ایک معراج نامہ بعنوان "لیلۃ القدر" اردو ادب میں بہت مشہور ہوا۔ محسن کاکوروی کا شمار اردو کے بڑے نعت گو شعراء میں ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری "وہ اردو کے پہلے شاعر ہیں جنہوں نے نعت گوئی کو سنجیدگی سے ایک مستقل فن کی حیثیت سے اپنایا"۔ لیکن محسن کاکوروی جناب مرزا نظام الدین بیگ کے الفاظ میں "اپنی فکر کا پورا زور الفاظ کی تراش خراش، تشبیہات اور استعارات کی زیبائش اور آرائش پر صرف کرتے ہیں جس کی وجہ سے بیان و آرائش کا حسن تو دوبالا ہو جاتا ہے لیکن نفس مضمون کی روح اس کے دبیز پردوں میں روپوش ہو جاتی ہے، چنانچہ "گریز" کے عنوان سے شب معراج کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

تھا دیکھ کے اس ادا کو مفتوں
دشت عرفات شکل مجنوں!
چشم در کعبہ معلی
آئینہ حیرت تماشا
سکتے میں کیا یہ گل کھلائے

اس رات کا رنگ و روپ کیا ہے

امام احمد رضا بریلوی اور اردو ادب میں فروغ نعت :۔

امام احمد رضا بریلوی نے اردو ادب میں صنف نعت کو ایک نئی جلا بخشی اور عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور میں ڈھلے ہوئے جذبات و احساسات سے اردو کی نعتیہ شاعری میں چار چاند لگا دیئے۔ ان کے عہد تک اردو شاعری عاشقان مجازی کی زلفوں کے پیچ و خم میں الجھی رہی، اور محرمات شرعیہ کی ترغیب و تشریق اس کی انتہائے منزل تھی، امام احمد رضا کا احساس یہ ہے کہ بقول پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج ٹھٹھ سندھ (پاکستان) " شعر و شاعری کی اس مکدر فضا کو خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ نے مصفی و مزکی کیا اور عشق و محبت کے سچے جذبات سے اردو شاعری کو روشناس کیا اور یہ پیش گوئی فرمائی ؎

پھولے گا اس زباں میں گلزار معرفت
یاں میں زمین شعر میں یہ تخم بو گیا

مولانا احمد رضا خاں اس " گلزار معرفت " کے لئے نسیم سحری بن کے آئے اگر وہ نہ آتے تو اس گلشن پہ یہ بہار نہ آتی۔

امام احمد رضا کی تبحر علمی، اور وسعت فکری کے سامنے شعر گوئی کوئی حیثیت نہیں رکھتی، لیکن آپ نے شاعری کو برائے شاعری نہیں اپنایا بلکہ اپنے اظہار مسلک کا ذریعہ بنایا اور اپنے کلام بلاغت نظام سے اردو شاعری کے دامن میں شعر و ادب کے وہ موتی بکھیرے جس کا جواب پوری دنیائے شاعری میں بہت مشکل سے ملے گا، خود فرماتے ہیں ؎

یہی کہتی ہے بلبل باغِ جناں، کہ رضا کی طرح کو سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ، مجھے شوخیٔ طبعِ رضا کی قسم

امام موصوف کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ سے عشق صادق تھا، انہوں نے اپنا سب کچھ کھو کر بھی عشق کی آبرو کو سلامت رکھا اور عالم کیف و مستی میں جھوم جھوم کر یہ نعرۂ مستانہ بلند کرتے رہے۔ ؎

اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

آپ کے اردو فارسی کلام کا مجموعہ دیوان ''حدائق بخشش'' کے نام سے موسوم ہے، واقعی اس میں بخشش کے ایسے باغات ہیں جس کے پھولوں سے علم و ادب، حقیقت و معرفت اور عشق و محبت کی جاں فزا مہک ہمارے ایمان و عقیدہ کو معطر کرتی ہے، حدائق بخشش کا ایک ایک شعر پڑھتے جایئے لفظ لفظ سے عشق و محبت کا پھوٹتا ہوا ایک آبشار نظر آئے گا ؎

کروں تیرے نام پہ جاں فدا، نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا، کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

''الروح فداک فزد حرقا'' یک شعلہ دیگر بر زن عشقا
مورا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا

سچ تو یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی ایک سچے عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے اور اپنے زمانے کے بہترین (نعت گو) شاعر، ایک ایسے عاشق نعت گو شاعر جن کی نعت گوئی اور ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کا چرچا عرب و عجم اور حل و حرم ہر جگہ پھیل چکا ہے۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں

کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

امام صاحب کے اس شعر کا لطف و کیف کچھ وہی لوگ جانتے ہیں جو حج کی سعادت کے حصول کے بعد پہلی بار زیارت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے حاضر ہوتے ہیں ؎

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

زائرین مدینہ کے لبوں پر یہ شعر ان کے دل کی دھڑکن بن کر ابھرتا ہے غرضیکہ آپکا نعتیہ کلام، غزل، قصیدہ، مثنوی، مستزاد، قطعات، رباعیات، تشبیہات، استعارات، اقتباسات، فصاحت و بلاغت، حسن تعلیل و حسن تشبیب، حسن طلب و حسن تضاد، مراعات النظیر وغیرہ تمام اصناف سخن کا سدابہار چمن نظر آتا ہے جس کی اس دور کے اردو ادب میں مثال نہیں ملتی۔ ان کا مشہور زمانہ سلام ؎

مصطفٰے جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

آج عالم اسلام کے ہر گوشہ میں بچہ بچہ کی زبان پر جاری ہے لیکن افسوس کہ ایسی ذات جس نے اردو ادب کو ذوق نعت دیا اور جس کا کلام بلاغت نظام اردو ادب میں ایک عظیم سرمایہ کے اضافہ کا باعث بنا اسکا تذکرہ اردو ادب کی تاریخ میں جماعتی عصبیت اور گروہی تعصب کی بھینٹ چڑھ گیا۔ نصف صدی تک یہ کوشش کی جاتی رہی کہ امام احمد رضا بریلوی کا تذکرہ اردو ادب میں نہ آئے مگر "مشک آنست کہ خود ببوید، نہ کہ عطار بگوید" کے مصداق امام احمد رضا کا ذوق عشق اور شوق مدحت سرائی خواجہ بطحا جیسے جیسے لوگوں تک پھیلتا گیا بحیثیت شاعر (دربار رسالت) اردو ادب میں بلند سے بلند تر مقام پر فائز ہوتا گیا۔

(صدر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا)

فتاویٰ رضویہ میں
علم ریاضی و ہیئت کا استعمال

پروفیسر ڈاکٹر محمد صادق ضیاء
صدر شعبہ ریاضی، گورنمنٹ کالج،
فیصل آباد، (پاکستان)

فقہ حنفی کے تحیر خیز خزانہ فتاویٰ رضویہ کے مصنف امام احمد رضا ایسے عظیم حنفی فقہاء کے قبیل سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے مسائل فقہ میں ریاضی کے استعمال میں خصوصی مہارت کا اظہار کیا اور فقہی فکر میں سائنسی بنیاد فراہم کی۔ امام احمد رضا نے تو اس ضمن میں اس باریک بینی سے کام لیا ہے جو ایک کامل و اکمل محقق ہی کا خاصہ ہے۔ ان کے کام میں وہ صحت و درستی (Precision.) موجود ہے جو تمام تر علمی تقاضے پورے کرنے کے لئے ضروری ہے۔

طلوع و غروب، طلوع سحر، نمازوں کے نظام الاوقات، تقسیم ترکہ، زکوٰۃ، صدقہ فطر، فدیہ صوم صلوٰۃ وغیرہ غرض جہاں کہیں بھی ریاضی کے استعمال کی ضرورت پڑی آپ نے نہ صرف زیر نظر موضوع پر

پہلے سے موجود فتاویٰ کو ان کی منطقی اور ریاضیاتی گہرائی تک خود پرکھا بلکہ اس موضوع کو تحقیق انیق کے درجے تک لاتے ہوئے جدید ریاضی کا استعمال بھی کیا۔ تحقیقی موضوعات میں جدید ریاضی کے استعمال میں وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کی کتب اور رسائل کے تراجم انگریزی اور دیگر اہم زبانوں میں بھی کئے جائیں تاکہ دور جدید کے محقق کی بھی ان کے فکر تک رسائی ہو سکے۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسیٹی کے شعبہ بنیادی سائنس کے پروفیسر ابرار حسین اپنے ایک مقالہ "رسالہ در علم لوگارثم کے ہند حواشی" میں ایک حوالے سے رقم طراز ہیں۔ "تصانیف اعلیٰ حضرت میں 72 کا تعلق علم ریاضی سے ہے۔ یہ تصانیف کتب رسائل ، مقالات اور حواشی پر مشتمل ہیں"۔

امام احمد رضا کا فکر ہر اعتبار سے تحقیقی ہے اور تحریر کا فقیہانہ اسلوب بھی جداگانہ ہے جس کی نہج ریاضیاتی ہے۔ فتویٰ میں ان کا جواب جامع اور مانع ہوتا ہے۔ احکام شریعت میں منشا رشرع بغرض وفور تفہیم اکثر قاعدہ کلیہ یا بنیادی اصول کی صورت میں بیان کرنا پسند کرتے ہیں۔

شئے کے اقل درجہ کی تحقیق :۔

جہاں تک ممکن ہو اعلیٰ حضرت اس امر کی تحقیق فرماتے ہیں کہ کسی حالت ، کسی عمل یا اس کے رکن کا اقل (کم از کم) درجہ کیا ہے اور وہ عمل یا رکن اپنے لوازمات کے ساتھ اس اقل درجے میں کیسے ادا ہوتا ہے۔

اس ضمن میں ہم فتاویٰ رضویہ سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

(۱) عالم کے اقل درجہ کے بارے میں فرماتے ہیں : "عالم کی تعریف یہ ہے کہ وہ عقائد سے پورے طور پر آگاہ ہو اور مستقل ہو اور اپنی ضروریات کو کتاب سے نکال سکے بغیر کسی کی مدد کے"۔

(۲) رکوع اور سجدہ کی اپنے اقل درجہ میں ادائیگی اور اس کے لوازم کے بارے میں فرماتے ہیں :

(۱۵): "جس پر قضا نمازیں کثرت سے ہوں وہ آسانی کے لئے یوں بھی ادا کرلے تو جائز ہے۔ ہر رکوع اور سجدہ میں تین تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کی جگہ صرف ایک ایک بار کہہ لے، مگر یہ ہمیشہ ہر طرح کی نماز میں یاد رکھنا چاہیئے کہ جب آدمی رکوع میں پورا پہونچ جائے اس وقت سبحان کا سین شروع کرے اور جب عظیم کا میم ختم کرے اس وقت رکوع سے سر اٹھائے اسی طرح سجدہ میں (کرے)۔"

(۳) حق مہر کا اقل درجہ 10 درہم (یا درہم) بھر چاندی (۶) = ایک دینار شرعی (۵)، = ۳۱ گرام چاندی تقریباً

دربارۂ مہر مزید فرماتے ہیں کہ اکثر کے لئے حد نہیں جتنا بندھے۔

مہر بتول زہرا = 400 مثقال چاندی

= ۱ کلو ۷۵۰ گرام چاندی (تقریباً)

اکثر ازواج مطہرات کا مہر = 500 درم یعنی ۱ کلو 531 گرام سے زائد نہ تھا۔

مہر حضرت ام حبیبہ = 4000 درم یعنی 12 کلو 248 گرام چاندی (تقریباً)

(دو میں سے ایک روایت)

(۴) داڑھی کی اقل لمبائی = ٹھوڑی کے نیچے ۴ انگل

= تقریباً 7.62 سینٹی میٹر (۶)

(۵) عمامہ کی اقل لمبائی = 5 ہاتھ مساوی ہے سر کے گرد ڈھائی پیچ

= تقریباً 2.29 میٹر (۷)

(۶) نماز جنازہ کی تین صف کرنے کی فضیلت کے جواب میں ایک ترکیب درمختار و کبیری میں یہ

لکھی گئی ہے کہ پہلے صف میں تین۳ دوسری میں دو۲ اور تیسری میں ایک آدمی کھڑا ہو۔ اس سوال کے جواب میں کہ دو۲ دو۲ کر کے تین صفیں کیوں نہ کر لی گئیں آپ ارشاد فرماتے ہیں :۔

" اقل درجہ صف کامل کا تین آدمی ہیں۔ اس واسطے صف اول کی تکمیل کر لی گئی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام کے برابر دو آدمیوں کا کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی اور تین کا مکروہ تحریمی کیوں کہ صف کامل ہو گئی۔ اور اس صورت میں امام کا صف میں کھڑا ہونا ہو گیا۔" (۸)

پھر آخری صف میں ایک آدمی کے کھڑا ہونے کے جواز میں آپ فرماتے ہیں :۔

" اور پنجوقتہ نماز میں بھی بعض صورتوں میں تنہا صف میں کھڑا ہونا جائز ہے مثلاً دو۲ مرد اور ایک عورت (کی صورت ہو) تو عورت پچھلی صف میں تنہا کھڑی ہو گی۔" (۹)

ناپ اور تول کے شرعی پیمانے :۔

امام احمد رضا خاں نے ناپ اور تول کے شرعی پیمانوں کو انچ اور ماشے کے ساتھ تعلق دے کر اپنے فتاویٰ میں متفرق مقامات پر یوں تحریر فرمایا ہے :۔ (۱۰)

(ا) ناپ کے پیمانے :۔

ایک گز شرعی (ذراع کرباس یا ذراع عام)

= ۱ ہاتھ 8 گرہ

= 18 انچ = 45.72 سینٹی میٹر

1 گرہ = 3 انگل ، 1 انگل = 3/4 انچ = 1.905 سینٹی میٹر

(ب) تول / وزن کے پیمانے اور سکے :۔

ایک صاع = ۴ مد (یا ۴ شرعی من) = 3.150 کلوگرام (۱۱)

شرعی سکے بلحاظ وزن اور قیمت : (۱۲)

ایک دینار شرعی = ایک مثقال سونا (بلحاظ وزن)

= $4\frac{1}{2}$ ماشے سونا

ایک دینار شرعی = 10 درم (بلحاظ قیمت)

ایک درم شرعی = 3.0618 گرام چاندی

اسطرح ایک دینار شرعی = 2 تولے $7\frac{1}{2}$ ماشے بھر چاندی۔ (۱۳)

ایک اوقیہ = 40 درم (۱۴)

= $10\frac{1}{2}$ تولے چاندی (بلحاظ قیمت)

ایک اوقیہ = $10\frac{1}{2}$ تولے

= 122.472 گرام (بلحاظ وزن)

وزن سبعہ = (10) = 7 مثقال = 10 درم

یہ وزن سبعہ کہلاتا ہے جیسے فی الدر المختار کل عشرۃ دراہم وزن سبعۃ مثاقیل۔

زمانہ اقدس رسالت مآب میں ایک دینار (یعنی $4\frac{1}{2}$ ماشے یا ایک مثقال یا 4.374 گرام سونا) دس درم کا ہوتا تھا۔

اس طرح ایک مثقال سونا = 7 مثقال چاندی (بلحاظ قیمت) اور یہی وزن سبعہ ہے۔ یعنی عہد رسالت پناہی میں 4.374 گرام سونا بلحاظ قیمت 30.618 گرام چاندی کے برابر تھا ——— بعد میں سلاطین اسلام کے دینار کوئی معین نہیں رہے مختلف ہو گئے۔

چاندی/سونے کا نصاب برائے زکوٰۃ :

چاندی کا نصاب = ۲۰۰ درم = 52 ½ تولے چاندی

= 612.36 گرام چاندی

سونے کا نصاب = 20 مثقال سونا

= 87.48 گرام سونا

اب ہم امام احمد رضا کے ان فتاویٰ میں سے چند کا ذکر کریں گے جن میں انہوں نے علم ریاضی کا استعمال کیا ہے۔

حوضِ کبیر یا گول حوض کا ذکر:۔

اس مسئلہ میں کہ کنوئیں یا گول حوض کا دور کتنے ہاتھ ہونا چاہئے کہ وہ دہ در دہ ہو ؟

فقیہہ اسلام امام احمد رضا اپنے رسالہ " النھی النمیر فی الماء المستدیر " (۱۶) میں فرماتے ہیں: " اس میں چار قول ہیں ۔ ہر ایک بجائے خود وجہ رکھتا ہے اور تحقیق جدا ہے " اول: 48 ہاتھ، دوم: 46 ہاتھ، سوم: 44 ہاتھ اور چہارم 36 ہاتھ ۔ ان کی تحقیق انیق کے مطابق اس کا دور تقریباً ساڑھے پینتیس ہاتھ ہونا چاہئے ۔

تین درجہ اعشاریہ تک ان کی تحقیق کی رو سے :

دور = 35.449 ہاتھ

اور قطر = 11.284 ہاتھ

یاد رہے کہ ایک ہاتھ ذراع عامہ سے ڈیڑھ فٹ کے برابر ہوتا ہے اور ایک انگل پون انچ کے برابر

پس دور = 1.5 x 35.449 فٹ

= 16.2072 میٹر

اور قطر = 11.284 ہاتھ

= 1.5 × 11.284 فٹ

= 16.926 فٹ

اگر قطر و محیط و مساحت کو علی التوالی ق ط م اور ق / ط = ص فرض کریں تو جو فارمولے آپ نے اپنے رسالہ محولہ بالا میں استعمال کیے ہیں، درج ذیل ہیں۔

(۱) ۴ / ق ط = م

یعنی 4/(2r)(2πr) = م یعنی πr² = م جہاں r دائرے کا نصف قطر ہے۔

(2) ص ق = ط

"پائی" (یعنی ص) جسے آپ مقدار محیط یا جزائے قطریہ کہتے ہیں۔ کی اعشاریہ میں قیمت کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد تحقیق میں آپ کے خاص معیار اور علمی رفعت کا مظہر ہے۔

"قطر کا محیط سے 22/7 ہونا حساب میں مبرہن نہیں ہے بلکہ اب تک ان دونوں میں تحقیقی نسبت بھی معلوم نہ ہو سکی ہے"

آپ نے اپنی تحریرات ہندسہ میں ثابت کیا ہے کہ دائرہ کا محیط جس مقدار سے 360 درجے ہے اس دائرہ کا قطر اسی مقدار سے 114 درجے (Degree) 35 دقیقے (Minutes)، 29 ثانئے (Seconds)، 36 ثالثے (Thirds) اور 45 رابع (Fourths) ہے جو دراصل 2 (Radion) کی قیمت ہے۔ اسی سے آپ نے "پائی" کی قیمت 3.14159265 خود معلوم کی۔ عام سائنٹفک کیلکولیٹر یہ سات درجہ اعشاریہ تک دیتے اور استعمال کرتے ہیں۔ آپ نے یہ قیمت آٹھ درجہ اعشاریہ تک صحیح دی اور حسابی عمل میں استعمال فرمائی آپ کی calculation میں موجود Scientific calculator سے دی گئی صحت کی مدد سے زیادہ حد تک صحت Accuracy.

پائی جاتی ہے۔ آپ نے شریعت میں علم ریاضی اور علم ہیئت سے متعلق مسائل کے حل میں ریاضی اسوقت کی جدید شاخ لوگارثم سے کام کیا۔ اور حسابی عمل میں سات ہندسی لوگارثمی جداول استعمال کیے۔

زیر نظر مسئلہ دور سے متعلق آپ اپنی ذہنی جدتوں سے تصرفات کر کے اسی رسالے "النھی النیر فی الماء المستدیر" میں دو جدول بھی دیئے ہیں ایک سادہ دوسرا بذریعہ لوگارثم جن کی مدد سے دلچسپی رکھنے والے ناواقف فن بھی یہ مسائل معمولی عمل سے خود حل کر سکتے تھے۔ ان جداول میں سات / آٹھ درجہ اعشاریہ تک حسابی عمل کا پھیلاؤ ان کے معیار تحقیقی کا عکاس ہے۔

معلوم / مطلوب	قطر	محیط	مساحت
قطر		٣٫١٤١٥٩٢٦٥ ق	لہ ٠٫٧٨٥٣٩٨١٦٢٥ ق٢
محیط	ط / ٣٫١٤١٥٩٢٦٥		ط٢ لہ / ١٢٫٥٦٦٣٧٠٦
مساحت	√(م / ٠٫٧٨٥٣٩٨١٦٢٥)	√(١٢٫٥٦٦٣٧٠٦ م)	

معلوم / مطلوب	لوقطر	لومحیط	لومساحت
لوقطر		لوق + ٠٫٤٩٧١٤٩٩	٢ لوق + ١̄٫٨٩٥٠٨٩٩
لومحیط	لوط + ١̄٫٥٠٢٨٥٠١		٢ لوط + ٢̄٫٩٠٠٧٩٠١
لومساحت	(لوم + ٫١٠٤٩١٠١) / ٢	(لوم + ١٫٠٩٩٢٠٩٩) / ٢	

آپ ۲۰ ویں صدی عیسوی کے Man of the century تھے۔ آپ کے کام کے مزاج سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے اسی معیار پر تحقیق کی جو اس صدی کا تقاضا ہے۔

امام احمد رضا نے چاروں اقوال کا نہ صرف دقیق ریاضیاتی تجزیہ کیا جو فتاویٰ رضویہ جلد دوم (جدید) میں محولہ بالا رسالے کی صورت میں پورے ۲۸ صفحات پر پھیلا ہوا ہے بلکہ اس وجہ کنہ تک بھی رسائی حاصل کی جو ایک قول کے وجود کا باعث ہوئی۔

اقوال ائمہ کا احترام ملاحظہ ہو کہ وجہ، کنہ اور خیال تک رسائی حاصل کے بعد ہمارے لئے معیار قائم کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ "اسی طرح علماء کے کلام کو سمجھنا چاہیئے۔"

اس فقرے سے قبل جو آپ نے عرق ریزی فرمائی وہ قابل مطالعہ ہے۔ اس رسالے میں مواد کی بلحاظ فہم پیشکش کی طرز بھی حسب ذوق امام احمد رضا انتہائی دلکش ہے۔ ہم صرف قول چہارم پر توجہ مرکوز کریں گے۔

ردالمحتار میں ہے:۔

(ت، "ان کا قول کہ مدور میں چھتیس یعنی اس کا دور چھتیس گز ہو اور اس کا قطر گیارہ گز اور ایک خمس ہو اور اس کی مساحت یہ ہے کہ نصف قطر یعنی ساڑھے پانچ کو اور دسویں کو نصف دور میں ضرب دی جائے اور یہ اٹھارہ ہے تو کل سو ہاتھ اور چار خمس ذراع ہوگا۔"

اس پر تبصرہ اور بعد کی ساری تحریر بھی عربی زبان میں ہے حالانکہ سوال اردو میں تھا اور جواب کا پہلا حصہ بصورت حکم شرعی سائل کے لئے اردو میں ہی ہے۔ گویا اب مخاطب فقط سائل نہیں۔ تو بقیہ رسالہ کی ابحاث جامع الرموز، ردالمحتار اور دیگر حوالہ دی گئی کتابوں کی متعلقہ عبارات پر ان کی اپنی زبان عربی میں غالباً عالمی سطح پر تفکر و تدبر اور شرعی ریکارڈ درست رکھنے کے فرض کفایہ کی ادائیگی کی غرض سے پیش کی گئی ہیں۔

ردالمختار کے درج بالا اقتباس کے مطابق :

دور = 36 ذراع (گز)

اور قطر = 1/5-11 ذراع (گز)

امام احمد رضا اس پر رقم طراز ہیں :

(ت) "اولاً جس کا دور 36 ہو اس کا قطر 11 ذراع پر ایک ذراع کا صرف پانچواں حصّہ زائد نہ ہوگا بلکہ آدھے ذراع کے قریب زائد ہوگا۔"

ثانیاً اگر مذکورہ قطر پر عمل کیا جائے تو سطح (98.52 ہاتھ رہ جائے گی تو اس طرح) سو ہاتھ سے تقریباً ڈیڑھ ہاتھ کم ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر دور لیا جائے تو مطلوب پر تین ہاتھ زائد ہوگا اور اگر قطر لیا جائے تو اس سے ڈیڑھ ہاتھ کم ہوگا۔ اگر ان دونوں (یعنی قطر اور دور) میں جمع کا ارادہ کیا جائے تو ممکن نہ ہوگا۔

آگے ان براہین پر سوال قائم کرتے ہیں جو ان اعداد و شمار کے حق میں دی گئی ہیں۔ ساتھ ساتھ ریکارڈ کو درست کرتے جاتے ہیں، کہیں قلم کی سبقت کی نشاندہی کرتے ہیں اور کہیں دور خطا (circular error) ہونے کی۔

قول اول اور قول دوم میں دہ در دہ حوض ہی دائرہ کے اندر واقع ہو جاتا ہے اور قول سوم کی ایسی کوئی توجیہ نہیں۔ 36 والے قول میں دہ در دہ کی مساحت یعنی 100 مربع ہاتھ سے برابری پر اٹھا کیا گیا ہے جیسے ظہیریہ، ملتقط اور ذخیرہ میں صحیح قرار دیا گیا ہے۔

36 ہاتھ دور والے قول میں سراج و شرنبلالیہ کے خیال میں مساحت سو ہاتھ سے بقدر 19 انگل زائد ہے حالانکہ واقع میں یہ مساحت تین ہاتھ سے بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

امام احمد رضا 36 والے تقریبی عدد کو 35.449 کی صورت میں تحقیق کے قریب ترین لے

آئے ہیں جن سے آگے جانا نصابی دلچسپی کا حامل تو ہو سکتا ہے، عملی اہمیت کا نہیں۔

امام احمد رضا کے تحقیق کردہ دور یعنی 35.449 ہاتھ سے مساحت 100.0016 ہاتھ بنتی ہے جو درہ درہ سے فقط 1/625 = 16/10000 ہاتھ زائد ہے جبکہ 1/625 ایک انگل کے عرض کے پچیسویں حصے سے بھی کم ہے۔

امام احمد رضا کی یہ تحقیق کمپیوٹر دور کے معیار پر لاریب صورت میں پوری اترتی ہے۔

صاع کے وزن کی تحقیق:

صدقہ فطر یا فطرانہ، فدیہ صوم وصلوٰۃ، کفارہ قسم وغیرہ کے سلسلے میں شریعت مطہرہ میں ایک پیمانے کا حوالہ آتا ہے جسے صاع کہتے ہیں۔

ایک روزہ یا ایک نماز کا فدیہ، یا روزہ یا قسم توڑنے پر کفارہ میں ایک مسکین کی خوراک، یا مطلقاً ایک مسکین کی خوراک یا ایک شخص کا صدقہ فطر سب گیہوں سے آدھا صاع اور جَو سے ایک صاع ہے۔ ان صورتوں میں گندم وجَو کے سوا چاول، دھان، مکئی وغیرہ کوئی غلہ کسی قسم کا دیا جائے تو اس میں وزن کا لحاظ نہ ہوگا بلکہ اسی ایک صاع جَو یا نصف صاع گندم کی قیمت ملحوظ صاع رہے گی، اور اسی قیمت کی قدر یہ غلہ یا خود قیمت واجب الادا ہوگی۔ سو ایک صاع جَو یا نصف صاع گندم کے وزن کا تعین نہایت ضروری ہے۔

ایک صاع جو کا وزن یعنی صاع شعیری کا وزن 270 تولے وزن کے برابر ہونا ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

امام احمد رضا کے زمانے میں برصغیر میں موجودہ دور کے اعشاری نظام جیسا تول کا کوئی باقاعدہ نظام موجود نہ تھا۔ مختلف علاقوں کے سیر مختلف بھی تھے۔ مثلاً

بریلی کا سیر = 09 ماشے 93 تولے

رامپور کا سیر = 90 تولے

اور دہلی ولکھنؤ کا سیر = 75 تولے وغیرہ

آپ خود فرماتے ہیں :

"سیر مختلف ہوتے ہیں، صاع کا حساب ہر جگہ کے سیر سے بدلے گا۔"

لہٰذا سیر کے ساتھ صاع کا تعین محض علاقائی ہو گا۔

امام احمد رضا نے اپنے فتاوی میں چند شہروں کے اپنے اپنے سیر کے حساب سے بھی نصف صاع کا وزن بیان فرمایا ہے۔

بریلی کے سیر سے نصف صاع = 1 سیر 7 چھٹانک 2 ماشے $\frac{1}{2}$ 6 رتی

رامپور کے سیر سے نصف صاع = 1 سیر 8 چھٹانک

دہلی اور لکھنؤ کے سیر سے نصف صاع = 1 سیر $\frac{4}{5}$ 12 چھٹانک

چھٹانک یقیناً سیر کا سولہواں حصہ تھا مگر 5 تولے وزن ہر جگہ ایک چھٹانک وزن کے برابر نہ تھا۔

فقیہہ اسلام کی حساب میں غایت درجہ باریک بینی تحقیق میں ان کے معیار کے عین مطابق یا تحقیق میں ان کا مزاج حساب میں ان کی غایت درجہ باریک بینی کے عین مطابق ہے۔

امام احمد رضا نے فقط فتوی ہی نہیں دیا بلکہ فتوی دیتے ہوئے یہ لحاظ بھی رکھا کہ اس پر عمل کرتے ہوئے آسانی ہو اور غیر ضروری وقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ آپ نے صاع کی مقدار کا وزن میں تبدیل کرنے کے لئے سکہ رائج الہند کے وزن ہی کو اکائی وزن مان لیا۔

اس وقت کا ایک روپیہ سوا گیارہ ماشے کا تھا۔

تو ایک صاع کا وزن = 270 تولے = 288 روپے بھر وزن

اور نصف صاع شعیری = 144 روپے بھر وزن

لہٰذا 144 روپوں کے ذریعہ سے نصف صاع وزن کی مقدار سلطنت ہند میں گاؤں، قصبہ شہر کہیں بھی آسانی سے علاقائی سیروں میں متعین کی جاسکتی تھی۔

آپ نے علامہ شامی کی اس احتیاط کہ گیہوں کا صدقہ جَو کے صاع سے ادا کیا جائے، کو پسند فرمایا اور صاع کے وزن کی تحقیق فرمائی۔ ظاہر ہے کہ جتنے پیمانے میں 270 تولے جو آئیں گے جب وہ گیہوں سے بھرا جائے گا تو تول میں گیہوں زیادہ چڑھیں گے۔

آپ نے جو اور گندم کی کثافتوں کا موازنہ کیا تو جو نسبت حاصل ہوئی وہ 288 = 351 یعنی 32 = 39 تھی۔

صاع کی تحقیق میں اپنے تجربے (Experiment.) پر آپ یوں رقم طراز ہیں۔

"اس بنا پر بنظر احتیاط وزیادت نفع فقراء میں نے 27 ماہ رمضان المبارک 1327ھ کو ایک سو چوالیس روپے بھر جَو وزن کئے کہ نصف صاع ہوئے اور انہیں ایک پیالے میں بھرا۔ حسن اتفاق کہ تمام چینی کا ایک بڑا کاسہ گویا اسی پیمانے کو ناپ کر بنایا گیا تھا وہ جو اس میں پوری سطح مستوی تک آگئے۔ من دون تکویم ولا تقعیر تو وہی کاسہ نصف صاع شعیری ہوا، پھر میں نے اسی کاسہ میں گیہوں بھر کر تولے تو ایک سو پچہتر روپیہ آٹھ آنہ بھر ہوئے۔" (۱۸)

پس امام احمد رضا کی علامہ شامی کی احتیاط کہ صاع لیا جائے جَو کا اور اس کے وزن کے گیہوں دیئے جائیں، پر مبنی تحقیق کے مطابق نصف صاع گیہوں وزن میں 175 روپے آٹھ آنہ بھر ہوئے۔ چونکہ اس وقت کا روپیہ سوا گیارہ ماشے وزن کا تھا۔ لہٰذا صدقہ فطر (نصف صاع گیہوں) = ایک کلو 920 گرام تقریباً۔

جداول کی طرز:

امام احمد رضا نے علم ریاضی اور اپنے دیگر علوم کے استعمال یا ان کی توضیح کے دوران اعداد و شمار یا قواعد یا ان کے اطلاق کی آسان تفہیم کے لئے اپنے فتاوی میں جا بجا جامع جداول (اور اشکال) دیئے ہیں۔ یہ جداول اپنی بناوٹ میں دیدہ زیب بھی ہیں۔

جداول یوں بنایا کرتے کہ استعمال کرنے والا فنی قواعد اور ان کی پیچیدگیوں میں پڑے بغیر بھی آسانی سے مطلوبہ معلومات حاصل کر سکتا ہے۔

چونکہ امام احمد رضا کی فقہی تحقیق کے اسلوب کا مزاج ریاضیاتی ہے۔ اس لئے عادتاً سوال کی مختلف ممکن صورتوں کا احاطہ کرتے ہوئے انہوں نے جہاں مناسب جانا جواب فتوی کی جدولوں کی مدد سے بھی واضح کیا۔ جس کی ایک خوبصورت مثال آپ کے رسالہ " تجلی المشکوٰۃ لانارۃ اسئلۃ الزکوٰۃ " (۱۹) میں موجود ہے۔

یہ جدول سوال کی نو صورتوں میں اشارۂ احکام بیان کرتا ہے جب سونے اور چاندی کی مقداریں ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے قابل ضم ہوں۔

جدول برائے اختلاطات زر و سیم معہ اشارہ احکام اس طرح ہے۔

فضہ / ذہب	نصاب سے کم	نصاب بے عفو	نصاب باعفو
نصاب سے کم	دونوں کا کل بہ لحاظ انفع ملائیں	چاندی کو سونا کریں	سونے کا عفو اور چاندی کا کل بلحاظ انفع ملائیں
نصاب بے عفو	سونے کو چاندی کریں۔	ہر ایک کی جدا زکوٰۃ اور ملانا ہی ہو تو لحاظ انفع	سونے کے عفو کو چاندی کریں
نصاب باعفو	چاندی کا عفو اور سونے کا کل بہ لحاظ انفع ملائیں	چاندی کے عفو کو سونا کریں	دونوں عفووں کو بہ لحاظ انفع ملائیں

ہر چند کہ اس جدول نے اختلاطات زر و سیم کا مسئلہ واضح کر دیا مگر بوجہ پیچیدگی عام مسلمین کی تقریب فہم کے لئے آپ نے اس کو ۱۲ مثالوں سے بھی مزید روشن کیا ہے۔

آخر میں لکھتے ہیں: "(ہم نے) ان مسائل کو ایسی شرح و تکمیل و بسط جلیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ شاید ان کی نظیر کتب میں نہ ملے امید کرتا ہوں جو شخص (کم علم ہو تو کسی عالم کامل سے استفادہ کر کے) ان سب کو بغور کامل خوب سمجھ لے گا وہ ہزار مسائل زکوٰۃ کا حکم ایسا بیان کرے گا جیسے کوئی عالم محقق بیان کرے۔"

آپ کے ہاں سے سالانہ سحر و افطار کے نقشے بھی جاری ہوتے تھے جو برصغیر میں مختلف شہروں کے اوقات کے فرق کے ساتھ استعمال میں آتے تھے۔ آپ نے جدول برائے تحویل تاریخ عیسوی بہ ہجری بھی بنا رکھا تھا۔ اس کی نقول دیا کرتے تھے۔

آپ نے جدول برائے جنتری شصت سالہ فارسی میں تصنیف فرمائی۔

اوقات صوم و صلوٰۃ اور سمت قبلہ:

وقت آپ کا خاص موضوع ہے اور فن توقیت پر آپ کی قدرت حد درجہ حیرت خیز ہے۔ خود فرماتے ہیں:

"اوقات صحیح نکالنے کا فن، جسے علم توقیت کہتے ہیں، ہندوستان کے طلبہ تو طلبہ اکثر علماء اس سے غافل ہیں۔ نہ وہ درس میں رکھا گیا ہے نہ ہیئات کی درسی کتابوں سے آسکتا ہے۔"

فن توقیت پر آپ کی تقریباً بیس تصانیف کتب، رسائل، تراجم اور حواشی کی صورت میں ڈاکٹر حسن رضا خان نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ (Thesis) "فقیہہ اسلام" میں شمار کی ہیں۔ (۲۰) آپ نے اوقات صوم و صلوٰۃ کی تخریج میں کتاب "زیج الاوقات للصوم والصلوٰۃ"

تصنیف فرمائی۔

توقیت اور سمت قبلہ کی تخریج کے مسائل میں آپ علم ریاضی کے ساتھ ساتھ معلومات کے جدید ذرائع مثلاً اٹلس (Atlas.)، ناٹیکل المنک Nautical Almanac اور مشاہدہ فلک کے لئے غالباً دوربین وغیرہ سے بھی مدد لیتے۔ لوگارثم میں آپ چیمبر کے ساتھ ہندسی لوگارثمی جداول Chamber's Seven-figure Logarithmic. استعمال فرماتے۔

سحر و افطار کے نقشے کے ایک مطالبے کے جواب میں فرماتے ہیں۔

" نقشے بھیجتا ہوں الموڑے اور بریلی میں اس ماہ مبارک میں سحری کا اوسط تفاوت منفی سوا پانچ منٹ ہے۔ یعنی اتنے منٹ وقت بریلی سے پہلے ختم ہے اور افطار کا اوسط مثبت سوا منٹ ہے یعنی بریلی سے سوا منٹ بعد۔ لیکن یہ حساب ہموار زمین کا ہے پہاڑ پر فرق پڑے گا اور وہ فرق بتفاوت بلندی متفاوت ہوگا۔ اگر دو ہزار فٹ بلندی ہے تو غروب تقریباً ۴ منٹ بعد ہوگا، اور طلوع اسی قدر پہلے۔ لہٰذا جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ وہ جگہ کس قدر بلند ہے جواب نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی دن کے طلوع یا غروب کا وقت صحیح گھڑی سے دیکھ کر لکھو تو میں اس سے حساب کر لوں کہ وہ جگہ کتنی بلند ہے۔" (۲۱)

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ وہ سحر و افطار کے وقت کا سکنڈ تک حساب فرمارہے ہیں اور سکنڈ وقت کی بشری تقسیم میں شمار کی آخری اکائی ہے۔

اس فتویٰ میں آپ علمی لحاظ سے نہایت وجیہ ریاضی داں اور ہیئت داں نظر آتے ہیں۔

سہاور ضلع ایٹہ سے ایک استفسار کے جواب میں آپ کے جواب کا درج ذیل اقتباس بھی علم توقیت میں آپ کی ژرف نگاہی کا شاہد عدل ہے۔

"سہاور میں جس کا عرض شمالی ...... 48 ,27 (ڈگری) اور طول مشرقی .....78,53 (ڈگری)، ہے پنجم ماہ مبارک روز شنبہ مطابق 10 ستمبر 1910ء کو غروب آفتاب ریلوے صحیح وقت سے چھ بجکر سوا چھبیس منٹ پر ہوا تو وہ گھڑی جس سے ساڑھے چھ پر افطار کیا گیا اگر صحیح تھی روزہ بے تکلف ہو گیا کہ غروب آفتاب کو پونے چار منٹ گذر چکے تھے .... ریلوے وقت سہاور کے اپنے وقت سے چودہ منٹ اٹھائیس سکنڈ تیز ہے۔" (۲۲)

اس مقام پر آپ کے فتاویٰ میں سے اہلیت کی شرعی حیثیت کے بارے میں آپ کے ان دو ارشادات کا بیان بے محل نہ ہو گا کہ "بے علم فتویٰ سخت حرام ہے" اور "جاہل کو طبیب بننا حرام ہے۔" ـــــ سمت قبلہ نکالنے کے لئے آپ نے ایک رسالہ بہت بسط و تفصیل سے تصنیف کیا ہے۔ جس میں متعدد قواعد خود آپ کے ایجاد کردہ شامل ہیں۔ ان قواعد کے بارے میں علم توقیت کے ماہر مولانا ظفر الدین بہاری اپنی کتاب "الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت" میں رقم طراز ہیں:

"جس مقام کا عرض بلد اور طول بلد معلوم ہو (ان قواعد سے) نہایت آسانی سے اس کی سمت قبلہ نکل آئے۔ آسانی اتنی کہ ان سے سہل تر بلکہ ان کے برابر بھی اصلاً کوئی قاعدہ نہیں۔"

مساجد کی سمت قبلہ کی صحت اور اس بنا پر نماز کی درستی کی دینی اہمیت کے خیال سے آپ نے برصغیر کے تقریباً تمام اہم شہروں کی جہت قبلہ نکال کر ایک جدول میں بہ ترتیب حروف تہجی اس رسالہ میں شامل کر دیئے اور اس جدول میں شامل ہر مقام کے ساتھ طول بلد اور عرض بلد بھی دے دیا تاکہ اگر کوئی خود نکالنا چاہے تو سہولت ہو۔ آپ نے اپنے رسالہ "ہدایۃ المتعال فی حد الاستقبال" (۲۳) میں اپنی تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے کہ کسی مسجد یا مصلی کی جہت قبلہ کا جہت قبلہ حقیقہ سے جب تک پینتالیس درجے کا انحراف نہ ہو اس کی سمت قبلہ باقی رہتی ہے۔

وقت مطلوب شرعی کے سلسلے میں آپ فقط براہین ہندسی پر ہی اعتماد نہ کر لیتے بلکہ اس کے

نتیجہ کو اتنے ہی قوی مشاہدہ اور تجربہ سے بھی پرکھتے کیوں کہ شرع مطہرہ کا مدار ہی رویت پر ہے۔
خود فرماتے ہیں :

" شریعت مطہرہ نے نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ و عدت و طلاق و ایلاء وغیرہ ذالک امور کے لئے اوقات مقرر فرمائے۔ یعنی طلوع صبح و شمس و غروب شمس و شفق و نصف النہار و مثلین و روزہ و ماہ و سال۔ ان سب کے ادراک کا مدار رویت و مشاہدہ پر ہے۔ ان سب میں کوئی ایسا نہیں جو بغیر مشاہدہ مجرد کسی حساب و قانون عقلی سے مدرک ہو جاتا۔ ہاں رویت و مشاہدہ ان سب کے ادراک کو کافی ہے"۔ (۲۴)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام احمد رضا رویت و مشاہدہ کو کس درجہ اہمیت دیتے ہوں گے لہٰذا آپ کے سارے حسابات رویت و مشاہدہ پر ٹھیک پورا اترتے۔

وقت طلوع و غروب نکالنے کے قاعدے جو علم ہیئت کی عام کتابوں میں دیئے ہوتے ہیں، امام احمد رضا ان قاعدوں کو وقت مطلوب شرعی معلوم کرنے کے لئے ناکافی (Inadequate) سمجھتے ہیں۔ آپ ان قاعدوں پر اضافے (Improvements.) جو انہیں وقت مطلوب شرعی نکالنے میں کافی بنانے کے لئے ضروری ہیں۔ یوں بیان کرتے ہیں:۔

" شرع مطہر محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیہ میں اس طلوع و غروب (نجومی) کا کچھ اعتبار نہیں، طلوع و غروب عرفی درکار ہے یعنی جانب مشرق، آفتاب کی کرن چمکنا یا جانب غروب کل قرص آفتاب نظر سے غائب ہو جانا۔ اس میں بھی اگر صرف نصف قطر آفتاب کا قدم درمیان ہوتا تو دقت نہ تھی۔ ...... مگر بالائے زمین ۴۵ میل سے ۵۲ میل تک علی الاختلاف بخارات و ہوائے غلیظ کا محیط ہونا اور شعاع بصر کا پہلے اس ملاء غلیظ، پھر اس کے بعد ملاء صافی میں گزر کر افق میں پہنچنا حکیم عزوجل کے حکم سے اشعہ بصریہ کے لئے موجب انکسار ہوا جس کے

سبب آفتاب یا کوئی کوکب قبل اس کے کہ جانب مشرق افق حقیقی پر آئے ہمیں نظر آنے لگتا ہے اور جانب غرب باآنکہ افق حقیقی پر اس کا کوئی کنارہ باقی نہیں رہتا دیر تک ہمیں نظر آتا رہتا ہے۔ یہ انکسار ہی وہ چیز ہے جس نے صدہا سال موقتین کو پیچ و تاب میں رکھا اور طلوع و غروب کا حساب ٹھیک نہ ہونے دیا اور یہی وہ بھاری پیچ ہے جس سے آج کل عام جنتری والوں کے طلوع و غروب غلط ہوتے ہیں۔

اس انکسار کی مقدار مدت دریافت کرنے کو عقل کے پاس کوئی قاعدہ نہ تھا جس سے وہ محتاجِ رویت نہ رہتی۔ ہاں سالہا سال کے مکرر مشاہدہ نے ثابت کیا کہ اس کی مقدار اوسطاً ۳۳ دقیقہ فلکیہ ہے۔ اب ضابطہ ہمارے ہاتھ آگیا کہ ان ۳۳ دقیقوں سے اختلاف منظر کے ۹ ثانیے منہا کر کے باقی پر اس کا نصف قطر شمس زائد کریں۔ یہ مقدار انحطاط شمس ہوگی۔ یعنی طلوع یا غروب کے وقت آفتاب افق حقیقی کے اتنے دقیقے نیچے ہوگا۔ جب قدرِ انحطاط معلوم ہوگی تو دائرہ ارتفاع کے اجزاء سے وقت و طالع معلوم کرنے کے قاعدوں نے جو علم ہیئیات و زیج میں دیئے ہوئے ہیں، راہ پائی اور ہمیں حکم لگانا آسان ہوگیا کہ فلاں شہر میں فلاں دن اتنے گھنٹے، منٹ، سکنڈ پر آفتاب طلوع کرے گا اور اتنے پر غروب۔" (۲۵)

موجودہ سائنس اس اشعہ بصریہ کے انکسار کو دوسری جانب سے انعطاف نور (Refrac-tion of Light) کے نام سے جانتی ہے۔

بیولا ٹینس بام اور میر اسٹل مین اپنی کتاب "روشنی کیا ہے" میں لکھتی ہیں:

"سورج کو صبح افق پر طلوع ہونے سے قبل اور شام افق کے نیچے غروب ہو جانے کے بعد بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اس صورت میں روشنی کو جن راستوں سے گذرنا پڑتا ہے وہ خلاء اور فضا ہیں۔ خلاء سے گذر کر ہماری دنیا کی فضا میں داخل ہوتے وقت روشنی کی رفتار سست ہو جاتی ہے چنانچہ اس میں

خم آجاتا ہے۔ ہم میں سے بہت سے لوگوں کو اس بات کی خوشی ہوگی کہ انعطاف نور کی بدولت ہمارے دن کچھ بڑے ہوگئے ہیں۔" (۲۶)

اسی بات کو مزید واضح کرنے کے لئے مصنفین نے ذیل میں دی گئی شکل بنائی ہے۔

سورج کا ظاہری مقام

افق

ہمارا مقام

زمین

زمین کی فضا

سورج
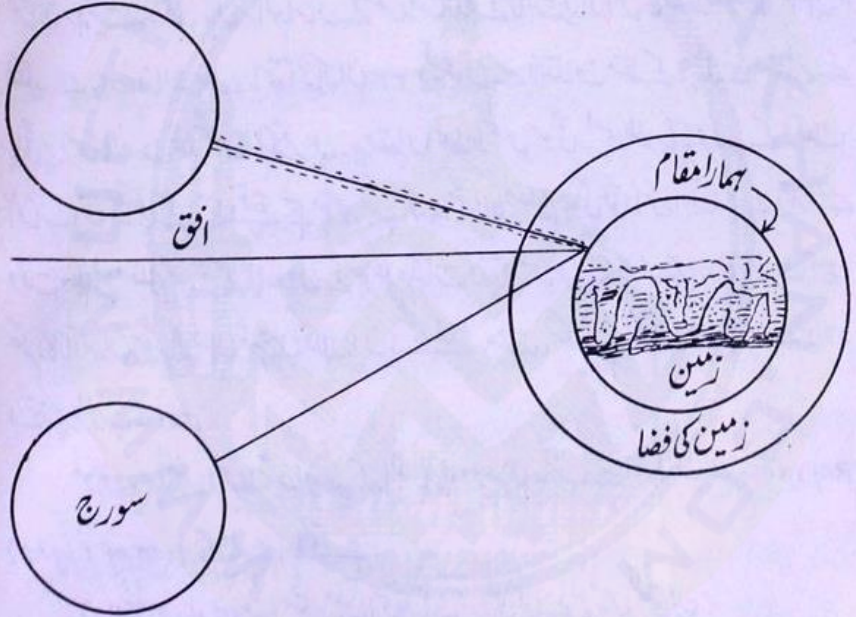
امام احمد رضا نے متذکرہ بالا انکسار کی تحقیق یہیں پر بس نہیں کی، اس انکسار پر موسمی اثرات کا بھی جائزہ لیا۔

فرماتے ہیں:

"معمول سے زیادہ ہوا میں رطوبت یا کثافت اگرچہ انکسار میں کچھ کمی بیشی لاتی ہے جس کا ادراک تھرمامیٹر اور بیرومیٹر سے ممکن اور وہ قبل از وقوع نہیں ہو سکتا مگر یہ تفاوت معتدبہ نہیں۔ جس سے احکام شرعیہ میں کوئی فرق پڑے۔ یوہیں مثلیں وسایہ ادراک ..... (میں)، بھی اسی انکسار کا قدم درمیان میں ہے کہ کوکب جب تک ٹھیک سمت الراس نہ ہو انکسار کے نیچے سے نہیں چھوٹ سکتا مگر رویت نے انکسار افقی کلی بتایا اور تناسب سے انکسارات جزئیہ مدرک ہوئے جن کی جدول فقیر نے اپنی تحریرات ہندسیہ میں دی ہے۔ اس کے ملاحظہ سے پھر انہیں قوانین نے راہ پائی ہے اور ہر روز کے لئے وقت عصر پیش از وقوع ہمیں بتانا آسان ہوا۔" (۲۷)

طلوع صبح کے وقت مقدار انحطاط شمس جاننے کی طرف بھی برہان عقلی کو راہ نہیں۔ مدار صرف رویت پر ہے، لہٰذا جو قاعدہ ہوگا رویت سے ہی مستفاد ہوگا۔

امام احمد رضا کے ذاتی مشاہدے اور تجربے کے مطابق:

"صبح صادق کے لئے سالہا سال سے فقیر کا ذاتی تجربہ ہے کہ اس کی ابتدا کے وقت ہمیشہ ہر موسم میں آفتاب ۱۸ ہی درجے زیر افق پایا ہے۔" (۲۸)

اوقات مکروہہ کی مدّت:

طلوع آفتاب سے کچھ وقت بعد تک اور غروب آفتاب سے کچھ وقت قبل نماز کی ممانعت حدیث شریف میں وارد ہے یہ وقت حنفیہ کے نزدیک طلوع آفتاب سے اس وقت تک ہے کہ قرص آفتاب پر نگاہ بے تکلف جمتی رہے اور غروب آفتاب سے قبل اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب نگاہ قرص آفتاب پر بے تکلف جمنے لگے۔

امام احمد رضا کے تجربے اور مشاہدے کے مطابق یہ وقت تقریباً بیس منٹ ہے۔ آپ نے

نہ صرف فقط تجربے اور مشاہدے سے یہ عرصہ کراہت معلوم کیا بلکہ اپنی طبیعت میں راسخ تحقیقی رویہ کے عین مطابق اس مظہرِ فطرت کی کنہ بھی دریافت کی۔

آپ فرماتے ہیں کہ سب طرف کرۂ بخار ہے جو ہر طرف سطح زمین سے ۴۵ میل یا قول اوائل پر ۵۲ میل اونچا ہے۔ اس کی ہوا اوپر کی ہوا سے کثیف تر ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے تو آفتاب اور نگاہ میں اس کا جتنا زائد حصہ حائل ہوگا اتنا ہی نور کم نظر آئے گا اور نگاہ زیادہ پڑے گی۔
آپ نے کرۂ باد کو ۴۵ میل بلند لے کر ثابت کیا کہ ایک ناظر (ن)، اور مشرق سے طلوع ہوتے سورج کے درمیان افقی سیدھ میں (ن سے الف تک دیکھئے شکل) ۵۹۸ میل سے بھی زائد اس کرۂ باد کے بخارات حائل ہوں گے۔ جوں جوں سورج بلند ہوگا توں توں یہ فاصلہ کم ہوتا جائے گا اور ٹھیک سمت الراس پر یہ فاصلہ ن ب ۴۵ میل ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اگر کرۂ باد کو ۵۲ میل بلند لیا جائے تو اس کا اور بھی زیادہ حصہ حائل ہوگا۔ آپ کے بیان کا ثبوت حسب ذیل ہے۔

زمین کا نصف قطرِ استوائی = 3963.296 میل

زمین کا نصف قطرِ قطبی = 3949.79 میل

زمین کا نصف قطرِ معدل = 7913.086/2 = 3956.543 میل = r

مثلث الف ن م میں مسئلہ فیثاغورث کی رو سے :

ن الف = 598.42616 میل = 963.07355 کلومیٹر

امام احمد رضا کے اسلوبِ تحقیق کے متعلق یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ انہوں نے اپنی تحقیقات میں نہ نری کتابوں پر بھروسہ کیا نہ خالی دلائل ہندسہ پر اور نہ فقط تجربہ و مشاہدہ پر بلکہ ان سب کو جمع کیا اور احقاق حق کے اس عمل میں بہت کچھ کام اپنی ذہنی جدلتوں سے لیا۔

مسافت قصر کا تعین :

مسافت قصر کے تعین کے لئے جہاں آپ نے قول مفتی بہ ¼ 11 (سوا گیارہ) کوس کو، جسے ظہیریہ و محیط برہانی و نہایہ و کفایہ شروع ہدایہ و خزانۃ المتین وغیرہ میں علیہ الفتوی کہا۔ مدنظر رکھا وہاں اس مقدار کو اپنے بلد میں شروع کی شرائط کے مطابق تجربہ سے بھی حاصل کیا اور اسے رائج الوقت میل میں بھی تبدیل کیا۔

فرماتے ہیں : " یہاں اقصر ایام یعنی تحویل جدی (یعنی ۲۲ دسمبر) کے دن میں فجر سے زوال تک سات ساعت کے قریب وقت ہوتا ہے اور شک نہیں کہ پیادہ اپنی معتدل چال سے سات گھنٹہ میں بارہ کوس چل لیتا ہے جس پر بارہا کا تجربہ شاید۔" (۲۹)

یہ بات بھی ان کے تحقیق کے منفرد اسلوب کی شاہد ہے کہ انہوں نے فن توقیت میں عین حق تک رسائی کے لئے اپنے ارشاد کے مطابق۔ " نہ نری کتابوں پر بھروسہ کیا نہ خالی دلائل ہندسہ پر

اور نہ فقط تجربہ و مشاہدہ پر بلکہ سب کو جمع کیا...... کہ برہان و عیان مطابق ہو گئے۔" (۳۰)

ایک منزل کا تعین :۔

ایک منزل = 12 کوس = ایک کوس = 8/5 میل = لہذا ایک منزل = 19.2 میل

= 30.8994 رکلومیٹر۔

مسافت کے قصر کا تعین :۔

مسافت قصر = تین منزلوں کا فاصلہ 3/5, 57 میل

= 92.6982 کلومیٹر = 93 کلومیٹر (تقریباً)

فرسخ یا فرسنگ میں ایک منزل اور مسافت قصر :۔

3 میل = 1 فرسنگ

مسافت قصر = 19.2 فرسنگ ۔

موسم اور کیلنڈر :

ایک فتویٰ میں اس سوال کے جواب میں کہ ماہ رمضان شریف کبھی موسم گرما اور موسم سرما وغیرہ میں کیوں ہوتا ہے۔ آپ نے برصغیر میں رائج تینوں کیلنڈروں پر دلچسپ مگر غایت درجہ محققانہ تبصرہ فرمایا جو تقویم کے موضوع پر آپ کی گرفت کا عکاس ہے ۔

عربی کیلنڈروں کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں :

"موسموں کی تبدیلی خالق عزوجل نے گردش آفتاب پر رکھی ...... یہ آفتاب کا ایک دور ہے کہ تقریباً 365 دن اور پونے چھ گھنٹے میں کہ پاؤ دن کے قریب ہوا ، پورا ہوتا ہے اور عربی شرعی مہینے قمری ہیں کہ ہلال سے شروع اور 30 یا 29 دن میں ختم ۔ یہ بارہ مہینے قمری سال

354 یا 355 کا دن ہوتا ہے تو شمسی سال سے دس گیارہ دن چھوٹا ہوتا ہے۔" (۳۱)

اس کے بعد قمری اور شمسی سال میں 1 دن کا فرق فرض کر کے سائل کو رمضان شریف کی موسموں میں گردش سمجھاتے ہیں، پھر بکرمی کیلنڈر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ "بعینہ یہی حال ہندی مہینوں کا ہوتا اگر وہ لوند نہ لیتے۔ انہوں (یعنی ہندوؤں) نے سال رکھا شمسی اور مہینے لئے قمری..... لہٰذا ہر تین سال پر وہ ایک مہینہ مکرر کر لیتے ہیں تاکہ شمسی سال سے مطابقت رہے ورنہ کبھی جیٹھ جاڑوں میں آتا اور پوس گرمیوں میں۔" (۳۲)

پھر عیسوی کیلنڈر پر تبصرہ فرماتے ہیں: "بلکہ نصاریٰ جنہوں نے سال و ماہ سب شمسی لئے، یہ چوتھے سال ایک دن بڑھا کر فروری ۲۹ کا نہ کرتے تو ان کو بھی یہی صورت پیش آتی کہ کبھی جون کا مہینہ جاڑوں میں ہوتا اور دسمبر گرمیوں میں۔" (۳۳)

اس کی وجہ کے بیان کے دوران آپ نے اعداد و شمار کی مقداروں کی کسرات کو تحفظ دیتے ہوئے تقریباً، زائد کچھ کم وغیرہ کے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ ریاضی اور ہیئت کا طالب علم ان الفاظ کے پس پردہ ادق احتیاط اور تقویم کے موضوع پر آپ کی دسترس کو بہ آسانی دیکھ سکتا ہے۔

وجہ کے بارے میں رقم طراز ہیں:۔

"یوں کہ سال 365 دن کا لیا اور حقیقت میں ہوتا ہے 365 دن اور تقریباً پونے چھ گھنٹے کا، لہٰذا) آفتاب کا دورہ ابھی چند گھنٹے بعد کو پورا ہوگا کہ جس کی مقدار تقریباً چھ گھنٹے تو پہلے سال شمسی، سال دورہ یافتہ سے (تقریباً) 6 گھنٹے پہلے ختم ہوا۔ دوسرے سال (تقریباً) 12 گھنٹے پہلے، تیسرے سال (تقریباً) 18 گھنٹے پہلے، چوتھے سال تقریباً 24 گھنٹے اور 24 گھنٹے کا ایک دن رات ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر چوتھے سال ایک دن بڑھا دیا کہ دورۂ آفتاب سے مطابقت رہے لیکن دورۂ آفتاب پورے چھ گھنٹے زائد نہ تھا بلکہ تقریباً پونے چھ گھنٹے۔ تو چوتھے سال پورے

24 گھنٹے کا فرق نہ پڑا تھا بلکہ تقریباً 23 گھنٹے کا اور بڑھالیا ایک دن کہ 24 گھنٹے ہے۔ تو یوں ہر چار سال میں شمسی سال دورہ آفتاب سے کچھ کم ایک گھنٹہ بڑھے گا۔ سو برس بعد تقریباً ایک دن۔ لہٰذا صدی پر ایک دن گھٹا کر پھر فروری 28 دن کا کرلیا۔" (۳۴)

آخر میں ایک فقرہ پوری ریاضیاتی گہرائی اور گیرائی سے لکھا جو فقط ایک ژرف نگاہ محقق ہی کہہ سکتا ہے اور وہ یہ کہ ـــــ "اسی طرح اور دقیق کسرات کا حساب ہے۔" (۳۵)

(۱) معارف رضا (دوسرا یادگاری مجلہ)۔ مطبوعہ کراچی، ص: ۲۰۹

(۲) ملفوظات۔ مطبوعہ دار التبلیغ۔ ۳۸ اردو بازار، لاہور، ص: ۱۱

(۳) احکام شریعت۔ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ، کراچی، ص: ۱۴۰

(۴) فتاویٰ رضویہ جلد پنجم (حصہ چہارم) مطبوعہ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور، ص: ۶۸

(۵) " " " " " " ص: ۴۹

(۶) فتاویٰ رضویہ جلد دہم (نصف اول) مطبوعہ مکتبہ رضا ایوان عرفان بیسلپور ضلع پیلی بھیت ص: ۶۸

(۷) فتاویٰ رضویہ جلد دہم (مکمل) مطبوعہ، ادارہ تصنیفات امام احمد رضا۔ کراچی ص: ۱۳۰

(۸) احکام شریعت، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ، کراچی، ص: ۲۲۴

(۹) احکام شریعت۔ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ، کراچی۔ ص : ۲۲۴
(۱۰) فتاویٰ رضویہ جلد چہارم، مطبوعہ سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ، لائل پور۔ ص : ۴۹۵
(۱۱) فتاویٰ رضویہ جلد اول (جدید) مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور۔ ص : ۵۷۹
(۱۲) فتاویٰ رضویہ جلد پنجم (قدیم) (حصہ چہارم) مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور۔ ص : ۴۹
(۱۳) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص : ۶۵
(۱۴) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص : ۷۴
(۱۵) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص : ۷۴
(۱۶) فتاویٰ رضویہ جلد دوم (جدید) مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ رضویہ نظامیہ لاہور۔ ص : ۲۸۵
(۱۷) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص : ۶۸۷
(۱۸) فتاویٰ رضویہ جلد چہارم (قدیم) مطبوعہ سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ، لائل پور۔ ص : ۴۹۶
(۱۹) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص : ۳۸۲
(۲۰) فقیہہ اسلام از ڈاکٹر حسن رضا خاں۔ مطبوعہ اسلامک پبلی کیشن سنٹر، پٹنہ۔
(۲۱) فتاویٰ رضویہ جلد چہارم (قدیم) مطبوعہ سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ، لائل پور۔ ص : ۶۴۸
(۲۲) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص : ۴۴۹
(۲۳) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص : ۳۸
(۲۴) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص : ۶۴۳
(۲۵) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص : ۴۵-۶۴۴
(۲۶) "روشنی کیا ہے؟" از :- Beulah Tennenbaum and Myra Stillman. مطبوعہ اردو اکیڈمی، سندھ کراچی۔ ترجمہ : ضمیر علی۔ ص : ۴۳

(۲۷) فتاویٰ رضویہ جلد چہارم (قدیم) مطبوعہ سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ لائل پور۔ ص : ۶۴۴

(۲۸) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص : ۶۴۵

(۲۹) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص : ۶۸۰

(۳۰) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص : ۶۲۲

(۳۱) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص : ۵۱۸

(۳۲) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص : ۵۱۸

(۳۳) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص : ۵۱۹

(۳۴) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص : ۵۱۹

(۳۵) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص : ۵۹

امام احمد رضا اور سائنٹیفک اندازِ فکر

از : محمد شمشاد حسین رضوی، (ایم اے)
پرنسپل مدرسہ شمس العلوم،
(بدایوں)

امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ذات و شخصیت، اور ان کی تعلیمات و نظریات، ہندوستان کی تاریخ میں ایک تحریک کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے نہ صرف اپنے خاندان اپنے شہر کو متاثر کیا، بلکہ پورے سماج اور معاشرہ کو متاثر کیا۔ ملکی اور بین الاقوامی طور پر اپنی تعلیمی، تہذیبی، اور تمدنی تعلیمات کی اشاعت کی۔ ان کی تعلیمات تالیفات سماج کے ہر فرد، بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کے لئے مینارۂ ہدایت ہیں اور صحراؤں میں بھٹکنے والوں

شارب ردولوی نے جو نظریہ پیش کیا، وہ نہ صرف محدود ہے بلکہ تعصب اور تنگ نظری پر مبنی بھی ہے اس لئے کہ امام احمد رضا کا نصب العین سماج و معاشرہ، ملک و ملت، تہذیب و تمدن کو باقی رکھنا اور ان تہذیبی سرمائے کو آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ رکھنا بھی تھا۔ اسی وجہ سے امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ایسے عوامل و عناصر پر خاص توجہ صرف کی، جو سماج اور معاشرہ کے لئے "جز ولاینفک" کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً عقیدہ و مذہب، اخلاق و تصوف، علوم و فنون، فلسفہ و منطق، شعر و شاعری، شعور ادراک رسم و رواج، رہن سہن کے آداب، لباس، وغیرہ۔ ہاں ان عناصر و عوامل کی بقا و تحفظ میں جو بھی آڑے آیا امام احمد رضا نے اس کی تنقید کی اور اس کے رد عمل میں کتابیں تصنیف کیں اور یہ ضروری بھی تھا کیوں کہ جسم کی صحت و تندرستی کے لئے ایسے جراثیم کو ختم کر دینا ہی مناسب ہے۔ جو امراض کے باعث ہوتے ہیں اور جسم کے رگوں میں خلل ڈالتے ہیں۔ اہل حدیث، وہابی، دیوبندی، چکڑالوی کے غلط خیالات اور فاسد عقائد سماج و معاشرہ کے لئے مہلک جراثیم کی حیثیت رکھتے تھے۔ اسی لئے امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ان کی تنقید کی۔ ڈاکٹر شارب ردولوی نے امام احمد رضا فاضل بریلوی کی اس تنقید کو تو وہابی تحریک کا رد عمل قرار دیا۔ مگر یہ تنقید وجود میں کیوں آئی؟ کیسے آئی؟ اس کے اسباب و علل کیا تھے؟ اس سے نظر بچا گئے۔ ظاہر ہے اصولی طور پر ڈاکٹر صاحب نے کوئی سنجیدہ تنقید سے کام نہیں لیا بلکہ تعصب کے لپکتے ہوئے شعلوں میں جل بھن کر لکھ مارا۔

اولاً:۔ شارب صاحب کو چاہئے تھا کہ وہ حضرت فاضل بریلوی کی تعلیمات،

نظریات اور اصول وکلیات کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے۔

ثانیاً :۔ اس کے پس منظر اور پیش نظر کو مطالعہ میں رکھتے۔

ثالثاً :۔ انہیں اس بات پر بھی غور کرنا چاہئے تھا کہ امام احمد کا فکری رویہ کیا ہے؟ انداز فکر کس قسم کا ہے؟ مثبت یا منفی! سائنٹیفک ہے یا غیر سائنٹیفک؟ اس کے بعد انہیں امام احمد رضا کی تحریک پر تبصرہ یا تنقید کرنی چاہئے تھا۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کر کے اپنے ذہن وفکر کی پراگندگی کا اظہار کیا ہے۔ جو ایک تاریخ نویس اور تنقید نگار کے لئے تعجب کی بات ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی نہ صرف عالم دین، فقیہ، محدث اور مفتی ہی تھے، بلکہ وہ بہترین فلسفی، منطقی، سائنس داں، ریاضی داں بھی تھے۔ علوم جدیدہ میں انہیں کمال کا درک تھا اور لوگ تو صرف علوم وفنون کی سطح پر ہی تیرتے ہیں لیکن وہ ہر علم اور ہر فن کی پاتال میں شناوری کرتے تھے۔ اوروں کو صرف ایک یا دو فن پر عبور حاصل ہوتا ہے مگر امام احمد رضا ہر فن مولیٰ تھے۔ انہیں ہر علم میں پوری دستگاہ حاصل تھی وہ جس راہ چل دیتے ہیں ان کے مبارک قدموں کے گہرے نقوش دکھائی پڑتے ہیں اور کامیابی ان کے قدموں کو چومتی ہوئی نظر آتی۔ سچ ہے کہ ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس راہ چل دیئے ہیں سکے بٹھا دیئے ہیں

ماہر رضویات اس بات سے واقف ہیں کہ امام احمد رضا کا انداز فکر منفی نہیں مثبت تھا سائنٹیفک تھا۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ کسی شخصیت میں انداز فکر کس طرح پیدا ہوتا ہے اور اس کے اسباب ومحرکات کیا ہوتے ہیں جو اس قسم کی فکر کو جنم دیتے ہیں۔

آیئے تفصیل سے اس پر بحث کرتے ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جس انسان میں منطقی، فلسفی اور سائنسی صلاحیت ہوتی ہے اور جو اسی قسم کے فکر و شعور سے کام لیتا ہے تو اس کے اندر سائنٹیفک انداز فکر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے انسان میں کھلی ذہنیت، صحیح معلومات کی خواہش اور علم کی تلاش میں اختیار کیے جانے والے طریقوں پر اعتماد اور یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ نیز ان خوبیوں والا انسان جب اپنی فکری جولانیاں دکھاتا ہے تو اس کی رفتار برقی لہروں جیسی نہیں ہوتی ہے کہ سوئچ آن کیجیے اور ادھر بلب روشن ہو گیا بلکہ اس کی فکر و نظر اور شعور و ادراک کی رو مختلف مرحلوں سے گذرتی ہے اور ان مرحلوں میں طبعی تناسب پیدا کرتا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہی وہ مطلوبہ معلومات تک پہنچ سکتا ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تصنیفات و تالیفات اور فکری تخلیقات میں یہ تمام مرحلے واضح اور نمایاں دکھائی پڑتے ہیں۔ وہ مرحلے مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مسئلہ کا صحیح طور پر احساس۔

(۲) مسئلہ کی توضیح و تجزیہ۔

(۳) معلومات کی فراہمی۔

(۴) معلومات کی تعبیر۔

(۵) عارضی حل یا قیاسات کی ترتیب۔

(۶) اخذ نتائج اور تعمیم کا عمل۔

(۷) تعمیمات کا انطباق۔

(۱) امام احمد رضا ــــ اور مسائل کا احساس

امام احمد رضا فاضل بریلوی "۱۸۵۶ء سے ۱۹۲۱ء" تک بقید حیات رہے۔ اس ۶۵ سال کی مدت میں ہندوستان میں کیسے کیسے انقلابات آئے ؟ کن کن فتنوں نے جنم لیا؟ سماجی اور معاشرتی زندگی میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں ؟ آئیے اس کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

اس بات میں شک نہیں کہ مغلیہ سلطنت کے وہ فرماں روا جو تخت و تاج کے مالک تھے اور سیاہ و سفید کرنے کا پورا اختیار رکھتے تھے، انگریزوں کے سبب ان کی طاقت و توانائی دم توڑ رہی تھی۔ لال قلعہ کی وہ عمارت جہاں سے فرمان جاری ہوتا تھا رفتہ رفتہ ویران ہوتی جا رہی تھی اور اس پر مردنی کے آثار گہرے ہو چلے تھے، یہ بہادر شاہ ظفر کا دور تھا، دلی اجڑ رہی تھی اور کوچہ و بازار میں عزت و ناموس کی دھجیاں اڑائی جا رہی تھی انگریز رفتہ رفتہ ہندوستان پر قابض ہو رہے تھے اور ان کی حکومت کا تسلط ہوتا جا رہا تھا۔ انگریز اپنے اقتدار کے زعم میں نہ صرف ہندوستان کو تاراج کر رہے تھے بلکہ مسلمانوں اور ہندوؤں کو عیسائی مذہب اختیار کرنے پر مجبور کر رہے تھے اور اپنی تہذیب و تمدن، ہندوستان پر تھوپنا چاہ رہے تھے۔ بھلا ہندوستانی مسلمان اور غیور ہندوستانی اس کو کب پسند کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی کے دلوں میں انگریزوں کے تئیں نفرت وحقارت کے انگارے دہکنے لگے۔ یہاں کے ہر فرد اپنے طور پر انگریزوں سے بیزار دکھائی پڑ رہے تھے۔ آخر کار ایک وقت ایسا بھی آیا کہ نفرت اور حقارت کا یہ آتش فشاں پھوٹ پڑا اور اس کے خلافت بغاوت شروع ہوئی۔ ۱۸۵۷ء میں غدر کا یہ المناک واقعہ پیش آیا۔

ہر طرف انگریزوں کی رہائش گاہ نذر آتش کی جانے لگی اور اس سلسلے میں بہت

سے انگریز بھی لقمۂ اجل ہو گئے مگر ۱۸۵۷ء کا یہ انقلاب زیادہ کامیاب نہ ہوا اور انگریز دھیرے دھیرے اس بحرانی صورتِ حال پر قابو پاگئے اور اپنی خفیہ تدبیروں سے اس انقلاب کو ختم کردیا۔ اس سلسلے میں "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی پر وہ عمل پیرا ہوئے۔ انگریزوں نے ہی ہندوستان کی مختلف قوموں کے مابین نفرت کا بیج بویا اور آپس میں پھوٹ ڈلوادی۔ جس کے نتیجے میں بذاتِ خود ہندوستانی ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہو گئے۔ اس انقلاب میں سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کا ہوا۔ ہزاروں مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ بہادر شاہ ظفر پر اس قدر مظالم ہوئے کہ دہلی ان کے لئے تنگ ہو گئی۔ وہ اور ان کے فرزند تختۂ دار پر لٹکا دیئے گئے۔ ظلم وستم اور بربریت کا اس قدر ننگا ناچ ہو رہا تھا کہ بعض انگریز بھی اس درندگی کو ناپسند کر رہے تھے۔ اس سے نہ صرف ذہنوں میں تبدیلی ہوئی، بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں ایک قسم کا زوال آگیا۔ کل تک جن کے حوصلے بلند تھے اب پست ہو گئے۔ جو عزم و ارادہ کے فولاد تھے ان میں ضعف و نقاہت اس حد تک بڑھی کہ سانس لینے کی ہمت بھی ٹوٹ گئی۔ جو جذبہ و جوش کے شعلوں میں بھڑکتے تھے سسکیاں لینے پر مجبور ہو گئے۔ غرض کہ زندگی میں ایک قسم کی ناامیدی سی چھا گئی۔ حسرت و یاس، غم واندوہ سے لوگ چور چور سے ہو گئے۔
ایسے مایوس کن اور مخدوش حالات میں ضرورت تھی ایک ایسے قائد اور رہنما کی جن کی شخصیت میں گوناگوں خوبیاں ہوں، ان گنت خصوصیات اور کمالات ہوں۔ جن میں مختلف علوم وفنون پائے جائیں اور جنہیں ماضی کی روایات سے بھی دلچسپی ہو۔ اور موجودہ صورتحال پر بھی نظر رکھے اور جو مستقبل میں پیش آنے والے سنگین نتائج سے بھی نبرد آزما ہو سکے یہ تمام خوبیاں صرف امام احمد رضا کی شخصیت میں پائی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے

زمانے کے بہترین قائد تھے اور اپنے معاصرین پر تفوق رکھتے تھے۔ ان کی ذکاوت حس کا یہ عالم تھا کہ زندگی، سماج، معاشرہ کے ہر متغیر عناصر کا انہیں احساس تھا، صرف احساس ہی نہیں بلکہ امام احمد رضا ان احساسات کا گہرا شعور بھی رکھتے تھے۔ یہ تغیرات خواہ کسی شعبۂ زندگی سے متعلق ہوں۔ مذہب و عقیدہ سے متعلق ہوں، یا تہذیب و تمدن سے زبان و ادب سے متعلق ہوں یا علوم و فنون سے، صنعت و حرفت سے متعلق ہوں یا علوم مادیات، اور علوم طبیعات سے، معاشیات سے متعلق ہوں یا سائنسی اختراعات سے، امام احمد رضا ان تمام مسائل کا صحیح طور پر احساس رکھتے تھے۔ ظاہر ہے یہ تمام تغیرات انیسویں صدی کے نصف آخر میں ہوئے۔ وہابیت کی تحریک بھی چلی، انگریزی تہذیب و تمدن کا تسلط بھی ہوا۔ انگریزوں کی آوازوں میں طاقت و لوانائی عطا کرنے والے بھی اس ہندوستان میں بیدا ہوئے اور اس کے بدلے جاگیریں بھی حاصل کیں۔ ترک موالات کا بھی زور بڑھا۔ ترک گاؤ کشی کا مسئلہ بھی اٹھا۔ سادہ لوح مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کے داؤ پیچ بھی چلے۔ عشق و محبت، عقیدہ و ایمان کی دولت بے بہا پر ڈاکہ بھی ڈالے گئے۔

اس بات میں کوئی شک و تردد نہیں ہے کہ امام احمد رضا ان تمام مسائل سے بخوبی واقف تھے۔ ہندوستانی سماج میں کیا انقلابات آرہے ہیں۔ کیا کیا تغیرات جنم لے رہے ہیں۔ کس قسم کے مہلک جراثیم بیدا ہو رہے ہیں؟ یہ علم و احساس صرف آپ کی ذات و شخصیت، یا ذہن و دماغ تک محدود نہ تھی بلکہ امام احمد رضا کی تالیفات و تصنیفات، نثری و شعری تخلیقات میں بھی پایا جاتا ہے۔

(۲) امام احمد رضا ـــ اور توضیح و تجزیہ

"سائنٹیفک طریقہ" میں مسائل کے احساس کے بعد توضیح و تجزیہ کی منزل آتی ہے اس مقام پر بھی امام احمد رضا تنہا نظر آتے ہیں اور اپنے معاصرین میں فائق و ممتاز، اور لوگ تو صرف سرسری طور پر توضیح و تجزیہ کر کے گذر جاتے ہیں۔ لیکن امام احمد رضا کی خصوصیت و خوبی یہ ہے کہ وہ بال کی بھی کھال نکال لیتے ہیں اور کسی بھی مسئلہ کی توضیح و تجزیہ اس انداز میں فرماتے ہیں کہ بڑے بڑے قد آور مفکر و دانشور انگشت بدنداں نظر آتے ہیں۔ ہندوستان میں ترک موالات کی تحریک چلی۔ اس ہوشربا طوفان میں نہ معلوم کتنے کروفر والے علماء، دانشور اور مفکر بہہ گئے۔ وہ جنہیں اپنے علم و فن، فکر و دانش اور دقت نظر پر ناز تھا۔ وہ جو آسمان خطابت کی بلندیوں میں پرواز کرتے تھے مولانا عبد الباری، مولانا عبد الماجد بدایونی جیسے افراد بھی "ترک موالات" کے برق و باراں میں پھنس کر رہ گئے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور ترک موالات کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ مثلاً :-

(۱) موالات کیا ہے ؟

(۲) ترک موالات کا مفہوم کیا ہے ؟

(۳) موالات کی کتنی قسمیں ہیں ؟

(۴) کیا "نان کوآپریشن" کو ترک موالات کہہ سکتے ہیں ؟

(۵) تحریک ترک موالات کے کیا اسباب و علل تھے ؟

(۶) اس تحریک کی کیا حیثیت ہے ؟

اسی طرح جب کبھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے علوم جدیدہ سے متعلق مسائل پوچھے گئے تو آپ نے اس پر بھی سائنٹیفک انداز میں بحث کی۔ آب مطلق کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے مندرجہ ذیل سوالوں کا تحقیقی جواب دیا۔

(۱) آب مطلق کیا ہے ؟

(۲) آب مطلق کا مصداق کون کون سا پانی ہے ؟

(۳) پانی کا رنگ کیسا ہے ؟

(۴) اس بارے میں کیا نظریات ہیں ؟

(۵) آبی کس رنگ کو کہتے ہیں ؟

(۶) پانی کے کتنے اوصاف ہیں ؟

ارباب فکر سے پوشیدہ نہیں کہ مسائل کی توضیح و تجزیہ میں ان سوالوں کی کیا اہمیت ہے تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مندرجہ ذیل رسائل کا مطالعہ کریں۔

(۱) الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ

(۲) النور والنورق فی اسفار الماء المطلق

(۳) معلومات کی فراہمی

"تحقیقات رضویہ" کے بارے میں جو واقفیت رکھتے ہیں وہ یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ امام احمد رضا کے سامنے جو بھی مسئلہ آیا اس کے تمام پہلوؤں کے بارے

میں آپ نے معلومات کیں۔ اس بابت ماضی میں کیا روایات رہی ہیں۔ اسلاف کیا نظریات رکھتے ہیں۔ دانشوروں کی کیا رائے ہے۔ قرآن وحدیث فقہ وتفسیر، کلام ومنطق، صرف ونحو، ادب وبلاغت سائنس اور علم طبیعات سے بھی آپ نے معلومات پیش کی ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے امام احمد رضا معلومات کی فراہمی میں حد سے زیادہ فراخ دل تھے۔ کسی مسئلہ میں آپ نے نہ صرف جزئیات سے کام لیا ہے، بلکہ مقدمات، اصول وکلیات کی بھی ترتیب دی ہے۔ ان مقدمات کے مطالعہ سے ہر قاری مسائل کا عارضی حل پیش کر سکتا ہے۔ مثلاً دیکھئے:۔

شیخ عبد الجلیل پنجابی بارہ بنکوی نے ماہ ذیقعدہ ۱۳۰۳ھ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے یہ دریافت کیا!

> کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ روسر کی شکر کہ ہڈیوں سے صاف کی جاتی ہے اور صاف کرنے والوں کو کچھ احتیاط اس کی نہیں کہ وہ ہڈیاں پاک ہوں یا ناپاک حلال جانور کی ہوں یا مردار کی، اور سنا گیا ہے اس میں شراب بھی پڑتی ہے۔

اس سوال کو ذہن میں رکھئے۔ امام احمد رضا نے براہِ راست اس مسئلہ کا جواب نہیں دیا، بلکہ اس کے جواب سے قبل چند مقدمات کی ترتیب اس طرح کی ہے۔

مقدمۂ اولیٰ:۔ ہر جانور یہاں تک کہ غیر ماکول ونامذبوح کی بھی مطلقاً پاک ہیں جب تک ان پر ناپاک رسومت نہ ہو سوا خنزیر کے کہ نجس العین ہے، اور اس کا ہر جزو بدن ایسا ناپاک کہ اصلاً صلاحیت طہارت نہیں۔

مقدمۂ ثانیہ :۔ شریعت مطہرہ میں طہارت وحلت اصل ہیں اور ان کا ثبوت خود حاصل کہ اپنے اثبات میں کسی دلیل کا محتاج نہیں اور حرمت و نجاست عارضی کہ ان کے ثبوت کو دلیل خاص درکار اور محض شکوک وظنون سے ان کا اثبات ناممکن کہ طہارت وحلت پر بوجہ اصالت جو یقین تھا اس کا زوال بھی اس کے مثل یقین ہی سے متصور نہ ظن لاحق یقین سابق کے حکم کو رفع نہیں کرتا۔

مقدمۂ ثالثہ :۔ احتیاط اس میں نہیں کہ بے تحقیق بالغ وثبوتِ کامل کسی شئے کو حرام ومکروہ کہہ کر شریعت مطہرہ پر افترا کیجئے۔ بلکہ احتیاط اباحت ملنے میں ہے کہ وہی اصل تیقن اور بے حاجت مبین خود مُبَیَّن۔

مقدمۂ رابعہ :۔ بازاری افواہ قابل اعتبار نہیں اور احکام شرع کی مناط ومدار نہیں ہو سکتی۔ بہت خبریں بے سروپا ایسی مشتہر ہو جاتی ہیں جن کی کچھ اصل نہیں یا ہے تو بیزار تفاوت۔

مقدمۂ خامسہ :۔ حلت، حرمت، طہارت، نجاست احکام دینیہ ہیں ان میں کافر کی خبر محض نامعتبر، بلکہ مسلمان فاسق بلکہ مستور الحال کی خبر بھی واجب القبول نہیں۔ **مقدمۂ سادسہ** :۔ کسی شئے کا محل احتیاط سے دور یا کسی قوم کا بے احتیاط وشعور وبے پروائے نجاست وحرمت سے مہجور ہونا اسے مستلزم نہیں کہ وہ شئے یا اس قوم کی استعمالی یا بنائی ہوئی چیزیں ناپاک یا حرام وممنوع قرار پائیں کہ اس سے اگر یقین ہوا تو ان کی بے احتیاطی پر اور بے احتیاطی مقتضی وقوع دائم نہیں پھر نفس شئے میں سوا ظنون وخیالات کے کیا باقی رہا۔

مقدمۂ سابعہ :۔ شدت بے احتیاطی جس کے باعث اکثر احوال میں

نجاست و آلودگی کا غلبہ و قوع و کثرت شیوع ہو بیشک باعث غلبۂ ظن۔ اور غلبۂ ظن شرعاً معتبر اور فقہ میں مبنائے احکام مگر اس کی دو صورتیں ہیں :۔

صورتِ اولیٰ :۔ یہ کہ جانب راجح پر قلب کو اس درجہ وثوق و اعتماد ہو کہ دوسری طرف کو بالکل نظر سے ساقط کر دے اور محض ناقابل التفات سمجھے گویا اس کا عدم و وجود یکساں ہو، ایسا ظن غالب فقہ میں ملحق بیقین کہ ہر جگہ کار یقین دے گا، اور اپنے خلاف یقینِ سابق کا پورا مزاحم و رافع ہوگا اور غالباً اصطلاح علماء میں غالب ظن و اکثر رائے اسی پر اطلاق کرتے ہیں۔

صورت ثانیہ :۔ یہ کہ ہنوز جانب راجح پر دل ٹھیک نہ جمے، اور جانب مرجوح کو محض مضمحل نہ سمجھے بلکہ ادھر بھی ذہن جائے اگرچہ بضعف و قلت یہ صورت نہ یقین کا کام دے اور نہ یقین خلاف کا معارضہ کرے بلکہ مرتبہ شک و تردد میں ہی سمجھی جاتی ہے۔

مقدمہ ثامنہ :۔ کسی شئے کی نوع و صنف میں بوجہ ملاقات نجس و اختلاط حرام نجاست و حرمت کا تیقن اس کے فرد سے منع و احتراز کا موجب ہو سکتا ہے جب معلوم و محقق ہو کہ یہ ملاقات و اختلاط بروجہ عموم و شمول ہے اور اگر ایسا نہیں بلکہ صرف اتنا محقق کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ خاص ناپاک و حرام میں خصوصیت ہے جس کے باعث قصداً اس کا التزام کرتے ہیں تو اس بنا پر ہرگز ہرگز حکم تحریم و تجنیس علی الاطلاق روا نہیں۔ مقدمہ تاسعہ :۔ جب بازار میں حلال و حرام مطلقاً یا کسی جنس میں مختلط ہوں اور کوئی تمیز و علامت فارقہ نہ ملے تو شریعت مطہرہ خریداری سے اجتناب کا حکم نہیں دیتی کہ آخر ان میں حلال بھی ہے تو ہر شئے میں احتمال حلت قائم

اور رخصت و اباحت کو اسی قدر کافی۔

مقدمۂ عاشرہ:۔ حضرت حق جل و علا نے ہمیں یہ تکلیف نہ دی کہ ایسی چیز کو استعمال کریں جو واقع و نفس الامر میں طاہر و حلال ہو کہ اس کا علم ہمارے حیطۂ قدرت سے ورا، نہ یہ تکلیف فرمائی کہ صرف وہی شئے برتیں جسے ہم اپنے علم و یقین کی رو سے طیب و طاہر جانتے ہیں اس میں بھی حرج عظیم ہے۔

یہ مقدمات عشرہ۔ وہ رہنما اصول ہیں جن کے سہارے بہت سے مسائل کی جانکاری کی جا سکتی ہیں اور زندگی و سماج و معاشرہ میں پیش آنے والے جزئیات و واقعات کے بارے میں معلومات فراہم کی جا سکتی ہیں۔ ان مقدمات کے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ مشکل نہیں کہ امام احمد رضا اپنے قارئین کے لئے معلومات کی فراہمی میں فراخ دلی سے کام لیتے تھے۔ ان مقدمات کا تعلق ایک طرف علم و فن سے ہے تو دوسری طرح زندگی، سماج و معاشرہ اگر ایک طرف دین و مذہب سے ہے تو دوسری طرف معاملات و رسومات سے۔

(۴) معلومات کی تعبیر و تنظیم

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے علم و فن، فقہ و حکمت، شعور و ادراک، فلسفہ و منطق، اور دیگر علوم جدیدہ کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں وہ ہمارے سامنے فتاوی رضویہ اور دیگر رسائل کی صورت میں موجود ہیں، یہ فراہم کردہ معلومات نہایت اہم اور معرکۃ الآرا ہیں۔ اس کے مطالعہ سے طالب علموں، اور علوم کے

متلاشیوں میں ترتیب وتنظیم کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان میں ایسی صلاحیت اور توانائی آجاتی ہے کہ وہ سماجی زندگی اور معاشرتی ماحول میں ایک انقلاب لا سکتا ہے اور سماج اور معاشرہ، زندگی اور اقدارِ حیات میں طاقت و توانائی لا سکتا ہے یہ آزمودہ اور تجربہ ہے کہ وہ افراد انسان سے جو اعلیٰ حضرت کی تعلیمات اور نظریات سے شعور وآگہی رکھتے ہیں وہ زندگی کی ہر شاہراہ پر کامیابی سے سفر کر رہے ہیں اور خاردار راہوں سے بسلامت گزرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ نیز ان میں ترتیب وتنظیم کی لیاقت وصلاحیت بھی شباب پر نظر آتی ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بذات خود اس طرف نشان دہی فرمائی ہے اور معلومات کے مابین ترتیب وتنظیم لانے کے راز سے آشنا کیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

واضح ہو کہ کسی شئے حرام خواہ نجس کے دوسری چیز میں خلط ہونے پر یقین دو قسم ہے۔

مثالِ شخصی:۔ ایک فرد خاص کی نسبت تیقن۔ مثلاً آنکھوں سے دیکھا کہ اس
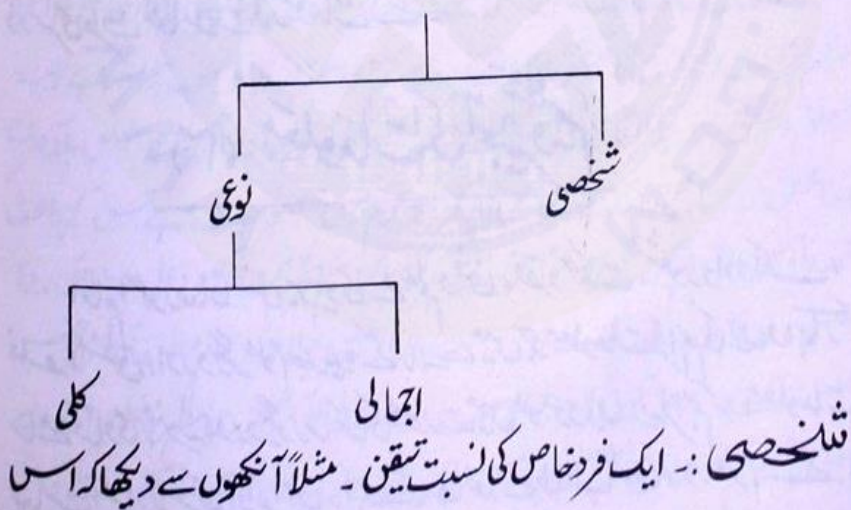
کوئیں میں نجاست گری ہے۔

نوعی :۔ یعنی مطلق نوع کی نسبت یقیں اس کی دو قسمیں ہیں جو نقشہ بالا سے ظاہر ہے اور وہ قسم یہ ہیں :۔ اجمالی ۔ کلی ۔

اجمالی :۔ یعنی اس قدر ثابت کہ اس نوع میں اختلاط واقع ہوتا ہے نہ یہ کہ علی العموم اس کے ہر فرد کی نسبت علم ہو ۔ جیسے کفار کے برتن ، کپڑے ، کنوئیں ۔

کلی :۔ یعنی نوع کی نسبت بروجہ شمول وعموم ، دوام والتزام اس معنی کا ثبوت مثلاً تحقیق پائے کہ فلاں نجس یا حرام چیز اس ترکیب کا جزو خاص ہے کہ جب بناتے ہیں اسے شریک کرتے ہیں ۔

یہ وہ ضابطہ و اصول ہے جو مقدمات سابقہ کے مابین ترتیب وتنظیم میں مدد کرتا ہے اور کسی خاص امر جزئی کے لئے قیاسات کی راہ ہموار کرتا ہے نیز اس امر جزئی کے بابت اخذ نتیجہ تک پہنچاتا ہے ۔ یہ منزل بہت کٹھن اور دشوار ہے ، سائنس کا استاد اس دشواری کا احساس کر سکتا ہے ، لیکن امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے تعلیمی ، تہذیبی ، سماجی اور مذہبی تعلیمات میں اس دشواری والی منزل کو بڑی خوبی سے عبور کر لیا ۔ یہ صرف ان کی علمی ، فنی دستگاہ اور مہارت کے سبب ہے ۔ ورنہ بڑے بڑے سائنس داں حضرات بھی اس منزل پر قلابازیاں کھاتے ہیں جس طرح شعراء اور قصیدہ نگار گریز کی منزل میں پھسل جاتے ہیں ۔

(۵) عارضی حل یا قیاسات کی ترتیب :

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے نہ صرف معلومات کی فراہمی کی ہے بلکہ اپنے مخاطبین

کو مشورہ بھی دیا ہے کہ وہ ان مقدمات اور اصول وضوابط کے ذریعہ ہر نئی چیز کے بارے میں اخذ نتائج کریں۔ کوئی حل پیش کریں، اور انگریزوں کے توسط سے درآمد اشیاء کے استعمال کے بارے میں شرعی حیثیت کا تعین کریں۔ مثلاً "تنبیہ" کے زیرِ عنوان آپ فرماتے ہیں۔

تنبیہ :- فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہٗ نے ان مقدمات عشرہ میں جو مسائل و دلائل تقریر کیے، جو انہیں اچھی طرح سمجھ لیا ہے اس قسم کے تمام جزئیات مثلاً بسکٹ، نان پاؤ، رنگت کی پوڑیوں یورپ کے آئے ہوئے دودھ، مکھن، صابن، مٹھائیوں، وغیرہا کا حکم خود جان سکتا ہے۔ غرض ہر جگہ کیفیت خبر، حالت مخبر وحاصل واقعہ وطریقۂ مداخلت حرام ونجس وتفرقہ ظن ویقین ومدارج ظنون وملاحظۂ ضابطہ وکلیہ، مسالک ورع ومدارات خلق وغیرہا امور مذکورہ کی تنقیح ومراعات کرلیں، پھر ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی جزئیہ ایسا نہ نکلے گا جس کا حکم تقاریر سابقہ سے واضح نہ ہو جائے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص۱۱۱)

امام احمد رضا فاضلِ بریلوی نے اپنی عبارت سابقہ میں جن اشیاء کا ذکر کیا ہے، وہ سب سماجی و معاشرتی زندگی میں استعمال ہوتے ہیں، ان میں بعض یورپ سے آتے ہیں اور بعض اسی دیش میں بنتے ہیں کسی بھی نئی چیز کو اپنے سماج اور زندگی میں شامل کرلینا۔ اس طرح کہ سماج کا تحفظ بھی ہو سکے اور مزید اس میں وسعت آئے۔ نیز اس کے عناصر میں اضافہ ہو۔ یہ سماج کے تئیں مفید تر نہیں تو پھر کیا ہے؟ وہ لوگ جو امام احمد رضا کی تحریک

کو سماج سے الگ تھلگ تصور کر بیٹھے ہیں وہ آئیں اور اس پر غور کریں کہ اس مظلوم مفکر و دانشور نے سماج کے تئیں خوشگوار ماحول پیدا کیا ہے یا پھر اس کے خلاف۔؟

زندگی اور اس کے ارد گرد استعمال میں آنے والی کسی نئی چیز کو سامنے رکھ کر امام احمد رضا کے فراہم کردہ اصول وضابطہ کے سہارے جن افراد سماج کی فکر و نظر کی رسائی مقدمات عشرہ تک ہوگی۔ اسے ہم قیاسات کی ترتیب یا "عارضی حل" کا نام دیں گے اس سے جو نتیجہ برآمد ہوگا اس کی حیثیت کیا ہوگی ؟ اس کو جاننے کے لئے مندرجہ ذیل تحریر کا مطالعہ کریں۔

(۶) تعمیم کا عمل

ارباب فکر و دانش سے پوشیدہ نہیں کہ جتنے بھی کلیات ہوتے ہیں ان میں عمومیت اور شمولیت پائی جاتی ہے، اسی وصف کے اعتبار سے کسی نتیجہ خیز قیاس کا کبریٰ بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے نہ صرف کثیر جزئیات پر حکم لگایا ہے، بلکہ ایسے اصول وکلیات بھی فراہم کئے ہیں جن میں عموم و شمول کا وصف پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے یہی تعمیم کا عمل ہے اور اسی پر تمام جزئیات کے احکام کا دار و مدار ہے۔ امام احمد رضا سے جب بھی کسی جزئی یا کسی خاص شئے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے تعمیم کے عمل سے کام لیا۔ یہ عملی تعمیم کہیں تو تجربوں کی بنیاد پر انجام پذیر ہوا۔ اور کہیں کلاسیکل روایات کے سہارے، اور کہیں امام احمد رضا نے فکر و نظر کی نئی جہتوں اور نئی سمتوں سے کام لیا ہے۔ ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ کو امام احمد رضا فاضل بریلوی سے علی گڈھ عیدگاہ کی سمتِ قبلہ کے متعلق سوال کیا گیا، ملاحظہ فرمائیں۔

شہر علی گڈھ کی عیدگاہ کہ صدہا سال سے بنی ہوئی ہے اور حضرات علمائے متقدمین بلاکراہت اس میں عیدین کی نمازیں پڑھتے پڑھاتے رہے۔ آج کل کی نئی روشنی والوں نے اپنے قیاسات اور نیز آلات انگریزیہ سے یہ تحقیق کیا ہے سمت قبلہ سے منحرف ہے، اور قطب شمالی کے داہنے کونے کی پشت پر واقع ہے جس سے نوے ۹۰ فٹ کے قریب مغرب سے پھری ہوئی ہے لہٰذا اس کو توڑ کر سمت ٹھیک کرنا مسلمانان شہر پر بر تقدیر استطاعت کے لازم اور فرض ہے ورنہ نماز اس میں مکروہ تحریمی ہے۔ الخ

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے صورتِ مسئولہ کا جواب دینے سے قبل تعمیم کے عمل سے کام لیا ہے اور کچھ ایسے نتائج اخذ کئے ہیں جن میں عمومیت اور شمومیت کا مفہوم نکلتا ہے۔
مثلاً :۔ ——اور اتنا تو اکابر نے فرمایا کہ جو مسجد مدتوں سے بنی ہو اور اہل علم و عامۂ مسلمین اس میں بلا نکیر نمازیں پڑھتے رہے ہوں جیسا کہ عیدگاہ کے مذکور کی نسبت سوال میں مسطور ہے اگر کوئی فلسفی اپنے آلات و قیاسات کی رو سے اس میں شک ڈالنا چاہے اس کی طرف التفات نہ کیا جائے کہ صدہا سال سے علماء و سائر مسلمین کو غلطی پر مان لینا نہایت سخت بات ہے بلکہ تصریح فرماتے ہیں کہ ایسی قدیم محرابیں خود ہی دلیل قبلہ ہیں جن کے بعد تحری کرنے اور اپنا قیاس لگانے کی شرعاً اجازت نہیں۔
آگے چل کر امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ :۔

امام فقیہہ ابو جعفر ہندوانی نے بغداد مقدس، و بخارا شریف کا قبلہ ایک بتایا، علماء نے خراسان و سمرقند وغیرہما بلاد مشرقیہ کے لئے جن میں ہندوستان بھی داخل بین الغربین قبلہ ٹھہرایا۔

اسی حکم کی بنا پر ہندوستان میں ستارۂ قطب داہنے شانے پر لیا گیا اور قدیم سے عام مساجد اسی سمت پر بنیں کہ بین الغربین کا اوسط مغرب اعتدال تھا اور اس کی طرف توجہ میں قطب سیدھے ہی شانے پر ہوتا ہے اور اس کی پہچان آسان، اور اس میں انحراف بقدر مضر نہیں۔

لہٰذا اسی پر تعامل ہوا، یہ مدعیان بہت سمجھے کہ عام بلاد ہندیہ یا شاید خاص علی گڈھ کا یہی قبلہ تحقیقی ہے حالانکہ وہ محض ناواقفی ہے ہندوستان آٹھ درجے عرض شمالی سے ۳۵ درجے تک آباد ہے اور طول مشرقی ۶۶ درجے سے ۹۲ درجے تک۔

ہم نے اپنے رسالہ "کشف العلی عن سمت القبلہ" ۱۳۰۴ھ میں براہین ہندسہ سے ثابت کیا ہے کہ شروع جنوبی ہند جزیرہ سرندیپ وغیرہا سے تیئس ۲۳ درجے چونتیس ۳۴ دقیقہ عرض تک جتنے بلاد ہیں جن میں مدراس، حالہ بمبئی، حیدر آباد کا علاقہ وغیرہا داخل ہے سب کا قبلہ نقطۂ مغرب سے شمال کو جھکا ہوا ہے۔ ستارۂ قطب داہنے شانے سے سامنے کی جانب مائل ہوگا اور انتیسویں درجۂ عرض سے اخیر شمالی ہند تک جس میں دہلی، بریلی، مراد آباد، میرٹھ، پنجاب، بلوچستان سنگاپور، قلات پشاور، کشمیر وغیرہا داخل ہیں۔ سب کا قبلہ

جنوب کو جھکا ہوا ہے قطب سیدھے کندھے سے پشت کی طرف میلان
کرے گا۔ دلیل کی رو سے یہ عام حکم ساڑھے بتیس درجہ سے ہوتا تھا
مگر ۲۸ سے ۳۲ تک عدم انحراف کے لئے جتنا طول درکار ہے ہندوستان
میں اس طول و عرض پر آبادی نہیں۔ ۳۲°۔ ۳۲ سے ۲۸° تک جتنے
بلاد کثیرہ ہیں ان میں کسی کا قبلہ مغربی، جنوبی، کسی کا خاص نقطۂ مغرب
کی طرف۔

ارباب فکرو دانش سے التجا ہے، امام احمد رضا فاضل بریلوی کے مندرجہ بالا اقتباسات کا گہری نظر سے مطالعہ کریں۔ اور بتائیں کہ یہ عمل تعمیم نہیں تو پھر کیا ہے۔ اس عمل تعمیم سے امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اہل علم اور ارباب فکر دانش میں یہ قوت لانے کی کوشش کی ہے کہ وہ اخذ نتائج اور کسی مسئلہ کے عارضی حل کی کوشش کریں اور بتائیں کہ ان اقتباسات کی روشنی میں کس علاقہ کا سمت قبلہ کیا ہے؟ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کو علوم ہندسہ میں کس قدر مہارت تھی اور اس فن میں کس قدر درک رکھتے ہیں۔

(۷) تعمیمات کا انطباق

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جن مقدمات عشرہ وضاحت کی اور جس کا میں گذشتہ صفحات میں ذکر کر چکا ہوں ان سے جو تعمیم سمجھ میں آتی ہے اس تعمیم کا انطباق روز مرہ اور سماجی زندگی میں کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کے سامنے اگر کوئی خبر آئے تو آپ یقین کر سکتے ہیں کہ یہ خبر کس قسم کی ہے؟ اور مخبر کی حالت کیسی ہے؟

نیز ہر نئی چیز جو آپ کے استعمال میں آئے۔ اس کے بارے میں آپ مقدمات عشرہ کے توسط سے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا اس کا استعمال جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اس میں شرعی قباحت ہے یا نہیں؟ اسی طرح امام احمد رضا فاضل بریلوی نے سمت قبلہ سے متعلق جو تحقیق کی ہے اس تحقیق سے جو تعمیم سامنے آئی ہے اس کی روشنی میں آپ اپنے قرب وجوار، اور قریبی علاقوں کے بارے میں فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ہمارا قبلہ کہاں ہے اور اس کی سمت کیا ہے؟

امام احمد رضا اس تعمیم کا انطباق کرتے ہوئے خاص شہر علی گڈھ کے سمت قبلہ کی وضاحت فرمالے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

> علم ہیئات میں ادراک سمت قبلہ کے دو طریقے ہیں۔ ایک تقریبی کہ عامہ کتب متداولہ میں مذکور دوسرا تحقیقی کہ زیجات میں مسطور یہاں سے واضح کہ یہ حضرات ان دونوں سے مجبور اگر وہ طریقہ تقریبی جانتے ان پر معترض نہ ہوتے کہ اس کی رو سے سمتِ قبلہ علی گڈھ نکالیں تو ضرور قطب شمالی شانہ راست سے جانب پشت ہی پھرا رہے گا کہ اس طریقہ پر علی گڈھ کا خط نقطۂ مغرب سے ساڑھے دس درجہ جانب جنوب جھکا ہوا ہے ظاہر ہے کہ نقطۂ مغرب کی طرف منہ کرتے تو قطب محاذات شانہ پر رہتا اب کہ مغرب سے دس درجہ جنوب کو پھرے قطب ضرور جانب پشت میلان کریگا۔

اس اقتباس سے اندازہ ہوا کہ شہر علی گڈھ کی عیدگاہ اپنی سمت قبلہ میں بنی ہوئی ہے اس کے متعلق نئی روشنی والوں کے قیاسات غلط اور نرے فاسد ہیں۔ امام احمد رضا نے اپنے

فتاویٰ میں علوم ہندسہ کے ذریعہ شہر علی گڈھ کا قبلہ نکالا ہے اور اس کی سمت کا تعین فرمایا ہے آپ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم کا مطالعہ کر کے اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں ظاہر ہے تعیم کا انطباق ہے اور اس عمل انطباق سے امام احمد رضا نے مسائل کے سوال کا جواب دیا ہے۔ جن لوگوں نے اپنے علوم جدیدہ اور کئی معلومات کی رو سے عیدگاہ کے سمت قبلہ کے بارے میں شوشہ چھوڑا۔ امام احمد رضا نے ان لوگوں کی سخت تنقید کی ہے اور ان کی معلومات کو اپنی تحقیقات و تدقیقات کی تیز و تند ہواؤں میں خس و خاشاک کی طرح اڑا دیا ہے جو ارباب دانش و بینش سے مخفی نہیں۔ اس مضمون کے مطالعہ سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ امام احمد رضا اپنے فتاویٰ، مضامین، رسائل اور کتابوں میں سائنٹیفک طریقہ سے کام لیتے ہیں اور اس طریقہ کے کل مراحل سے عبور کر کے ہی اپنے مدعا کو ثابت کرتے ہیں جو اس طریقہ کو مد نظر رکھتے ہوئے بحث و تمحیص کرتا ہے۔ ظاہر ہے اس کا انداز فکر سائنٹیفک ہوگا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کا انداز فکر سائنٹیفک تھا اور وہ کھلی ذہنیت رکھتے تھے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں ان کا یہی رویہ تھا۔ یہ رویہ محض رویہ نہیں، بلکہ مثبت اور تعمیری رویہ ہے اس سے نہ صرف انہیں پورے سماج، پورے معاشرہ کو فائدہ ہوا۔ اور آج بھی ہو رہا ہے انشاءاللہ آئندہ بھی ہوگا۔

شارب ردولوی سے ایک گذارش

جناب والا!

آپ نے اپنی کتاب "جدید تنقید اصول و نظریات" امام احمد رضا کی تحریک کو صرف

وہابی تحریک کا ردعمل قرار دے کر آپ پہلو تہی کر گئے۔ آپ سے گذارش ہے کہ امام احمد رضا کی تعلیمات ونظریات کا مطالعہ کریں ان میں سائنٹیفک انداز فکر، منطقیانہ بحث وتمحیص، فلسفیانہ گہرائی وگیرائی ملے گی۔ ساتھ ساتھ علوم جدیدہ کے جلوے بھی دکھائی دیں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ امام احمد رضا ایک تحریک اور ایک مشن لیکر اٹھے تھے۔ یہ تحریک زندگی، سماج کے لئے مفید ہی نہیں مفید تر تھی اور آج بھی ہے مگر شرط یہ ہے کہ انصاف ودیانت سے کام لیجئے اور تعصب کو دور چھوڑیئے تو آپ محسوس کریں گے کہ :۔

امام احمد رضا اس مایۂ ناز شخصیت کا نام ہے جس سے قوم وملت کی آبرو قائم ہے اور علم وفن کا وقار بلند تر ہے جس نے عشق ومحبت کی داستاں کو دور دور تک پہنچایا اور اپنے علم وفن ، تحقیق وتدقیق سے بڑے بڑے سائنس والوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔

امام احمد رضا کی دیدۂ بینا سے نکلی ہوئی شعاعیں بہت دور تک پھیلیں اور کائنات میں پھیل گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے علم وفن کا چرچا عام ہے ہر طرف ان کی شخصیت، علمیت، قابلیت اور لیاقت پر تحقیقی مقالے لکھے جا رہے ہیں۔ کتابیں تصنیف ہو رہی ہیں۔

ایسی نامور اور پاکباز ہستی بار بار جنم نہیں لیتی ہے بلکہ ہزاروں

سال بعد جب جب دنیا کو ضرورت پیش آتی ہے تو منصۂ شہود
پر جلوہ گر ہوتی ہے، وہ اپنے ساتھ ایک مقصد اور ایک تحریک لیکر
آتی ہے جس کی تکمیل کے لئے پوری زندگی کوشش کرتی ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی بھی ایک مقصد اور نصب العین کے پیشِ نظر اس خاکدانِ گیتی میں تشریف لائے تھے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ۱۸۵۷ء سے قبل اپنے اور بیگانے اسلام کے تئیں کچھ غلط نظریات ترتیب دے رہے تھے، عشق و محبت کے خلاف محاذ آرائی کی جا رہی تھی۔ ایمان و ایقان کی عمارتوں میں شگاف ڈالنے کی کوششیں جاری تھیں۔ خانقاہوں کے تقدس کو پائمال کیا جا رہا تھا، اخلاق، کردار میں فساد پیدا کئے جا رہے تھے سماج اور معاشرہ کو گھن کی طرح چاٹنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اس قسم کی غلط کوششیں ہر طرف سے کی جا رہی تھی اور ۱۸۵۷ء کے بعد تو مسلمانوں کی صورتِ حال دگرگوں تھی۔ لوگوں کے حوصلے پست تھے اور زندگی کی نمود قریب مٹ چکی تھی۔

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے اس کا دفاع کیا۔ مسلمانوں میں عزم و حوصلہ اور ولولہ و امنگ کی صور پھونک دی۔ عشق اور ناموس رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کا تحفظ کیا۔ سماج و معاشرہ کی بقاء کے لئے اپنے قلم کا استعمال فرمایا۔ وہ صلیبی قوم جو مسلمانوں اور اسلام پر حملے کر رہی تھی اس کا زبردست اور دنداں شکن جواب دیا۔

شارب صاحب ! نظر اٹھا کر دیکھئے۔ کون ہے؟ جو امام احمد رضا کا مقابلہ کر سکے۔

سر سیّد کو لیجئے۔ تو وہ انگریزوں کے روبرو قدموں پر گر گئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد گاندھی کے سامنے اپنی چمک دمک کھو بیٹھے۔ مولانا عبدالباری صاحب بھی پھسل گئے۔ مولانا عبدالماجد تو بہت دور تک بہکے، اور ایرے غیرے کی حیثیت ہی کیا ہے؟ لیکن امام احمد رضا اپنی جگہ قائم رہے۔ ہزاروں طوفان اُٹھے اور ختم ہو گئے۔ آندھیاں چلیں، مگر ان کا چراغ جلتا رہا اور آج بھی جل رہا ہے۔

امام احمد رضا

زندہ آباد ═══ پائندہ آباد

وادی رضا کی کوہِ ہمالہ رضا کا ہے،
جس سمت دیکھئے وہ علاقہ رضا کا ہے

اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللہ

امام احمد رضا

اور

عبد الرزاق ملیح آبادی

از: ـــــ محمد نوشاد عالم چشتی

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی (۱۴-۶-۱۸۵۶ء تا ۲۸-۱۱-۱۹۲۱ء) مسلمانانِ برصغیر کے غالب سُنی اکثریت کے نزدیک "امام اہل سنت" ہیں تو محی الدین ابو الکلام آزاد بھی اپنے حلقے میں "امام الہند" کے لقب سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ فاضل بریلوی پر سواد اعظم اہل سنت و جماعت کی اکثریت نے اپنے اعتماد کا اظہار کیا، تو آزاد صاحب کو "قوم پرست" مسلمانوں کے قلیل طبقہ نے اپنا رہنما تسلیم کیا۔ اگرچہ

مسلمانوں کی رہنمائی کرنے والوں کی صف میں فاضل بریلوی کے علاوہ آزاد صاحب بھی شامل ہیں مگر ان دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ فاضل بریلوی کے نزدیک مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل احکامِ شریعت پر کارفرما ہونا، قرآن و سنت کی تشریحات کو ہمیشہ کے لئے قابلِ عمل تسلیم کرنا اور رسالت مآب علیہ السّلام سے جذباتی وابستگی ہے۔ فاضل بریلوی ارشاد فرماتے ہیں : ؎

جو تیرے در سے یار پھرتے ہیں
دربدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

یا ؎ ٹھوکریں کھاتے پھروگے ان کے در پہ پڑ رہو
قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا (فاضل بریلوی)

لیکن اس کے برعکس مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کا کہنا ہے :۔

"حدیث انسانی سوسائٹی کے لئے قانون کا سوتا (Law of sorce) نہیں ہو سکتی۔ عالمگیر ہدایت کا ضامن قرآن ہے، اور قرآن معدودے چند قوانین کا حامل ہے۔ یہ اس لئے کہ کوئی بھی قانون اختلاف ازمنہ و حالات کی وجہ سے ساری دنیا پر نہ نافذ ہو سکتا ہے، نہ مفید ہو سکتا ہے۔ دراصل شریعت کی اساس جلبِ مفاسد پر ہے۔" [1]

۱:۔ ابوالکلام آزاد ایک ہمہ گیر شخصیت۔ مرتبہ رشید الدین خاں۔ اشاعت اول ۱۹۸۹ء ناشر ترقی اردو بیورو نئی دہلی صفحہ ۸۶۔

مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

" میں مسلمانوں سے خاص طور پر دو باتیں کہوں گا۔ ایک یہ کہ " اپنے ہندو بھائیوں " کے ساتھ پوری طرح متفق رہیں۔ اگر ان میں سے کسی " ایک بھائی " یا کہ " ایک جماعت " سے کوئی بات نادانی کی بھی ہو جائے تو اسے بخش دیں ۔ اور اپنی جانب سے کوئی بات ایسی نہ کریں جس سے اس مبارک اتحاد کو صدمہ پہنچے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ " مہاتما گاندھی " پر پوری طرح اعتماد رکھیں اور جب تک وہ کوئی " ایسی بات نہ چاہیں جو اسلام کے خلاف ہو " اس وقت تک پوری سچائی اور مضبوطی سے ان کے مشوروں پر کاربند رہیں ۔ " ۲

" مسلمان گاندھی جی کے مشوروں پر کاربند رہیں " ، جیسی نصیحت دینے والے آزاد صاحب کو " اسلامی بصیرت " حاصل ہونے کا بھی دعویٰ ہے ۔ ایک جلسۂ عام کو خطاب کرتے ہوئے کہا :-

" میں بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے جسے خدا کے فضل سے شریعتِ اسلامی کی کچھ بصیرت دی گئی ہے ، کہتا ہوں ایک مسلمان پر حبِ وطن کے لحاظ سے مذہب کے اعتبار

---

۲ : بیس بڑے مسلمان ۔ مرتبہ عبد الرشید ارشد ۔ اشاعت چہارم ۱۹۸۳ء ناشر مکتبہ رشیدیہ لاہور پاکستان ۔ ص ۷۳۲ ۔

سے، اخلاق کے لحاظ سے فرض ہے کہ " ترک موالات کرے"۔ [1]

اول الذکر حوالے کی عبارت پر غور تو کریں کہ کس طرح آزاد صاحب نے لفظی کا سہارا لے کر حدیث و قرآن کی اساسی حیثیت پر ہاتھ صاف کر دیا ہے۔ " حدیث انسانی سوسائٹی کے لیے قانون کا سوتا نہیں ہو سکتی۔" اس عبارت کی معنویت پر سوچیں کہ اس میں کون سا جذبہ کارفرما ہے۔ اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ اسلامی قوانین کے ماخذ ہی قرآن، حدیث، اجماع، اور قیاس ہیں، جس میں بنیادی اہمیت قرآن و حدیث کو حاصل ہے۔ اگر یہی بات کوئی کھلا کافر یا مستشرق کہتا تو یقیناً اس کی مخالفت میں "سارے کلمہ گو" حضرات چیخ چیخ کے آسمان سر پر اٹھا لیتے۔ لیکن آزاد صاحب جیسے "امام الہند" کی زبان کو کون پکڑے۔ آزاد صاحب اپنے والد ماجد مقتدائے اہل سنت حضرت علامہ خیر الدین صاحب علیہ الرحمۃ کی فکر سے منحرف ہو چکے تھے۔ لہذا آزاد صاحب کی اس فکری روش کے خلاف مقتدر علمائے اہل سنت نے صدائے احتجاج بلند کیا فاضل بریلوی نے بھی اس طرح کے "آزادانہ" قول، فعل پہ شرعی گرفت فرمائی۔ نتیجتاً آزاد صاحب کے معتمد خاص مولوی عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی، گروہی عصبیت سے متاثر ہو کر اپنی تصنیفات میں فاضل بریلوی پر نہایت سنگین قسم کے الزامات عائد کیے، جسے ذکر کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ قارئین کو ملیح آبادی صاحب کا تعارف زندگی حاصل ہو جائے۔ آزاد صاحب ملیح آبادی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں :۔

ا :۔ روزنامہ زمیندار لاہور، ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۰ء صـ۳ کالم ا۔

"مولوی عبدالرزاق صاحب کا وطن ملیح آباد (لکھنؤ) ہے۔ ابتدائی تعلیم دار العلوم ندوہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد قاہرہ (مصر) چلے گئے، اور مدرسۂ دعوۃ ارشاد میں داخل ہو گئے جسے شیخ سید رشید رضا صاحب ایڈیٹر المینار نے جاری کیا تھا تقریباً تین سال تک وہاں علوم ادبیہ اور تفسیر قرآن وغیرہ کی تحصیل کرتے رہے اور خود وہاں کے مصری طلبا پر اپنی ذوق علم اور طلب صادق سے بدرجہا فوقیت لے گئے۔ مصر سے قسطنطنیہ گئے، اور وہاں بھی مدت تک رہے۔ پھر ۱۹۱۸ء میں ہندوستان واپس آئے، اور اس وقت سے اب تک برابر علمی و قومی خدمات میں مشغول رہے۔ (چند سطر بعد)

دو سال ہوئے جب یہ مجھ سے ملے اور میں ان میں بہترین قابلیت علم و عمل نمایاں پائی۔ ملک کے ان مخصوص اہل علم نوجوانوں میں ہیں جن کی غیر معمولی قابلیتوں سے بہترین امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔ انہوں نے خدمت حق و دعوت کی راہ میں مجھ سے جو رشتہ رفاقت و اخوت جوڑا تھا وہ روز بروز قوی ہوتا گیا، اور ایک سچے رفیق اور بھائی کی طرح ان کی صداقت میرے دل کو جذب کرتی رہی۔ پچھلے دنوں جب مدرسہ جامع مسجد عربی کا افتتاح ہوا تو میں نے انہیں کلکتہ بلا لیا۔ اور انہیں کی سعی سے مدرسہ قائم ہوا۔" اھ

ملیح آبادی صاحب آزاد صاحب کی بارگاہ میں کتنے " نیازمند" تھے قارئین اُسے اس حوالے کی روشنی میں ملاحظہ کریں۔

" مولانا آزاد نے صحافت کے میدان میں قدم رکھنے کی دو اور کوشش کیں۔ ایک سنہ ۱۹۲۱ء میں جب انہوں نے (۲۳ ستمبر) کو ہفتہ وار " پیغام " جاری کیا، اور دوسری جب سنہ ۱۹۲۷ء میں (۱۰ جون کو) انہوں نے الہلال کو دوبارہ زندہ کرنا چاہا۔ دونوں کوششوں میں دشواری یہ حائل ہوئی کہ اب مولانا آزاد کے پاس صحافت کے لئے وقت نہیں رہ گیا تھا۔ وہ سیاست کے لئے وقف ہو چکے تھے۔ انہوں نے ان پرچوں کا انتظام اپنے دوست مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے سپرد کر دیا۔ " پیغام " کے ذریعہ " عدم تعاون " اور " خلافت تحریک " کے خیالات کی اشاعت ہوئی۔ اس پرچے میں اسلام کی بنیادی اصول پیش تو کئے گئے مگر اصلی توجہ سیاست حاضرہ پر تھی۔ الہلال بھی مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی ادارت میں شائع ہوا۔ [۲]

---

[۱]: ہفتہ وار پیغام۔ ۲ دسمبر ۱۹۲۱ء۔ مرتبہ ابو سلیمان شاہ جہاں پوری۔ ناشر ادارہ تصنیف و تحقیق۔ کراچی، ص۵۔

[۲]: ابوالکلام آزاد ایک ہمہ گیر شخصیت۔ مرتبہ رشید الدین خاں۔ اردو ترقی بیورو نئی دہلی۔ ص۹۳۔

آزاد صاحب کے "معتمد خاص" ملیح آبادی صاحب کس خیال و فکر کے حامی تھے اس کے متعلق جناب رشید الدین خاں صاحب کی رائے گرامی ملاحظہ کریں۔ لکھتے ہیں :۔

> "کمیونزم کو اسلام دشمن قرار دینے والوں کی صفوں میں مولانا (آزاد) کا شمار کسی وقت ہوا ہوگا۔ لیکن ۱۸۔۱۹۱۶ء کے درمیان الہلال (دورِ دوم) میں کمیونسٹ مینی فسٹو نے (مارکس وانیگلز) پہلی بار اردو کے الفاظ دیکھے، اور ہندوستانی زبانوں میں دوسری بار، مولانا (آزاد) نے نہ صرف اسے گوارا کر لیا، بلکہ ان کے دائیں بائیں بازو بردو اہل قلم اور "معتمد" نیاز مند تھے۔ دونوں کمیونسٹ خیال کے قاضی عبد الغفار، اور مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی۔ [۱]

وقت کے ساتھ ساتھ آزاد صاحب مسلمانوں کے "دینی رہنما" کم اور "سیاسی لیڈر" زیادہ ہو گئے تھے۔ عدم تعاون یعنی تحریک ترک موالات، تحریک خلافت اور تحریک ہجرت کے تعلق سے آزاد صاحب نے "سیاسی مفاد" کی تحفظ کے پیش نظر کچھ اس طرح کی بیان بازی کی جو قرآن و سنت کی تعلیمات سے یکسر مخالف تھے۔ فاضل بریلوی نے اس "آزادانہ قول و فعل" سے اختلاف کیا۔ آپ نے عوام کو اکابر اہل سنت کی تشریحات کی روشنی میں شرعی نقطۂ نظر سے آگاہ کیا۔ بس پھر کیا تھا ملیح آبادی صاحب اپنے ممدوح

---

[۱] ابوالکلام آزاد ایک ہمہ گیر شخصیت۔ مرتبہ رشید الدین خاں۔ اردو ترقی بیورو نئی دہلی۔ ص ۲۷۳

آزاد صاحب کی حمایت میں فاضل بریلوی پر الزام تراشی اور بہتان بازی کا ایک سلسلہ جاری کر دیا۔ ملیح آبادی صاحب کے چند لوازشات ملاحظہ کریں :۔

(۱) ملیح آبادی صاحب اپنی مرتب کردہ تصنیف " آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی " میں آزاد صاحب کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں ۔

" غالباً ۱۹۰۱ئہ کی بات ہے کہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی اُن (والد صاحب) سے ملنے کے لئے کلکتہ آئے، جن سے انکے برابر کے تعلقات رہے تھے اور بارہا ہم لوگوں سے کہا تھا کہ یہ شخص بلاشبہ صحیح الاعتقاد ہے۔ لیکن بدقسمتی سے وہ اپنے ساتھ بعض اپنی تصانیف لائے، اور چونکہ شیخ احمد دحلان، والد کے خاص دوست تھے۔ اس لئے انہوں نے خاص طور پر اپنا ایک رسالہ دیا جو اُن (شیخ احمد دحلان) کے ردّ میں لکھا تھا اور اس میں " عدم ایمان ابوین آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور " ایمان ابوطالب " پر زور دیا تھا ۔

چنانچہ اس پر کچھ دیر تک والد نے اُن (فاضل بریلوی) کا ایسا تعاقب کیا کہ وہ ہکّا بکّا رہ گئے، اور خاموش چلے گئے ۔ جانے کے بعد ہم سے کہا کہ اس شخص کے عقیدے میں بھی فتور ہے ۔ البتہ علمائے حال میں مولانا عبد القادر بدایونی (رحمۃ اللہ علیہ) کی تعریف کرتے اور ان کی " حنفیت " پر معترض نہ تھے ۔ اھ

(۲) ملیح آبادی صاحب "ذکر آزاد" نامی کتاب میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

" بریلی امام احمد رضا خاں کا گڑھ تھا، اور وہ وہاں کے گویا بے تاج بادشاہ تھے۔ انہیں کا حکم چلتا تھا اور وہ خلافت تحریک اور ہر اس تحریک کے جانی دشمن تھے جو انگریزی راج کے خلاف ہو ۔[۲]

(۳) فاضل بریلوی کے متعلق مزید لکھتے ہیں :۔

یاد رہے مولانا احمد رضا خاں صاحب اپنے سوا اور اپنے معتقدین کے سوا دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بلکہ ابو جہل و ابولہب سے بڑھ کر اکفر سمجھتے تھے ۔[۳]

عبدالرزاق ملیح آبادی صاحب کی طرف سے اعلیٰ حضرت کی ذات پر لگائے گئے بہت سارے الزامات میں سے میں نے صرف تین الزامات پر گفتگو کرنی چاہی ہے۔ جو میرے نزدیک نہایت سنگین اہمیت کے حامل تھے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ :۔

(الف) فاضل بریلوی (معاذ اللہ) ایمان ابوین مصطفےٰ صلے اللہ

---

[۱] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ۔ مرتبہ عبدالرزاق ملیح آبادی ۔ ناشر مکتبہ خلیل، راجپوت مارکیٹ لاہور۔ ص ۱۳۶ ۔

[۲] ذکر آزاد :۔ از عبدالرزاق ملیح آبادی ۔ طبع اول ۱۹۶۰ء ناشر دفتر آزاد ہند ساگر دت کلکتہ ۔ ہند ۔ ص ۲۰ ۔

[۳] ایضاً ص ۲۱ ۔

علیہ وسلم کے قائل نہیں تھے۔

(ب) فاضل بریلوی ایمان ابوطالب کے قائل تھے۔

(ج) فاضل بریلوی نے شیخ دحلان علیہ الرحمۃ کے خلاف کوئی کتاب لکھی تھی (جس کا ملیح آبادی صاحب نے کوئی نام نہیں بتایا)

(د) فاضل بریلوی بقول ملیح آبادی صاحب کے "تحریک خلافت تحریک ترک موالات اور تحریک ہجرت کے اس لئے مخالف تھے کہ انگریزوں کے مفاد میں نہ تھیں۔

(ہ) فاضل بریلوی اپنے اور اپنے معتقدین کے سوا تمام دنیا کے مسلمانوں کو (معاذاللہ ثم معاذاللہ) بقول ملیح آبادی صاحب کے کافر بلکہ ابوجہل سے بڑھ کر اکفر جانتے تھے۔

الا لعنۃ اللہ علی الکاذبین

(الف) ملیح آبادی صاحب کا یہ الزام کہ فاضل بریلوی نے شیخ الاسلام حضرت علامہ شیخ احمد دحلان علیہ الرحمۃ کے خلاف یا ان کے رد میں کوئی رسالہ لکھا یہ صریح کذب و جھوٹ پر مبنی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب فاضل بریلوی ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں اپنے والد علیہ الرحمۃ کے ساتھ حج کرنے گئے، اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے تو وہاں کے اکابر علماء کرام یعنی شیخ الاسلام حضرت علامہ سید احمد دحلان اور حضرت علامہ مولانا شیخ عبدالرحمٰن سراج، مفتی حنفیہ سے حدیث فقہ، اصول فقہ، اور تفسیر و دوسرے علوم کی سند حاصل کی۔ [1]

پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فاضل بریلوی جس سے سند حاصل کریں اُسی کے رد میں ۱۹۰۱ء کے اوائل میں کتاب لکھ کر اپنے استاد کے سلسلے کو مشکوک کر لیں اور حضرت مولانا خیر الدین صاحب علیہ الرحمۃ جس سے بقول آزاد صاحب فاضل بریلوی کے دیرینہ تعلقات تھے ان سے تعلقات خراب کر لیں۔ چند شواہد کی روشنی میں عقل "اس بات" کو حقیقتاً تسلیم نہیں کرتی۔

۱:۔ ملیح آبادی صاحب فرماتے ہیں کہ اُس رسالہ میں ایمان ابوطالب پر زور دیا تھا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ فاضل بریلوی نے ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں یعنی سند حاصل کرنے سے ایک سال پہلے ہی ایک رسالہ بنام معتبر الطالب فی شیون ابی طالب ۲؎ لکھا تھا جس میں آپ نے بڑے واضح دلائل سے ثابت کیا تھا کہ ابوطالب نے کفر پر وفات پائی۔

۲:۔ شیخ الاسلام سید احمد بن دحلان علیہ الرحمۃ کا انتقال تو ۱۹۰۱ء سے پہلے ہو چکا تھا۔ حوالہ ملاحظہ کریں۔

(الف) ھٰذا الکتاب الدرر السنیۃ فی الرد علی الوھابیۃ
العالم الاسلامی الجلیل احمد بن زینی دحلان مفتی

۱:۔ تذکرہ علمائے ہند۔ از رحمان علی مولوی، مترجم ایوب قادری۔ ناشر پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی۔ کراچی، ص ۹۸۔

۲:۔ فقیہہ اسلام:۔ از حسن رضا ڈاکٹر۔ ناشر ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی، پاکستان۔ ص ۲۰۳۔

الشافعی بمکۃ المکرمۃ وتوفی رحمۃ فیہا سنۃ

۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء م" ۳ے

ترجمہ :- یہ کتاب الدرر السنیۃ فی الرد علی الوھابیۃ عالم کبیر شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا سیدی احمد بن زینی دحلان کی تصنیف ہے۔ شیخ علیہ الرحمۃ کا وصال ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء میں ہوا۔

۳ :- فاضل بریلوی شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کا ذکر خیر اپنی تصنیف لطیف میں کس والہانہ انداز میں کیا ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل عبارتوں سے لگائیں۔ لکھتے ہیں:۔

(الف) "میں امن والے شہر مکہ مکرمہ کے شیخ العلماء محدث پختہ رائے والے فقیہہ مولانا سید احمد بن زین بن دحلان المکی (قدس سرہ المکی) سے راوی ہوں ۴ے

(ب) " امن والے شہر مکہ مکرمہ کے شیخ العلماء امام محدث فقیہہ امانتدار سیدنا المولوی سید احمد بن زین دحلان المکی (قدس سرہ المکی) وہ حضرت عثمان ومیاطی کی طرف سے مجاز ہیں" اے

---

۳ :- الدرر السنیہ - از احمد دحلان - شیخ الاسلام اشاعت ۱۹۸۶ء ناشر مکتبہ حقیقت کتبوی استنبول ترکی ٹائیٹل صفحہ۔

۴ :- الاجازات المتینیہ شمولہ رسائل رضویہ، مرتبہ عبدالحکیم اختر۔ علامہ، اشاعت اول ۱۹۷۶ء ص ۳۰۵ جلد ۲۔

ا :- ایضاً ص ۲۷۱

(ج)، فاضل جلیل کامل عقل مند شجرۂ فضیلت وعظمت کی شاخ صاحب علم وعرفان مولانا السید عبداللہ دحلان، جو علامہ کبیر" "امام شہیر" ہمارے آقا، ہمارے شیخ السید احمد بن زین دحلان کے برادر زادہ ہیں (اللہ تعالیٰ انہیں رحمت ورضا میں چھپائے) [۲]

فاضل بریلوی شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کو خود اپنے قلم سے ـــــــ پختہ رائے والے فقیہہ، امانت دار، امام شہیر، ہمارے آقا، ہمارے شیخ جیسے القابات سے مخاطب فرمایا ہے۔ پھر وہ شیخ علیہ الرحمۃ کا رد کس طرح کر سکتے ہیں۔

۴:۔ ملیح آبادی صاحب کا پھر یہ کہنا فاضل بریلوی نے اپنے رسالہ میں ابوطالب کے ایمان پر زور دیا تھا قطعی صحیح نہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے ہی عرض کیا کہ فاضل بریلوی شیخ الاسلام سے ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں سندِ حدیث پاک کی اجازت لینے سے ایک سال قبل ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں ہی عدم ایمان ابوطالب کے جواز میں رسالہ معتبر الطالب فی شیون ابی طالب رقم کر چکے تھے۔ اسی مسئلہ پر آپ کی دوسری تصنیف شرح المطالب فی مبحث ابی طالب ہے جس کی سنہ تصنیف ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء ہے اس رسالہ کو شیخ الاسلام کے انتقال پُر ملال کے ٹھیک ۱۲ سال بعد لکھا ہے جس کا دوسرا نام "اسلام ابی طالب" ہے۔ فاضل بریلوی وجہ تصنیف کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

"پہلے یہ سوال بدایوں سے آیا تھا جواب میں ایک موجز رسالہ

---

[۲] ایضاً ص ۱۳۱

چند ورق کا لکھا اور اس کا نام معتبر الطالب فی شیون ابی طالب رکھا۔ اب کہ دوبارہ احمد آباد سے سوال آیا اور بعض علمائے بمبئی نے بھی اس بارے میں توجہ خاص کا تقاضا فرمایا حسب حالت راہنہ و فرصت شرح و بسط کافی کو کام میں لایا اور اُسے اجمال اول کی شرح بنایا۔ نیز شرح مطالب و تسکین طالب میں بحمدہ تعالیٰ حافل و کامل پایا۔ لہٰذا شرح المطالب فی مبحث ابی طالب (۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء) اس کا نام رکھا اور یہی اس کی تو تاریخ آغاز و انجام"۔ ۳ے

ابوطالب کے متعلق ایک حدیث پاک کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :-

" اس حدیث جلیل سے واضح کہ ابوطالب نے وقت مرگ کلمۂ طیّبہ سے صاف انکار کر دیا اور ابوجہل لعین کے اغوا سے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد قبول نہ کیا۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی وعدہ فرمایا جب تک اللہ عز وجل مجھے منع نہ فرمائے گا میں تیرے لئے استغفار کروں گا۔ مولیٰ سبحانہ تعالےٰ نے یہ دونوں آیتیں اُتاریں اور اپنے حبیب صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو ابوطالب کے لئے استغفار سے منع کیا۔" ۴ے

۳ے اسلام ابی طالب ۔ از فاضل بریلوی اشاعت دوئم ۔ اکتوبر ۱۹۸۷ء ناشر مصلح الدین پبلی کیشنز، کراچی ص ۶ ۔

۴ے ایضاً ص ۱۲ ۔

اصل حقیقت:

علمائے اہل سنت "ایمان ابوطالب" کے مسئلے کو ضروریات دین سے شمار نہیں کرتے لیکن اس کے برعکس اس معاملے میں "روافض" نے اتنا غلو کیا ہے اس قدر جھوٹی روایتیں اور حدیثیں گڑھیں ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ اہل سنت کے اکثر محققین علماء کی اکثریت عدم ایمان ابوطالب کی قائل ہے۔ کچھ نے یہ مسئلہ ضروریات دین وضروریات مذہب اہل سنت سے نہ ہونے کی وجہ سے سکوت برتا اور خال خال محقق سنی علماء عظام نے جناب ابوطالب صاحب کی رسول اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمایت، محبت اور آپ کی شان میں شاندار مدحیہ نعتیہ اشعار کہنے کے پیش نظر آخری وقت میں ایمان لانے کے قائل بھی ہوئے ہیں (ا۔ شیخ الاسلام والمسلمین سیدی وسندی محبوب الٰہی حضرت سیّد نظام الدین رضی اللہ تعالیٰ فریدی چشتی اور محقق علی الاطلاق شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی قادری نقشبندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی نظریہ کے قائل ہیں۔ محمد نوشاد عالم چشتی)۔ انہیں عوامل کے پیش نظر شیخ الاسلام حضرت مفتی دحلان علیہ الرحمۃ نے بھی ایک کتاب بنام "اسنی المطالب" لکھی ہے جس میں شیخ علیہ الرحمۃ نے جناب ابوطالب صاحب کے آخری وقت میں ایمان قبول کرنے کا اثبات کیا ہے۔ یہ کتاب مجھے ابھی تک دستیاب نہ ہوسکی ورنہ چند "اقتباسات" اس سے بھی پیش کرتا۔ حضرت شیخ نے اس مسئلہ پر اپنا رسالہ ظاہر ہے کہ اپنے وصال ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء سے قبل ہی لکھا ہوگا اور اعلیٰ حضرت سے ان کی پہلی ملاقات مکۃ المکرمہ میں ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۸ء میں جب پہلی بار حج کرنے گئے تو ہوئی اور اسی وقت ان سے تعارف بھی ہوا۔ جبکہ اعلیٰ حضرت" عدم ایمان ابوطالب کے جواز" میں سنہ ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء میں ہی ایک رسالہ لکھ چکے تھے۔ لہٰذا ملیح آبادی صاحب

کا یہ کہنا کہ فاضل بریلوی نے حضرت شیخ کے رد میں رسالہ لکھا بات سمجھ میں نہیں آئی۔ رہ گئی بات دوسرے رسالہ کی جو آپ نے حضرت شیخ کے وصال کے بارہ[12] سال بعد لکھا ہے وہ بھی ایک استفتاء کا جواب ہے نہ کہ کسی کا رد۔ پوری کتاب پڑھ جائیے آپ کہیں اس میں حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے نام حوالہ پائیں گے اور نہ ان کی ذات کی طرف ادنیٰ اشارہ۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا قارئین خود مطالعہ کر کے دیکھ لیں۔

اس ضمن میں ایک بات اور عرض کرنا چاہوں گا کہ حضرت شیخ فاضل بریلوی کے اساتذہ میں شامل ہیں اور شاگرد کا اپنے استاذ مکرم سے علمی انداز میں احترام کے دائرے میں رہ کر اختلاف کرنے کو اہل علم کے یہاں "رد" سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔ جس کی واضح مثال امام اعظم علیہ الرحمۃ سے آپ کے شاگردان رشید رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا "اختلاف" ہے جسے دنیا کا کوئی بھی بڑا سے بڑا نقاد رد سے تعبیر نہیں کر سکتا۔ فاضل بریلوی کے نزدیک بھی یہ مسئلہ کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں ہے جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں:۔

"ابوطالب کے باب میں اگرچہ قول حق وصواب وہی کفر وعذاب اور اس کے خلاف شاذ ومردود باطل ومطرود۔ پھر بھی اس حد کا نہیں کہ معاذ اللہ "خلاف پر تکفیر" کا احتمال ہو۔[1]

لہٰذا بلا کسی خاص وجہ اور قرائن کے اس رسالہ کو حضرت شیخ کے رد میں شامل کرنا اور فاضل بریلوی کو ابوطالب کے ایمان کا قائل کہنا بلا شبہ آپ پر بہتان اور آپ کی شخصیت کو مسخ کرنے کی مترادف ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

---

[1] ایضاً۔ ص ۶۶

نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے والدین گرامی کے ایمان کے متعلق فاضل بریلوی ہمیشہ جواز کے قائل رہے ہیں۔ ان حضرات القدس کے ایمان کے متعلق آپ نے کبھی بھی "عدم جواز کا فتویٰ نہیں دیا، بلکہ اثبات ایمان کیا ہے۔ ثبوت ملاحظہ کریں۔ فاضل بریلوی سے پوچھا گیا کہ :۔

" بیان کیا جاتا ہے کہ شب معراج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے والدین (رضی اللہ عنہما) کا عذاب دکھایا گیا اور ارشاد باری ہوا کہ اے محبوب! یا ماں باپ کو بخشوا لے یا اُمت کو۔ آپ نے ماں باپ کو چھوڑا اور امت اختیار کی۔ صحیح ہے یا نہیں "۔؟

جواب دیا کہ :۔

" محض جھوٹ افترا اور کذب و بہتان ہے۔ اللہ و رسول پر افترا کرنے والے فلاح نہیں پاتے جل وعلیٰ، صلی اللہ علیہ وسلم۔ واللہ تعالیٰ اعلم "۔ [1]

آپ سے ایک اور سوال کیا کہ :۔

" کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عبداللہ بن، عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف، چاروں پشت پر فاتحہ و درود پڑھنا چاہیے یا نہیں "؟

---

[1] احکام شریعت۔ از فاضل بریلوی سنہ ندارد ناشر مدینہ پبلی شینگ، کراچی پاکستان ص ۱۴۴ ـ ۱۴۵

جواب ارشاد فرماتے ہیں :۔

"ہمارے نزدیک صحیح و ترجیح یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اُمہات حضرت عبداللہ و حضرت آمنہ سے حضرت آدم علیہ السّلام و حضرت حوّا تک سب اہل توحید و اسلام و نجات ہیں۔ تو انہیں ایصال ثواب میں حرج نہیں۔ البتہ اختلاف علماء سے بچنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ ثواب نذر بارگاہ بیکس پناہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کرے اور حضور کے طفیل میں حضور کے علاقہ والوں کو" ۲؎

یہ تو رہی بات اعلیٰ حضرت کے مختصر فتاوے کی۔ اس مسئلے کی تفصیل فتاویٰ رضویہ کی ضخیم جلدوں میں ملاحظہ کریں۔ اب آئیے اس مسئلہ میں خاص ان کی ایک تصنیف کا ذکر ہو جائے جس کو فاضل بریلوی نے اسلام ابی طالب سے ایک سال قبل ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء میں لکھا۔ جس کا "شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام" ہے۔ یہ مجموعہ رسائل جلد اول میں شامل ہے۔ اس کے مرتب علامہ مفتی شجاعت علی قادری اپنے مقدمہ میں اس کتاب کے حوالے سے لکھتے ہیں :۔

"اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مستند حوالوں سے اس مسئلے کو واضح کیا ہے کہ آپ کے والدین مومن تھے اور نہ صرف مومن بلکہ صحابی تھے۔ وہ صحابی کیسے ہوئے، یقیناً آپ کے لئے یہ بات

۲؎ ایضاً۔ ص ۱۵۱ — ۱۵۲۔

حیرت انگیز ہو گی۔ لیکن جب آپ اعلیٰ حضرت کا رسالہ "شمول الاسلام"، ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کی یہ حیرت یقین حق میں تبدیل ہو جائے گی۔ ۳ے

اس رسالے میں فاضل بریلوی ابوین کریمین نبی علیہ السلام کے ایمان کے جواز میں سب سے پہلے قرآن کی آیت پیش کرتے ہیں پھر احادیث مبارکہ کی روشنی میں استدلال کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

"جب صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ ہر قرن و طبقے میں روئے زمین پر لا اقل (کم سے کم) سات بندگان مقبول ضرور رہے ہیں اور خود بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم جن سے پیدا ہوئے وہ لوگ ہر زمانے، ہر قرن میں خیار قرن سے، اور آیت قرآنیہ ناطق کہ کوئی کافر، اگرچہ کیسا ہی ہو، شریف القوم بالانسب ہو۔ کسی غلام مسلمان سے بھی خیر و بہتر نہیں ہو سکتا تو واجب ہوا کہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و امہات ہر قرن اور ہر طبقہ میں انہیں بندگان صالح و مقبول سے ہوں ورنہ معاذ اللہ صحیح بخاری میں ارشاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم و قرآن عظیم میں ارشاد حق جل و علا کے مخالف ہو گا ۱ے

۳ے شمول الاسلام۔ مشمولہ مجموعہ رسائل، مرتبہ شجاعت علی قادری مفتی۔ ناشر مدینہ پبلیشنگ کراچی ص ۷۹، جلد ۱۔ ——— ۱ے ایضاً ص ۸۴۔

مذکورہ بالا حوالجات سے پتہ چلا کہ :-

فاضلِ بریلوی از ولادت تا وصال ابوین مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو "مومن" صاحب نجات مانتے تھے آپ نے ان حضرات گرامی کے ایماندار ہونے کا فتویٰ دیا اور اس کے جواز میں رسالہ لکھا۔

فاضل بریلوی عدم ایمان ابوطالب کے قائل رہے۔ اس عنوان کے تحت آپ نے دو یادگار رسالہ تحریر فرمایا۔ لیکن "قائلینِ ایمان" کے تکفیر کرنے والوں سے متفق نہ تھے۔ کیونکہ محققین کے پیش نظریہ مسئلہ اختلافی ہے لیکن ضروریات دین یا مذہب اہل سنت سے نہ ہونے پر سبھی کا اتفاق ہے۔

فاضل بریلوی نے شیخ الاسلام سید شیخ دحلان علیہ الرحمۃ کے رد میں کوئی رسالہ نہیں لکھا یہ صرف آزاد صاحب اور ملیح آبادی صاحب کی ذہنی اختراع ہے۔ ڈاکٹر جمال الدین صاحب اقتباس کے متعلق لکھتے ہیں :-

"مجھے مولانا آزاد کے اس بیان کو بعینہٖ تسلیم کرنے میں کچھ تامل ہے کیوں کہ انہوں نے دو ایسے علمائے بدایوں کا بھی ذکر کیا ہے جن سے ان (آزاد) کے والد کو خاص تعلق تھا اور جنہیں وہ اپنا ہم عقیدہ تصور کرتے تھے، یعنی مولانا فضل رسول اور مولانا عبدالقادر، فاضل بریلوی کی طرح یہ دونوں بدایونی علماء بھی خانقاہ برکاتیہ مارہرہ کے متوسلین میں سے تھے۔ اور اس طرح برکاتی نسبت ان میں قدر مشترک تھی۔ علاوہ ازیں مولانا آزاد کا یہ بیان پڑھنے کے بعد کہ ان کے والد علمائے حال میں مولانا عبدالقادر بدایونی کی تعریف

کرتے اور ان کی حنفیت پر معترض نہ تھے پچھلے بیان کو تسلیم
کرنے میں پس و پیش ہوتا ہے، کیوں کہ انہیں مولانا عبد القادر
بدایونی کے صاحبزادہ مولانا عبد المقتدر بدایونی ہیں جنہوں نے
۱۹۰۰ء میں پٹنہ کے ایک عام جلسہ میں فاضل بریلوی کو مجدد
مائۃ حاضرہ" کا لقب دیا تھا۔ ظاہر ہے مولانا عبد المقتدر کو
فاضل بریلوی کی حنفیت پر پورا اعتماد رہا ہوگا۔ ے

فاضل بریلوی کا ہر قاری جس نے ان کی تصانیف سے کچھ تھوڑا سا بھی استفادہ کیا ہے یقیناً آزاد اور ملیح آبادی صاحبان کے اس بیان کو تسلیم کرنے میں تامل کریگا۔

(ب) ملیح آبادی صاحب فاضل بریلوی کے متعلق یہ کہہ کر کہ ـــــ" وہ خلافت تحریک اور ہر اس تحریک کے جانی دشمن تھے جو انگریزی راج کے خلاف ہو۔" انگریزوں کا ایجنٹ اور استعماری طاقتوں کے گماشتہ ہونے کا تاثر دیا ہے۔ جو انتہائی مذموم اور قابل مذمت فعل ہے ضخامت کے پیش نظر نہایت اختصار کے ساتھ چند شواہدات پیش خدمت ہیں۔

تاریخ سے واقف ہر فرد یہ بخوبی جانتا ہے کہ بریلی ہی وہ مقام ہے جہاں کے مجاہدین جنگ آزادی کے جوش و لولہ اور جذبۂ حریت کے سامنے فرنگیوں نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔ ساکنین بریلی کی غالب اکثریت مسلمانوں کی تھی، جنہوں نے بڑھ چڑھ کر میدان کارزار میں کشت خون کا بازار سرگرم رکھا۔ فرنگیوں سے نفرت بریلی کے عوام کے رگ و پے

ے مقالات (امام احمد رضا اور آزاد کے افکار) اشاعت اول ۱۹۹۱ء۔ مرتبہ و ناشر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا۔ کراچی۔ ص ۳۸۔

میں رچ بس گئی تھی۔ فاضلِ بریلوی انہیں عوام کے "بے تاج بادشاہ" تھے جس کا اعتراف ملیح آبادی صاحب کو بھی ہے۔ لیکن فاضلِ بریلوی انگریزوں کی مخالفت کے ساتھ ساتھ اہلِ ہند کی عیاری ومکاری سے بھی واقف تھے۔ لہٰذا آپ نے ان دونوں اسلام دشمن طاقتوں کی مخالفت کی۔ جب کہ آزاد صاحب اور ان کے حامی علماء اور متبعین عوام نے انگریزوں کی غلامی سے نکل کر اہلِ ہنود کے چنگل میں پھنسے جارہے تھے۔ جس کی مخالفت، اسلامی اقدار مسلم تشخص کی تحفظ کے لئے شرعی نقطۂ نگاہ سے وقت کی اشد ضرورت تھی۔ ورنہ مسلمان "ہندو مسلم" دوستی کے پردہ میں اپنا تشخص کھوتا جارہا تھا۔ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں حالات کی نزاکت کا احساس نہیں رہا۔ لیکن اس دور کے علمائے حق کے دلوں کی بے چینیاں اس اقتباس سے اندازہ کریں۔ سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمۃ (سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ لکھتے ہیں :-

"فدائیانِ وطن مسلم اور ہنود کے اتفاق واتحاد کا مقصد تو یہ تھا کہ اغراضِ سیاسی وملکی میں دونوں قومیں یک زبان ہوکر مطالبہ پیش کریں اور دونوں ہاتھ ایک بن کر انتظامات میں شریک ہوں۔ اس اتفاق کا یہ مطلب تو ہرگز نہ تھا۔ اور نہ ہرگز ہونا چاہئے کہ مسلمان مسلمان نہ رہیں اگر اس صدی کے مسلمانوں کے نزدیک ان کا دین ان کی (خود ساختہ) شاہراہ ترقی میں سنگ راہ ہے تو انہیں اس کا اختیار ہے کہ اس صراط مستقیم اور اس دین قدیم سے اپنے کو علیحدہ کرلیں اور جو مذہب انہیں دنیاوی متمتعات سے مالامال کردے اُسے اختیار کرلیں۔ لیکن اس کا انہیں اختیار نہیں کہ اپنے کو مسلم اور مومن کہہ کر "قوانینِ ایمان" اور شریعت اسلام میں اصلاحیں دیں اور ایک مذہب ممزوج اور ایک

دین مرکب ایجاد کریں۔ اس نئے دین سے وہ مقدس اسلام جسے آج سے چودہ سو برس قبل ہمارے پیغمبر روحی فدا لائے تھے۔ اپنی بیزاری ظاہر کرتا ہے اور مثل دیگر ادیان باطلہ اسے بھی ایک دین باطل کے لقب سے خطاب کرتا ہے۔

مسلمانو! ذرا انصاف سے کام لو تم نے مساجد کی کیسی بے حرمتی اپنے ہاتھوں سے کی ہے۔ کیا مسلمانوں کو یہ مسئلہ معلوم نہیں کہ نجس و ناپاک کا مسجد میں جانا شرعاً سخت ممنوع ہے۔ اہل ہنود کے مذہب میں بجز مسلمانوں کے وجود کے اور کوئی شئے نجس نہیں۔ علاوہ نجاست کفر و شرک کے وہ دیگر نجاست ظاہری سے آلودہ رہتے ہیں۔ انھیں تم مساجد میں لے گئے، منبر یا مقبرہ جو ساری مسجد کا ایک ممتاز مقام ہے اس پر تم نے ہنود کو جگہ دی۔ تبلیغ و ہدایت کے لئے ان سے مصر ہوئے۔ ذرا ایمان کو سامنے رکھ کر کہنا کہ منبر کس کی جگہ تھی؟ اور اس پر سے کس کی صدائیں تلقین و تبلیغ بلند ہوئی تھی۔ اور تم نے اس عظمت کو کس بے دردی سے پامال کیا۔ ہنود مساجد میں توحید کی آواز سننے اور مشرکانہ اعمال کی خطاری سمجھنے اور ہدایت پانے کے لئے اگر جاتے یا لے جائے جاتے تو سہو اور غلط کاری کا ایک بہانہ بھی تھا۔ لیکن خاص خانۂ خدا اور توحید کے مکان میں مبلّغ کی حیثیت سے ہنود کو سر بلندی بخشنا، اسی صدی کے مدعیان اسلام کا خاصہ ہے۔" [1]

---

[1]: الارشاد۔ از محمد سلیمان اشرف۔ پروفیسر اشاعت اول ۱۹۸۱ء ناشر مکتبہ رضویہ لاہور پاکستان۔ ص ۱۵۔ ۱۶۔

آپ نے جس اقتباس کی ورق گردانی کی ہے یقیناً یہ کسی تبصرہ کا محتاج نہیں ہے۔ لفظ لفظ اور حرف حرف سے حقیقت عیاں ہے اور عیاں کیوں نہ ہو کہ ادب معاشرہ کا آئینہ ہے آزاد صاحب کے حامی قلم کار عبد القوی صاحب لکھتے ہیں :۔

"۱۹۱۹ء آتے آتے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا اس قدر زور تھا کہ کلکتہ اور دہلی کے مسلمانوں نے غیر مسلموں کو بھی جلسوں میں شریک ہونے کے لئے "مسجدوں" میں آنے کی اجازت دے دی تھی۔ دہلی کے مسلمانوں نے شردھانند سے جامع مسجد میں تقریر کرائی۔ جس کے خلاف بعض اخبارات نے انگریزوں کے اشارے پر آواز اٹھائی۔ اس لئے کہ انہیں یہ اتحاد پسند نہ تھا" ۲ے شردھانند کون تھا اسے بھی جانئے بقول ایچ بی خان :۔ " شردھانند وہ ہی شخص ہے جسے مسلمانانِ ہند نے ہندو مسلم اتحاد کی خاطر ایک جلوس کی شکل میں جامع مسجد دہلی میں لے جاکر مسجد کے منبر پر چڑھا کر حاضرین کو خطاب کرنے کا غیر معمولی اعزاز بخشا تھا۔ لیکن تھوڑے عرصے کے بعد شردھانند نے "شدھی تحریک" شروع کردی۔ ۳ے

معلوم ہوا کہ :۔

اتقوا فراست المؤمن ینظر بنور اللہ ، مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ

۲ے : ابوالکلام آزاد۔ از عبد القوی دسنوی، اشاعت اول ۱۹۸۷ء ناشر ساہتیہ اکادمی نئی دہلی ص ۶۶۔

۳ے : برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار۔ از ایچ بی خان۔ اشاعت اول ۱۹۸۵ء ناشر قومی ادارہ برائے تحقیق و ثقافت اسلام آباد پاکستان۔ ص ۲۶۰

اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ ہوا وہی جو علمائے حق نے ارشاد فرمادیا تھا اور جس خدشے کا اظہار کردیا تھا لیکن باوجود اہل ہنود سے دھوکہ کھانے کے اپنی روش ابھی تک تبدیل نہیں کی گئی۔ تحاریک کے حوالے سے تفصیل میں نہ جاکر صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ فاضل بریلوی سلطنت عثمانیہ ترکیہ اور محترم سلطان عبدالحمید (خلد آشیانی) کے امداد کے خلاف ہرگز نہ تھے۔ عثمانی سلطنت بچانے کی حمایت میں جو تحریک بنام خلافت تحریک شروع کی گئی تھی۔ اس کی اعانت کے متعلق ایک استفتار کے جواب میں فاضل بریلوی ارشاد فرماتے ہیں :۔

"سلطنت عثمانیہ ایدہا اللہ تعالیٰ۔ نہ صرف عثمانیہ ہر سلطنت اسلام، نہ صرف سلطنت۔ ہر جماعت اسلام۔ نہ صرف جماعت۔ ہر فرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس میں قریشیت شرط ہونا کیا معنی۔ دل سے خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس میں قریشیت شرط ہونا کیا معنیٰ۔ دل سے خیر خواہی مطلقاً فرض عین ہے اور وقت حاجت دعا سے امداد و اعانت بھی ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس سے کوئی عاجز نہیں، اور مال یا اعمال سے اعانت فرض کفایہ ہے۔ اور ہر فرض بقدر قدرت۔ ہر حکم بقدر استطاعت۔ بادشاہ اسلام اگرچہ غیر قریشی ہو۔ اگرچہ کوئی غلام حبشی ہو۔ اور جائزہ میں اس کی اطاعت تمام اور وقت حاجت اس کی اعانت۔ بقدر استطاعت سب اہل کفایت پر لازم ہے۔ [1]

---

[1]: دوام العیش، از فاضل بریلوی اشاعت ۱۹۸۰ء ناشر مکتبہ قادریہ لاہور، پاکستان۔ ص ۴۶

اس کے علاوہ فاضل بریلوی کے نقطۂ نظر سے مزید آگاہی حاصل کرنے کے لئے آپ کی تصنیف "دوام العیش کے صفحہ ۴۱ - ۴۲ - ۴۶ - ۴۷ - ۵۵ - ۵۶ - ۹۴ - ۹۵ (مطبوعہ لاہور) کا مطالعہ کریں۔ فاضل بریلوی پر انگریز پرستی جیسے قبیح الزام کے متعلق پاکستان کے ایک نامور اور غیر جانب دار صحافی شوکت صدیقی کی رائے گرامی ملاحظہ کریں۔ لکھتے ہیں:۔

"ان (فاضل بریلوی) کے بارے میں وہابیوں کا یہ الزام کہ وہ انگریزوں کے پروردہ یا انگریز پرست تھے، نہایت گمراہ کن اور شر انگیز ہے۔ وہ انگریزوں اور ان کی حکومت کے اس قدر کٹر دشمن تھے کہ لفافہ پر ہمیشہ الٹا ٹکٹ لگاتے تھے اور برملا کہتے تھے "میں نے جارج پنجم کا سر نیچا کر دیا۔ انہوں نے زندگی بھر انگریزوں کی حکمرانی کو تسلیم نہیں۔ مشہور ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے کبھی عدالت میں حاضری نہ دی۔ ایک بار انہیں ایک مقدمہ کے سلسلے میں" عدالت میں طلب بھی کیا گیا، مگر انہوں نے توہین عدالت کے باوجود حاضری نہ دی اور یہ کہہ کر نہ دی "میں انگریزوں کی حکومت ہی کو جب تسلیم نہیں کرتا تو اس کے عدل و انصاف اور عدالت کو کیسے تسلیم کر لوں۔

مزید لکھتے ہیں:۔

مولانا احمد رضا خاں نہ کبھی انگریزوں کی حکومت سے وابستہ رہے نہ ان کی حمایت میں کوئی فتوی دیا۔ نہ اس بات کا کسی طور اظہار کیا۔ کم از کم میری نظر سے ان کی ایسی کوئی تحریر یا تقریر نہیں گذری۔ اگر ایسی کوئی بات سامنے آتی تو اس کا ضرور ذکر کرتا اس لئے کہ نہ میرا ان کے

مسلک سے تعلق ہے نہ ان کے خانوادے سے۔ ۵۲

تاریخی شواہدات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ حمایت انگریز کا الزام بھی محض افترا محض ہے مخالفین کے پاس اس کا کوئی ٹھوس اور ناقابل تردید ثبوت نہیں ورنہ آج تک ضرور شائع کر دیا جاتا۔ مخالفین بجائے مفروضہ کے اس ٹھوس ثبوت کا سہارا لیتے۔

(ج) فاضل بریلوی کے متعلق ملیح آبادی صاحب کا یہ لکھنا بھی کہ —— "یاد رہے مولانا احمد رضا خاں صاحب اپنے سوا اور اپنے معتقدین کے سوا دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بلکہ ابوجہل وابولہب سے بڑھ کر اکفر سمجھتے تھے"۔ تحقیقی اعتبار سے غلط ہے۔ فاضل بریلوی کا مسئلہ تکفیر کے متعلق کیا نقطہ نظر ہے ملاحظہ کریں۔ لکھتے ہیں :۔

"لزوم اور التزام میں فرق ہے۔ اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات، اور قائل کو کافر مان لینا اور بات ہے۔ ہم احتیاط برتیں گے۔ سکوت کریں گے۔ جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرنے سے ڈریں گے۔ ۵۱

تکفیر کے معاملے میں مخالفین فاضل بریلوی کی تالیف حسام الحرمین کو بہت زیادہ موضوع بحث بناتے ہیں۔ حالانکہ فاضل بریلوی نے اس میں کوئی بات اپنی طرف سے نہ کہہ کر چند عبارتوں کے قائلین کے بابت علماء حرمین شریفین سے استفتار کیا ہے ایسے اشخاص کی تعداد کل پانچ ہے جن کے متعلق حرمین شریفین کے علمائے کرام اور مفتیان عظام نے ان کفری عبارات کے بنا پر خارج از اسلام کا فتویٰ دیا ہے۔ ان کفریہ عبارات کا عکس جناب

---

۵۲ : جہان رضا۔ مرتبہ مرید احمد چشتی اشاعت اول ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء ناشر مرکزی مجلس رضا لاہور پاکستان ۲۱۳-۲۱۷

۵۱ : انوار رضا (مجموعہ مقالات)، بار دوم اگست ۱۹۸۶ء ناشر ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔ ص ۱۴-۱۵۔

مولانا منشا تابش قصوری کی تصنیف "دعوتِ فکر" میں ملاحظہ کریں۔ قارئین پہ مخفی نہ رہے کہ اب مخالفین نے جدید اشاعت میں اپنے اکابر کی عبارتوں میں ردوبدل کر دیا ہے۔ دین اسلام کے کسی ایک بھی مسلمہ اصول سے بغاوت کر کے کوئی اسلام کے دائرہ میں نہیں رہ سکتا۔ فاضل بریلوی کا اس طرح لکھنے والوں سے اصولی اختلاف تھا جس کا اعتراف مخالفین کے وکیل صفائی کا کردار ادا کرنے والے مولوی منظور ندوی صاحب نے بھی ان الفاظ میں کیا ہے۔

"شاید بہت سے لوگ ناواقفی سے یہ سمجھتے ہوں کہ میلاد، قیام، عرس وقوالی، فاتحہ، تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، برسی وغیرہ، رسوم کے جائز وناجائز اور بدعت وغیر بدعت ہونے کے بارے میں مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں جو نظریاتی اختلاف ہے یہی دراصل دیوبندی وبریلوی اختلاف ہے۔ مگر یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ مسلمانوں کے درمیان ان مسائل میں اختلاف تو اس وقت سے ہے، جب کہ دیوبند کا مدرسہ قائم بھی نہیں ہوا تھا۔ اور مولوی احمد رضا خاں صاحب ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے ان مسائل کے اختلاف کو دیوبندی، بریلوی اختلاف نہیں کہا جاسکتا۔ علاوہ ازیں ان مسائل کی حیثیت کسی فریق کے نزدیک بھی ایسی نہیں ہے کہ ان کے ماننے نہ ماننے کی وجہ سے کسی کو کافر یا اہل سنت سے خارج کہا جاسکے۔ ۲۵

۲۵: فیصلہ کن مناظرہ۔ از منظور احمد مولوی، اشاعت چہارم ۱۹۸۵ء ناشر دارالاشاعت سنبھل مراد آباد ص ۶،۵

دور حاضر کے مشہور محقق حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی نے بھی اس مسئلہ پر اہل سنت کا موقف ان الفاظ میں بیان کیا ہے ۔

"ان لوگوں کے ساتھ ہمارا اصولی اختلاف صرف ان عبارات کی وجہ سے ہے جن میں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم و محبوبان حق سبحانہ تعالیٰ کی شان میں صریح گستاخیاں کی ہیں باقی مسائل میں محض فروعی اختلاف ہے جس کی بنا پر جانبین میں سے کسی کی تکفیر و تضلیل نہیں کی جا سکتی ——— دیوبندی حضرات اور اہل سنت کے درمیان بنیادی اختلافات کا موجب علماء دیوبند کی صرف وہ عبارات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کھلی توہین کی گئی ہے۔" [1]

فاضل بریلوی گستاخانہ عبارتوں کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"ان لوگوں کی وہ کتابیں جن میں یہ کلمات کفریہ مدتوں سے انہوں نے خود اپنی زندگی میں چھاپ کر شائع کیں اور ان میں بعض دو دو بار چھپیں۔ مدتہا مدت سے علمائے اہل سنت نے ان کے رد چھاپے مواخذے کئے۔ وہ فتویٰ جس میں اللہ تعالیٰ کو صاف صاف کاذب جھوٹا مانا ہے اور جس کی اصل مہری دستخطی اس وقت محفوظ ہے ۔

---

[1] : الحق المبین ۔ از سید احمد سعید کاظمی ۔ محقق شیخ الحدیث ، سنہ ندارد ۔ ناشر مکتبہ فریدیہ ساہیوال پاکستان ۔ ص ۱۲ ـ ۱۳

اور اسکے فوٹو بھی لئے گئے جس میں سے ایک فوٹو علمائے حرمین شریفین کو دکھانے کے لئے مع دیگر کتب دشنامیاں گیا تھا سرکار مدینہ طیبہ میں بھی موجود ہے [۱] علمائے حرمین شریفین کے شرعی فیصلہ کو فاضل بریلوی کا ذاتی خیال گردانا کہاں کا انصاف ہے اور غلط پروپیگنڈے کی بنیاد پر فاضل بریلوی کی شخصیت کو مجروح کرنا کون سا ایمان کا خاصہ ہے ؟؟؟ حقیقت یہ ہے کہ مخالفین اعتقاد اہل سنت نے اپنی علمی و دینی شکست کا بدلہ سیاسی طور پر لینے کے لئے فاضل بریلوی کے خلاف ان کی زندگی میں ہی اس طرح کے پروپیگنڈہ شروع کر دیا تھا۔ چوں کہ عبد الرزاق ملیح آبادی نیز ایک "وہابی عالم اور کمیونسٹ صحافی تھے"۔ لہذا اپنے زیر اثر اخبارات و رسائل اور جرائد کے توسل سے اس "مہم" میں بھرپور حصہ لیا۔ اس کا احساس فاضل بریلوی کو بھی ہو گیا تھا اس لئے آپ لکھتے ہیں :۔

"ناچار عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے اُن پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کے فتوائے تکفیر کا کیا اعتبار ؟ یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں۔ ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔ اسماعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا، مولوی اسحاق صاحب کو کافر کہہ دیا، مولوی عبد الحی صاحب کو کافر کہہ دیا۔ پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوئی ہے وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کو کہہ دیا۔ شاہ ولی اللہ کو کہہ دیا۔ مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب کو کہہ دیا۔ پھر جو پورے ہی حدِ حیا سے اونچے

---

[۱]: تمہید الایمان۔ از فاضل بریلوی اشاعت جلد دوئم ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء ناشر بزم فکر و عمل کراچی پاکستان ص ۴۶

گذر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ العیاذ باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کافر کہہ دیا۔ غرض جسے جس کا زیادہ معتقد پایا اس کے سامنے اسی کا نام لے دیا کہ انہوں نے اُسے کافر کہہ دیا۔

یہاں تک ان میں کے بعض بزرگواروں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی مرحوم و مغفور سے جاکر خبر دی کہ معاذ اللہ، معاذ اللہ، معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین بن عربی قدس سرہٗ کو کافر کہہ دیا۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے، انہوں نے آیۃ کریمہ اِن جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا۔ پر عمل فرمایا۔ خط لکھ کر دریافت کیا، جس پر یہاں سے رسالہ "انجاء البری عن وسواس المفتری" لکھ کر ارسال ہوا، اور مولانا نے مفتری کذاب پر لاحول شریف کا تحفہ بھیجا۔ غرض ہمیشہ ایسے ہی افتراء اٹھایا کرتے ہیں۔ اس کا جواب وہ ہے جو تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔

انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون ؕ* بیشک جھوٹے افتراء وہی باندھتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے۔ اور فرماتا ہے

فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین ؕ** ہم اللہ کی لعنت ڈالیں جھوٹوں پر۔"

مسلمانان اہل سنت کو ہوشیار کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

---

* القرآن الکریم سورۃ النحل ۱۶۔ آیت ۱۰۵

** القرآن الکریم۔ سورۃ آل عمران ۳۔ آیت ۶۱۔

"مسلمانوں! اس فکر سخیف و کید ضعیف کا فیصلہ کچھ دشوار نہیں،
ان صاحبوں سے ثبوت مانگو کہ ——— کہدیا کہدیا فرماتے ہو۔ کچھ
ثبوت دکھاتے ہو؟؟ ——— کہاں کہہ دیا؟
——— کس کتاب کس رسالے ——— کس فتوے ——— کس پرچے
میں کہہ دیا؟ ——— ہاں! ہاں! ثبوت رکھتے ہو تو کس دن کے
لئے اٹھا رکھا ہے ——— دکھاؤ ——— اور نہیں دکھا سکتے ———
اور اللہ جانتا ہے کہ نہیں دکھا سکتے ——— تو دیکھو قرآن عظیم تمہارے
کذاب ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ مسلمانو! تمہارا رب عزوجل
فرماتا ہے:۔

فاذ لم یاتوا بالشھداء فاولئک عند اللہ ھم
الکاذبون۔ (یعنی) جب ثبوت نہیں لا سکیں تو اللہ کے نزدیک
وہی جھوٹے ہیں۔[1]

یقیناً فاضل بریلوی کے مخالفین کذب و خیانت سے کام لیتے ہیں۔ آج تک کوئی ثبوت بلا تحریف و خیانت کے فاضل بریلوی کی کسی بھی کتاب سے نہ لا سکے، جو ان کے الزام بہتان تراشی کی تصدیق کسی بھی جہت سے کرتا ہو۔ اسی لئے عبدالرزاق ملیح آبادی، الزام تراشی بہتان بازی کی تمام تر کوشش کے باوجود فاضل بریلوی کی شخصیت کو مجروح نہ کر سکے، تو آپ کی زندگی میں ہی آپ کو مردہ ثابت کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنا آخری حربہ استعمال

---

[1] ایضاً ص ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔

کرتے ہوئے فاضل بریلوی کے خلاف پروپیگنڈہ کو ایک نیا رخ دیتے ہیں۔ فاضل بریلوی کے خلیفہ سید سلیمان اشرف بہاری (صدر شعبۂ سنی دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ) اور جناب ابوالکلام آزاد کے درمیان ۱۲ تا ۱۴ رجب ۱۳۳۹ھ بمطابق ۲۲ تا ۲۴ مارچ ۱۹۲۱ء کو تحریکِ خلافت و ترک موالات وغیرہ سے متعلق بریلی میں جو علمی مباحثہ ہوا تھا، ملیح آبادی صاحب اس کی روداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"کلکتہ سے مولانا (آزاد) کے ساتھ میں بھی بریلی پہنچا۔ رات کو اجلاس تھا۔ مگر شام ہی سے خبریں آنے لگیں کہ کانفرنس نہیں ہو پائے گی۔" امام احمد رضا خاں تو بیشک مرحوم ہو چکے ہیں"۔ مگر ان کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں تو موجود ہیں۔ [1]

لیکن اس کے برعکس ملیح آبادی صاحب کے ممدوح آزاد صاحب فاضل بریلوی کے نام ایک مکتوب میں یوں رقم طراز ہیں :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بریلی ۱۳ رجب ۱۳۳۹ھ

بخدمت جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی دام مجدھم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ !

مسئلہ تحفظ و صیانتِ خلافتِ اسلامیہ، ترک موالات و اعانت اعدائے محاربینِ اسلام وغیرہ مسائل حاضرہ کی نسبت جناب کے اختلافات مشہور ہیں۔ چوں کہ جمعیت العلماء

---

[1] : ذکر آزاد۔ عبدالرزاق ملیح آبادی۔ ص ۱۲۲۔

کا جلسہ یہاں منعقد ہو رہا ہے، اور یہی مسائل اس میں زیر نظر اور بیان ہیں۔ اس لئے جناب کو توجہ دلاتا ہوں کہ رفع اختلافات اور مذاکرہ و نظر کا یہ مناسب و بہتر موقع پیدا ہو گیا ہے۔ جناب جلسہ میں تشریف لائیں اور ان مسائل کی نسبت بطریقِ اصحاب علم و فن گفتگو فرمائیں۔ میں ہر طرح عرض و گذارش کے لئے آمادہ و مستعد ہوں۔

فقیر ابو الکلام احمد کان اللہ لہ۔[۲۵]

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ فاضل بریلوی ۱۳ رجب ۱۳۳۹ھ / ۲۳ مارچ ۱۹۲۱ء تک باحیات ہیں۔ مگر ملیح آبادی صاحب کے بقول ۱۳ رجب ۱۳۳۹ھ / ۲۳ مارچ ۱۹۲۱ء سے پہلے ہی فاضل بریلوی احمد رضا خاں تو بیشک مرحوم ہو چکے ہیں۔ خدا جانے امام الہند نے اس مکتوب میں فاضل بریلوی کے روح کو مخاطب کیا ہے یا آپ کے جسد خاکی کو یا خود ہی عقل و ہوش کی دنیا سے بیگانہ ہو چکے تھے؟ جھوٹ کی اسی روش نے عبد الرزاق ملیح آبادی صاحب کو کئی جگہ آزاد صاحب سے متصادم کر دیا ہے۔ یہ وہ معمہ ہے جسے فاضل بریلوی کے مخالفین قیامت کی صبح تک بھی حل نہیں کر سکتے۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی اس تضاد پر نقد و جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> "امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا انتقال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو ہوا۔ یعنی وصال سے تقریباً ۷½ ساڑھے سات ماہ پیشتر سرزمین بریلی میں بیٹھ کر یہ رسوائے زمانہ تاریخ گڑھی گئی کہ "احمد رضا خاں تو بے شک مرحوم ہو چکے ہیں۔ مگر ان کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں

---

۲۵ مکاتیب ابو الکلام آزاد۔ مرتبہ ابو سلیمان شاہجہاں پوری۔ اشاعت ۱۹۸۶ء کراچی پاکستان ص ۱۶۱۔

تو موجود ہیں ـــــــ "زندہ درگور کرنا" شاید اسی کو کہتے ہیں اور یہی وہ "خدمات جلیلہ ہیں" جن کے صلے میں ایسے مؤرخین کو تاریخ دانی، بلند نظری اور روشن خیالی کے تمغہ جات پیش کیے جاتے ہیں، جو یقیناً ایک المیہ سے کم نہیں۔ اور اصحاب عدل و انصاف کی گردنیں اس پر شرم سے جھک جانی چاہئیں۔ ۳ے

مذکورہ بالا آزاد صاحب کے مکتوب سے متعلق ڈاکٹر مسعود صاحب لکھتے ہیں:۔

"جن کو تاریخ کا علم نہیں وہ ان کلمات سے گمراہ ہو سکتا ہے۔ مگر باخبر لوگ جانتے ہیں کہ امام احمد رضا کو نہ سلطنت ترکی کی مدد و اعانت سے انکار تھا، بلکہ ان کی جماعت رضائے مصطفےٰ نے خود اس کے لئے کوشش کی اور نہ وہ اسلام دشمنوں کے خیر خواہ تھے وہ انگریز اور ہندو دونوں کے بیک وقت مخالف تھے۔ اے

میں تو بساط ظرف سے خاموش تھا مگر
ساحل کا دل بھی موج کی شوخی سے کٹ گیا

جب ہم عبدالرزاق ملیح آبادی صاحب کے "حیات با برکات" کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایسے تواریخی شواہد ہمیں آسانی سے مل جاتے ہیں، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ فی الواقع عبدالرزاق صاحب

۳ے: امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات۔ از یسین اختر مصباحی۔ اشاعت اکتوبر ۱۹۸۵ء ناشر ادارۂ تصنیفات امام احمد رضا۔ کراچی۔ ص ۵۳۔ ۵۴۔

اے: گناہ بے گناہی۔ از محمد مسعود ڈاکٹر۔ اشاعت چہارم ناشر رضا اکیڈمی لاہور۔ ص ۵۷۔ ۵۸

فطرتاً انتہائی تشدد پسند اور افراط و تفریط کی حد سے گذر نے جانے والے واقع ہوئے تھے۔ حدِ اعتدال کو قائم رکھنا ان کے بس کی بات تھی ہی نہیں۔ اس لئے یہ جب کسی کی مخالفت کرتے ہیں تو اس کے انتہا کو پہنچ کر بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جس کی محبت میں ڈوب جاتے ہیں اس کے "کفریات" کو بھی عین اسلام ثابت کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ چوں کہ عبد الرزاق ملیح آبادی صاحب کمیونسٹ خیال سے بھی تعلق رکھتے تھے اور عقیدتاً وہابیت کے علمبردار بھی تھے۔ اسی لئے ملیح آبادی صاحب "ہم چنیں دیگرے نیست"، کی منزل پر فائز ہونے کے بعد میزان عدل اور جزا و سزا کے تصور سے ہی ماورائی ہو چکے تھے۔ مولوی غلام رسول مہر اور ملیح آبادی صاحب کے درمیان ایک مخاصمت کی تصفیہ کے لئے آزاد صاحب مہر صاحب کو لکھتے ہیں :-

"مولوی عبد الرزاق صاحب اس وقت نوجوانی کی حدود کے اندر ہیں، اس لئے طبیعت میں نوجوانی کی حرارتیں تیز ہیں۔ انہیں آپ سے شکایت ہے کہ آپ (یعنی غلام رسول مہر) نے ان کا ایک مضمون نقل کیا مگر ظاہر یہ کیا کہ نقل نہیں ہے۔ وہ صرف اتنی سی بات پر اس درجہ متاثر ہوئے کہ جب آپ کے "انقلاب" کا ذکر کرتا ہوں۔ جوش میں آجاتے ہیں۔ ہر چند، ان سے کہتا ہوں یہ اخبارات کے اخذ و نقل کی معمولی باتیں ہیں مگر وہ نہیں مانتے۔ چوں کہ "مشرب وہابیت" کی گرم جوشی میں وہ آپ کے خواجہ تاش ہیں اس لئے آپ دونوں معاملہ طے کر لیں ۲؎ ص۲۴"

۲؎ نقش آزاد۔ از غلام رسول مہر۔ مولوی اشاعت سوئم مئی ۱۹۶۸ء ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور پاکستان

ملیح آبادی صاحب کی اس افتادہ طبیعت سے ان کے بڑے آزاد ابو الکلام صاحب جب ٹکر نہ لے سکے اور انہوں نے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ معاملہ آپ دونوں طے کرلیں اور جہاں مہر صاحب جیسے "تاریخ ساز" کی بھی دال نہیں گل سکی تو وہاں ہما شما کی کیا حیثیت جو آنجناب کی شان میں لب کشائی کر سکے اسی لئے فاضل بریلوی بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

"ان بے دینوں کا تماشہ دیکھو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بدگویوں کی جو تکفیر ہوئی، اس پہ کیا کیا روتے ہیں۔ ہائے سارے جہاں کو کافر کہہ دیا (گویا جہاں انہیں ڈھائی نفروں سے عبارت ہے)۔ ہائے اسلام کا دائرہ تنگ کر دیا (گویا اسلام ان بے دینوں قافیہ کا نام ہے کہ ان کا قافیہ تنگ ہوا تو اسلام ہی کا دائرہ تنگ ہو گیا۔)

اور خود یہ حالت کہ اشقیاء نہ علماء کو چھوڑیں اور نہ اولیاء کو نہ صحابہ کو نہ مصطفےٰ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو نہ جناب کبریا (عزّ جلالہ) کو سب پر حکم کفر لگائیں اور خود بٹے کٹے، مسلمانوں کے بچے بنے رہیں۔ الا لعنۃ اللہ علی الظالمین خبر دار ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔ (القرآن الکریم)

آمین، آمین، آمین، ثم آمین بجاہ سید المرسلین [1]

آخری سطور کو سپرد قلم کرتے ہوئے مجھے اس کا اعتراف ہے کہ ضخامت کے پیش نظر میں

---

[1] خالص الاعتقاد۔ از فاضل بریلوی۔ اشاعت باب دوم ۱۹۹۰ء ناشر بزم فکر و عمل کراچی پاکستان ص ۵۱

نے بہت سارے اہم حوالجاتی اقتباسات سے قارئین کو روشناش نہیں کرا سکا اور نہ تو تاریخی حوالے سے نقد و نظر کی روشنی میں مکمل گفتگو کر سکا جس کا بنیادی سبب صرف اور صرف اختصار ہے۔ ورنہ میرے پاس فاضل بریلوی کی حمایت میں ٹھوس اور تاریخی دلائل کے انبار ہیں۔ راقم نے ملیح آبادی صاحب کے ان تینوں الزامات کے پس منظر میں ایک مبسوط مقالہ بنام " اتہامات عبدالرزاق ملیح آبادی پر ایک نظر" لکھا ہے جو کُل ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مقالے کو لاہور پاکستان کا موقر جریدہ ماہنامہ القول السدید (مدیر اعلیٰ محمد طفیل نقشبندی صاحب) نے ۵ قسطوں میں شائع کیا ہے ملاحظہ کریں، شمارہ اکتوبر ۱۹۹۴ء تا فروری ۱۹۹۵ء مقالے کی اہمیت کے پیش نظر رضا اکیڈمی لاہور نے ربیع الآخر ۱۴۱۵ھ / ستمبر ۱۹۹۴ء میں کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے۔

انشاء اللہ اس کی دوسری اشاعت عنقریب اہل علم کے تاثرات کے ساتھ ہندوستان سے ہوگی۔ برادرم محمد شہاب الدین رضوی ایڈیٹر ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف یوپی ہند کی فہائش اور خلوص نے مجھے مقالے کی تلخیص کرنے کا جذبہ عطا کیا ورنہ شاید میں اپنی گوناگوں مصروفیت کے باعث ایسا نہیں کر سکتا۔

اس میں لہو جلا ہو پاک ہمارا دل!
محفل میں کچھ چراغ فروزاں ہوئے تو ہیں

کتابیات۔ ماٰخذ و مراجع

ذیل کی ترتیب باعتبارِ حروف تہجی ہے۔

۱ القرآن الکریم — منزل من اللہ

۲ ابوسلیمان شاہ جہاں پوری۔ ادیب۔ — مکاتیب ابوالکلام آزاد مطبوعہ کراچی۔

۳ ابوالکلام آزاد۔ صحافی، امام الہند۔ — ہفتہ وار پیغام۔ جدید اشاعت کراچی۔

۴ سید احمد بن دحلان۔ مفتی شیخ الاسلام۔ — الدرر السنیہ، مطبوعہ استنبول ترکی۔

۵ سید احمد سعید کاظمی۔ علامہ شیخ الحدیث۔ — الحق المبین، مکتبہ فریدیہ ساہیوال پاکستان۔

۶ احمد رضا خاں فاضل بریلوی۔ امام۔ — اسلام ابی طالب۔ کراچی۔

۷ 〃 〃 〃 〃 〃 — احکام شریعت۔ 〃

۸ 〃 〃 〃 〃 〃 — الاجازات المتینہ لاہور

۹ 〃 〃 〃 〃 〃 — تمہید الایمان، کراچی

۱۰ 〃 〃 〃 〃 〃 — خالص الاعتقاد، 〃

۱۱ 〃 〃 〃 〃 〃 — دوام العیش، لاہور

۱۲ 〃 〃 〃 〃 〃 — شمول الاسلام، کراچی

۱۳ ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور پاکستان — انوار رضا (مجموعہ مقالات) لاہور، پاکستان۔

۱۴ ایچ۔ پی۔ خاں۔ ادیب — برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار اسلام آباد

۱۵	سید جمال الدین ۔ ڈاکٹر	امام احمد رضا اور آزاد کے افکار (مجموعہ مقالات) کراچی پاکستان
۱۶	حسن رضا خاں مظفرپوری سیتامڑھی	فقیہہ اسلام ۔ کراچی پاکستان ۔
۱۷	رشید الدین احمد خاں ۔ ادیب ۔	ابوالکلام آزاد ایک ہمہ گیر شخصیت ترقی اردو بیورو نئی دہلی
۱۸	ظفر علی خاں ۔ مولوی ۔ صحافی ۔	روزنامہ زمیندار ۔ لاہور
۱۹	عبد الرزاق ملیح آبادی ۔ مولوی صحافی	ذکر آزاد ۔ مطبوعہ کلکتہ بھارت ۔
۲۰	〃 〃 〃 〃	آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی ۔ مکتبہ خلیل لاہور ۔
۲۱	عبد القوی دسنوی ۔ ادیب ۔	ابوالکلام آزاد ۔ ساہتیہ اکادمی نئی دہلی بھارت
۲۲	عبد الرشید ارشد 〃	بیس بڑے مسلمان ۔ مطبوعہ لاہور پاکستان
۲۳	غلام رسول مہر ۔ مولوی ۔ صحافی ۔	نقش آزاد ۔ مطبوعہ لاہور ۔
۲۴	سید محمد سلیمان اشرف ۔ پروفیسر	الارشاد ۔ اشاعت اول پاکستان ۔ لاہور
۲۵	محمد مسعود احمد ۔ ڈاکٹر	گناہ بے گناہی ۔ لاہور ۔
۲۶	مرید احمد چشتی ۔ ادیب	جہان رضا ۔ لاہور ۔
۲۷	منظور احمد نعمانی ندوی ۔ مولوی	فیصلہ کن مناظرہ ۔ دارالاشاعت سنبھل بھارت ۔
۲۸	یٰسین اختر مصباحی ۔ مولانا ۔	امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات ، کراچی ۔

اردو میں مذہبی ادب کا

از قلم :
محمد امجد رضا خاں امجد، ایم اے، (ریسرچ اسکالر)
ڈائرکٹر ادارہ اصحاب قلم۔
پٹنہ

ڈاکٹر وزیر آغا نے لکھا ہے :۔

پچھلے دنوں ایک نجی محفل میں ایک بزرگ نقاد نے کسی تازہ کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ "میرے لئے اس کتاب کو پسند کرنا ناممکن ہے اس لئے کہ یہ تو میرے عقائد ہی کے خلاف ہے"۔ اور میں سوچنے لگا کہ ادب کی پرکھ کے سلسلے میں اگر عقیدہ کو کسوٹی مقرر کیا جائے تو اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے"۔

---

(۱) تنقید و احتساب :۔ ڈاکٹر وزیر آغا۔

مضمون کے اختتام پر لکھا ہے:

"اگر نقاد اپنے کسی عقیدے کے تحت ادب کو پرکھنے کی کوشش
کرے اور ہر اس ادب پارے کو گردن زنی قرار دے دے
جو اس کے عقیدے کے مطابق نہیں تو پھر ادب کا خدا
ہی حافظ ہے ۔"

بدقسمتی سے ہمارے مؤرخین و ناقدین بھی اردو ادب کی تاریخ مرتب کرتے وقت عصبیت کا شکار ہو گئے اور انہوں نے عقیدے کی عینک لگا کر اردو ادب کی تاریخ لکھی۔ اس سنگین جرم سے جہاں تحقیق و تنقید اور تاریخ نویسی کا دامن مجروح ہوا وہیں ہماری ادبی تاریخ بھی مشکوک ہو گئی۔ نتیجتہً تحقیقی اصول و ضوابط کی روشنی میں اب نئے سرے سے اردو کی ادبی تاریخ پر نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہے۔

اس مختصر مقالہ میں ان ہی مؤرخین کی اعراضی اور حقائق سے چشم پوشی کا تنقیدی جائزہ مقصود ہے جس کے سبب بہت سی محترم اور عبقری ہستیاں تاریخی اوراق سے اوجھل ہیں اور اردو کا دامن کتنے ہی علمی جواہر پاروں سے محروم ہے۔

فن کوئی بھی ہو اس کے مقتضیات کی پاسداری ضروری ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو فنکار کا وہ تخلیقی عمل گردن زنی ہوگا ______ تاریخ نویسی بھی ایک فن ہے، جو انصاف و دیانت کا متقاضی ہے اور یہ تقاضا اس وقت اور بھی شدید ہو جاتا ہے جب مؤرخ کے سامنے اس کے مخالف و حریف کی شخصیت ہوتی ہے اور اسے نفس کے ابھرتے جذبات کو دبا کر فنی اور اخلاقی قدروں کو بحال کرنا ہوتا ہے۔

اس محسوس حقیقت سے مجال انکار نہیں کہ اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام

کا اہم حصہ ہے۔ انہوں نے مذہب کی تبلیغ، مسلک کی ترویج اور مریدین کی تربیت کیلئے اردو کو وسیلہ بنایا تھا۔ اس طرح ضمنی طور پر اس زبان کو تقویت ملی اور اسے پھلنے پھولنے اور پنپنے کے خوب خوب مواقع میسر آئے۔ ڈاکٹر عبدالحق کے بقول۔

یہ بزرگ اس زبان کے ادیب و شاعر نہ تھے یا کم از کم ان کا مقصد اس زبان کی ترقی نہ تھی نہ اس کا انہیں کچھ خیال تھا۔ ان کی غایت ہدایت تھی لیکن ضمن میں خود بخود اس زبان کو فروغ ہوتا گیا، اور عہد بہ عہد نئے اضافے اور اصلاحیں ہوتی گئیں اور ان کی مثال نے دوسروں کی ہمت بڑھائی جس سے اس کے ادب میں نئی شان پیدا ہو گئی۔" (۲)

گویا ابتدا سے ۱۸۰۰ء تک اردو کے فروغ میں خالص مذہبی ادب کارفرما رہا۔ ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کی بنیاد پڑی جس سے اس زبان کے استحکام کے لئے خوشگوار فضاء میسر آئی۔ کالج سے باہر بھی نثری ادب عہد بہ عہد نئے منازل طے کرتا رہا۔ اس سلسلے میں دہلی کالج اور نثرِ غالب کے گہرے نقوش آج بھی تاریخ میں محفوظ ہیں۔ ان سہ طرفہ مساعی کا ردِ عمل یہ ہوا کہ ۱۸۲۵ء میں اردو سرکاری دفاتر کی زبان قرار دے دی گئی۔

جد و جہد کا یہ خوش آئند عمل برابر جاری رہا، اضافے اور تراشے ہوتے رہے، زبان کی ہیئت بدلتی رہی مگر مذہب سے اس کا علاقہ کبھی منقطع نہیں ہوا اور بالآخر انیسویں صدی کے نصف آخر میں یہ نومولود اور ارتقا پذیر زبان جدید نثری ادب کے قالب میں

---

(۲) اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام :۔ ڈاکٹر عبدالحق۔

ڈھل گئی ـــــــ جدید نثری ادب کے بانی سرسیّد تھے انہوں نے تقلید پرستی سے ہٹ کر جدید طرز کی بنیاد رکھی ۔ ان کے عہد تک مضمون و معنی کی حیثیت ثانوی تھی اور طرز ادا، تکلف بیان اور تصنع و مقفّٰی سازی کو امتیاز خاص حاصل تھا، مگر انہوں نے روایتی اسلوب کا دھارا بدلا اور مضمون و معنیٰ کو اولیت کا درجہ دیا ۔ سیّد احتشام حسین نے لکھا ہے :۔

> سرسیّد کا ذہن ایک عمل پسند کا ذہن تھا جسے ادبی حسن سے زیادہ ٹھوس حقائق، زور بیان اور غیر مبہم طرز اظہار زیادہ عزیز تھا اس لئے ان کی نثر اپنا ایک الگ اسلوب اور وزن رکھتی ہے ۔ (۳)

ان کا عہد ۱۸۱۷ء سے ۱۸۹۸ء کے پر ہول اور قنوطیت آمیز ادوار میں محصور ہے ۔ ان کی حیات کے تجزیاتی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ذات کئی ادوار میں منقسم ہے، اور ہر دور اپنا الگ الگ رنگ و آہنگ رکھتا ہے ۔ کبھی ان کا نقطۂ نظر علمی اور خالص مذہبی رہا ۔ کبھی وہ مغربیت کے دل دادہ اور جدید خیالات سے بری طرح متاثر نظر آنے لگے اور زندگی کے آخری دور میں انہوں نے دینیات میں فکر و تصور کی نئی جہت تلاش کر کے اپنے تیسرے تشخص کی بنیاد ڈالی اور یہ تیسرا تشخص وہی تھا جس کے سبب انہیں مطعون ہونا پڑا ۔

مولانا حالی نے سرسیّد کی تصنیفی زندگی کے تین دور مقرر کئے ہیں ۔

---

(۳) اردو ادب کی تنقیدی تاریخ :۔ ڈاکٹر سیّد احتشام حسین ۔

پہلا دور ______ شروع سے ۱۸۵۷ء تک۔

دوسرا دور ______ ۱۸۵۷ء سے سفر انگلستان ۱۸۶۹ء تک۔

تیسرا دور ______ سفر انگلستان سے وفات ۱۸۹۸ء تک۔

ان تینوں ادوار میں لکھی گئی کتابوں کی تعداد کم و بیش تیس ہیں۔ (۴) اپنی تصانیف اور مضامین کے ذریعہ انہوں نے اردو ادب کو مادیت، عقلیت، اجتماعیت اور حقائق نگاری کا ذہن دیا مگر ان تمام میں مادیت و عقل پرستی کا عنصر غالب ہے۔

ان کی تصانیف کی اکثریت مذہبی ادب سے متعلق ہے ہمارا موضوع چوں کہ مذہبی ادب ہے اس لئے ہم اس دور کے مذہبی ادب ہی کا جائزہ لیں گے پھر اس تناظر میں ان مظلومین کو تلاش کریں گے جنہیں دانستہ یا غیر دانستہ اردو ادب کی ٹکسال سے باہر کر دیا گیا۔

ڈاکٹر سید عبد اللہ لکھتے ہیں :۔

"سرسید کا ممتاز ترین موضوع مذہب ہے اس پر ان کی بڑی بڑی کتابیں تفسیر القرآن، تبیین الکلام ہیں ان کے علاوہ انکے وہ مضامین جو انہوں نے تہذیب الاخلاق میں دینی موضوع پر لکھے ان سب کے مطالعہ کے بعد سرسید کو اپنے زمانے کا بہت بڑا مذہبی مفکر تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ (۵)

دوسری جگہ رقم طراز ہیں :

---

(۴) اردو ادب کی تنقیدی تاریخ۔ ڈاکٹر سید احتشام حسین۔

(۵) سید احمد خاں اور ان کے رفقاء کی نثر کا علمی و فنی جائزہ۔

"ان کے مذہبی اور مجلسی نظریئے مخصوص سیاسی عوامل کے زیر اثر معلوم ہوتے ہیں تاہم ان کے مذہبی مصنف ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا" (۶)

ہمیں سرسیّد کو سب سے بڑا مذہبی مفکر ماننے میں کلام ہے مگر ان کے مذہبی مصنف ہونے پر خود ان کی کتابیں شاہد ہیں۔ چنانچہ مولانا حالی کے اظہار وانکشاف سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مذہبی تصانیف عہد بہ عہد کچھ اس طرح ہیں :۔

پہلے دور کی تصانیف

(۱) جلاء القلوب بذکر المحبوب :۔ سیرِ رسول عربی پر مختصر رسالہ جو مجالس میلاد میں پڑھنے کے لئے لکھی۔

(۲) تحفہ حسن :۔ تحفہ اثنا عشریہ کے باب ۱۰، ۱۲ کا اردو ترجمہ جس میں شیعہ کے بعض اعتراض کا جواب ہے۔

(۳) قول متین در ابطال حرکت زمین :۔ نظریہ سائنس کے خلاف گردش زمین کی رد میں۔ (۷)

(۴) کلمۃ الحق :۔ پیری مریدی کے مروجہ طریقے کے خلاف۔

(۵) راہ سنت و بدعت :۔ اس میں اہل تقلید کے مروجہ عقائد و رسوم کی مخالفت کی گئی ہے اس میں وہابی اثرات غالب ہیں۔

---

(۶) سیّد احمد خاں اور ان کے رفقاء کی نثر کا علمی و فنی جائزہ۔

(۷) اس موضوع پر امام رضا نے کئی کتابیں تصنیف کیں، فوز مبین حرکت زمین، الکلمۃ الملہمہ، نزول آیات قرآن بسکون زمین و آسمان۔

(۶) نمیقہ :۔ مسئلہ تصور شیخ کی حمایت اور اس پر دلائل ۔

(۷) کیمیائے سعادت :۔ امام غزالی کی کتاب کے چند اوراق کا ترجمہ ۔

دوسرے دور کی مذہبی تصانیف

(۸) تحقیق لفظ نصاریٰ :۔ مسلمانوں کے تئیں انگریزوں کے ذہن میں پیدا شدہ چند غلط فہمیوں کو رفع کرنے کے لئے ۔

(۹) تبیین کلام :۔ اس میں انجیل اور قرآن کی اصولی وحدت ثابت کی گئی ہے ۔ (۸)

(۱۰) رسالہ احکام طعام اہل کتاب :۔ اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمان انگریزوں کے ساتھ کھانا کھا سکتے ہیں ۔ (۹)

تیسرے دور کی مذہبی تصانیف :۔

(۱۱) خطبات احمدیہ :۔ اس کتاب میں حضور اکرم کی ذات کو ہر عیب سے مبرا ثابت کیا گیا ہے ۔ یہ کتاب سر ولیم مور کی کتاب " لائف آف محمد " کے اعتراضات کا جواب ہے اس تحقیق و جستجو اپنے معیار پر ہے ۔

---

(۸) اس کتاب کے متعلق سید عبداللہ لکھتے ہیں ۔ سر سید نے موجودہ بائبل کو لائق اعتماد قرار دے کر اپنی گرانقدر سعی کی اہمیت خود کم کر دی ہے اس سے یہ کمزوری پیدا ہو گئی ہے کہ علوم اجتماعی کے مقابلے میں جو اعتراض بائبل پر واقع ہوتے ہیں وہ قرآن پر خود بخود وارد ہو جاتے ہیں یہ عقل و نیچر پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کا نتیجہ ہے ۔ کتاب مذکور ص

(۹) امام اہلسنت رضا بریلوی نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی جسمیں موجودہ انگریزوں کے اہل کتاب نہ ہونے پر توضیحی اقوال نقل کیں اور دلائل سے اسی موقف کی تائید کی ۔

(۱۲) تفسیر القرآن :۔ یہ سرسیّد کی آخری تصنیف ہے اس تفسیر میں روایت سے بغاوت اپنی آخری حد تک پہنچی ہوئی ہے ۔ اس میں اصول، طریقِ کار اور نصب العین سب کچھ پرانی تفسیروں سے مختلف معلوم ہوتا ہے ۔ (۱۰)

ممکن ہے کچھ اور کتابیں مذہبی موضوعات پر ہوں اور اگر نہ بھی ہوں جب بھی صرف انہی کتابوں کے مطالعہ سے یہ عقیدہ راسخ ہو جاتا ہے کہ سرسیّد کی دینی بصیرت نے انہیں مذہبی مصنف بنا دیا۔ ہاں انہوں نے عقل ونیچر کو دین کا رہنما بنا کر اپنی مذہبی حیثیت خود ہی بری طرح مجروح کر دی ۔ تاہم اردو ادب پر ان کے احسانات مسلم ہیں ۔

سرسیّد کے دیگر رفقاء کی تصنیفات کا مذہبی ادب ملاحظہ کیجئے ــــــ ڈپٹی نذیر احمد جو عناصر خمسہ کا جز ہیں ان کی کئی کتابیں مذہبی ادب کی ترجمان ہیں وہ خود بھی مذہبی تھے ۔ مسجد

---

(۱۰) سیّد احمد خاں اور ان کے رفقاء ..... میں ہے ۔" سرسید کی دوسری تصانیف کی طرح یہ تفسیر بھی مقبول نہ ہو سکی مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس تصنیف نے آگے چل کر تحریک مطالعہ قرآن اور عام افکار دینی پر بڑا اثر ڈالا۔ مجموعی لحاظ سے سرسیّد کے نام سے کوئی جماعت یا کوئی فرقہ منسوب نہیں مگر ان کا دینی نظریہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف اسلامی فرقوں کا جز بن گیا ہے ..... چنانچہ اس کے گہرے اثرات بیان القرآن ، (مولانا محمد علی جماعت احمدیہ لاہور) بیان القرآن (مولانا احمد دین امت مسلمہ) تذکرہ (عنایت اللہ مشرقی) تفسیر الیوبی (حکیم احمد شجاع) یہاں تک کہ ترجمان القرآن (مولانا ابوالکلام آزاد) میں نمایاں طور پر موجود ہیں "۔

کے مکتب سے تعلیم شروع کی پھر دینی مدارس کا رخ کیا اور آخر میں دلی کالج پہنچے، آزادی فکر اور سرکار پرستی کا سبق دہلی کالج ہی کی دین تھا ــــــ افکار کی بنیاد مذہبی ہونے کے باوجود وہ نئے خیالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور جدید تعلیم کا نشہ کچھ ایسا چڑھا کہ وہ مذہب کے اصولوں کو بھی سائنس کا پابند بنانے لگے۔ پھر دائرہ مذہب میں رہ کر دہریت کی اوٹ میں تانکنے جھانکنے کا عمل ان کی مغرب زدہ فکر کا جز بن گیا۔

ڈاکٹر سیّد عبداللہ لکھتے ہیں :۔

دین سے ان کی وفاداری اسی طرح کی تھی جس طرح ایک آرام پسند شہری کو قانون کی پابندی سے دلچسپی ہوتی ہے۔ دین کے لئے ایک جذبہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کی ان میں کمی تھی۔ (۱۱)

مگر ان کا ضمیر چوں کہ مذہب سے اٹھا تھا اس لئے دینی جذبہ کی کمی کے باوجود وہ مذہبی اظہار خیال پر موقع بے موقع مجبور ہو جاتے تھے۔ چنانچہ سیّد احتشام حسین صاحب لکھتے ہیں :

"نذیر احمد کے ناولوں میں یہ کمی پائی جاتی ہے کہ وہ بیچ بیچ میں مذہب اور اخلاق پر تقریر کرنے لگتے ہیں۔" (۱۲) ان کے قابل ذکر دینی تصانیف میں ترجمۃ القرآن، اور ان کی مشہور فقہی کتاب الحقوق والفرائض ہے۔ مگر دونوں کتابوں کا علمی اور ادبی معیار ان کے علمی معیار سے بہت نیچے ہے۔ سرسیّد کے دور میں زبان کی ہیئت نے جو کروٹ لی تھی اور اس پر جدیدیت کا جو رنگ چڑھ رہا تھا الحقوق والفرائض کی زبان اور طرز

---

(۱۱) سیّد احمد خاں اور ان کے رفقاء کی نثر کا علمی وفنی جائزہ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ۔

(۱۲) اردو ادب کی تنقیدی تاریخ۔ ڈاکٹر سید احتشام حسین۔

استدلال اس سے بہت مختلف ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں :۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا طرز استدلال جدید نہیں اس کا رنگ شاہ ولی اللہ صاحب اور دیگر مسلم علماء کی تصانیف سے ملتا جلتا ہے اور ان کا عام طریق بحث اور نقطہ نظر قدیم ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس کتاب کی ترتیب اور تصنیف بھی عام پسند نہیں اور افسوس یہ ہے کہ اس کو دلچسپ بنانے کی کوشش بھی نہیں کی گئی۔" (۱۳)

اور غالباً اسی وجہ سے کئی نقادوں نے ان کے بارے میں یہ کہا ہے کہ" وہ جتنے بڑے عالم تھے اس کے مطابق انہوں نے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی اور ناول نگاری ان کی عظمت کے خلاف تھی۔" (۱۴)

الحقوق والفرائض کی ادبیت کے معیار و اقدار کے تعین کے بعد ان کے ترجمہ قرآن کو لیجئے۔ ـــــ اپنے اس ترجمہ کے بامحاورہ ہونے پر انہیں بڑا ناز بھی ہے اور ان کے حوارین و مداحین کا ایک طبقہ بھی اسے بامحاورہ اور مثالی کہتا ہے مگر دانشور حضرات کے نزدیک یہ ترجمہ سوقیانہ محاورات پر مشتمل ہے۔ اس تعلق سے ایک دانشور کا تنقیدی نوٹ ملاحظہ کیجئے :۔

---

(۱۳) سید احمد خاں اور ان کے رفقاء ...... ڈاکٹر سید عبداللہ

(۱۴) اردو ادب کی تنقیدی تاریخ ۔ ڈاکٹر سید احتشام حسین

" معلوم نہیں کہ ڈپٹی صاحب محاورہ کا معنی کیا سمجھ بیٹھے ہیں۔ ان کے ترجمہ کے ملاحظے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت محاورہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک آیت کے مطلب کو ایک ہندوستانی مثل میں ادا کر دی یا کسی تمثیل کو کسی مثال سے بھڑا دیں۔ گو قرآن کا مفہوم لفظی اس سے ادا ہو اور متن کی تمامی قوت اس میں آئیں یا نہ آئیں " (۱۵)

اب ایک مثال سے وہ اس دعوی کی دلیل دیتے ہیں :۔

مثلاً ولو نشاء لطمسنا علی اعینھم کا ترجمہ آپ لکھتے ہیں : اور ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں پر جھاڑو پھیر دیں " اور کلا ان الفجار یعنی سجین کا ترجمہ آپ تحریر فرماتے ہیں ۔

" سنو جی ! بدکار لوگوں کے اعمال قیدیوں کے رجسٹر میں درج ہوتے رہتے ہیں "۔ پس اسی پر ڈپٹی صاحب کو فخر ہے اور اسی پر ان کے حواری لوگ فریفتہ اور نازاں ہیں "۔ (۱۶)

مولوی نذیر احمد کی دولوں کتاب کے تجزیہ کے بعد شبلی نعمانی صاحب کی تصنیفات کا جائزہ لیجیے جن کا شمار اردو کے بڑے مصنفوں میں ہوتا ہے۔ زبان و بیان کی ندرت و رنگینی ان کا طرۂ امتیاز ہے ان کی تصانیف میں فلسفہ، ادب، تاریخ، سوانحی مضامین و مکاتیب

---

(۱۵) قرآن مجید کی تفسیریں چودہ سو برس میں ۔

(۱۶) " " " " " "

وغیرہ بھی پائے جاتے ہیں مگر جن تصانیف سے وہ زندہ ہیں وہ المامون، الفاروق، سیرت النبی علم الکلام، شعر العجم اور موازنہ انیس و دبیر ہیں۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ تاریخی ہوتے ہوئے بھی بعض کتابیں مذہبی ہیں اس لئے دیانتہ ان کو مذہبی ادب کا ترجمان اور مذہبی مصنف کہنے میں کوئی قباحت نہیں۔

سرسیّد کے عزیز ترین دوستوں میں محسن الملک سید مہدی علی اور چراغ دہلوی بھی تھے یہ دونوں حضرات بھی سرسیّد کے دینی نظریات کے مبلغ تھے۔ نواب محسن الملک کی تصانیف میں تقلید عمل بالحدیث، مسلمانوں کی تہذیب آیات بینات کا تعلق مذہب سے جڑا ہے مگر ان کی تصانیف کا علمی اور ادبی معیار کیا ہے۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ سے سنئے:۔

> "محسن الملک کی کتابیں بہت بلند درجے کی نہیں اور مضامین میں بھی کوئی جدید خیال موجود نہیں۔ البتہ تہذیب الاخلاق کے مضامین میں بڑا زور اور جوش ہے۔" (۱۷)

مولوی چراغ علی نے تعلیقات، اسلام کی دنیوی برکتیں، بی بی ہاجرہ، ماریہ قبطیہ، تعلیق نیاز نامہ وغیرہ کتابیں لکھیں۔ ان کی کتابیں تاریخی ہوتے ہوئے بھی مذہبی ہیں۔ لہذا ہم انہیں مذہبی ادب سے الگ نہیں کر سکتے ——— ان کی دینی بصیرت کو سمجھنے کے لئے اتنا ہی جان لینا بس ہے کہ ان کو سرسیّد کے دینی افکار و نظریات سے جو اتفاق رائے تھا، اور کسی کو نہ تھا، چنانچہ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:۔

اگر نیچری کے لفظ کا اطلاق سرسیّد پر ہو سکتا ہو

---

(۱۷) سید احمد خاں اور ان کے رفقاء ...... ڈاکٹر سیّد عبداللہ

تو ہم مولوی چراغ علی کو ان سے کم نیچری نہیں کہہ سکتے۔" (۱۸)

اپنی ایک انگریزی کتاب میں لکھا ہے :۔ (ترجمہ)

—— "اسلام ہر زمانے کی معاشرت کے مطابق تبدیل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔"

ان کا خیال ہے کہ حدیث کی عقیدتاً ضرورت نہیں، اسلامی سول لا، کے بعض حصے از سرِ نو لکھے جانے چاہئیں۔ اسلام میں رائے کی آزادی ہے۔ غلامی، جنگ و جدل اور جہاد کا اسلام میں کوئی ذکر نہیں۔

اس اجمالی بحث سے اس دور کے مذہبی ماحول اور مذہبی ادب پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ اب یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ اردو کی نمو وارتقاء میں مذہبیت کا گہرا عمل دخل ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سے جدید نثری ادب تک مذہبی ادب کسی نہ کسی طرح اردو سے منسلک رہا۔ بعد کے عہد بہ عہد ارتقائی مراحل نے اس رنگ کو ہلکا کر دیا اور اس کی جگہ ناول، افسانہ، ڈرامہ اور طنز و مزاح کو فروغ ملنے لگا۔ اور آج کل تو اردو ادب میں مذہبی ادب کی کوئی جگہ ہی نہیں۔ افسانوی ادب اور شعری مجموعے کی قدریں متعین کی جاتی ہیں، مگر مذہب پر لکھی گئی ادبی اور تحقیقی کتابوں کی طرف توجہ نہیں کی جاتی —— اس طرزِ فکر سے مذہبی ادب کو جو نقصان پہنچا وہ تاریخی تنزلی اور گہرے صدمے کا باعث ہے۔ مگر اس کے باوجود جب کوئی مورخ اردو کے عناصرِ خمسہ یا اور دوسرے متعلقین کی تاریخ لکھتا ہے تو کسی نہ کسی طرح مذہبی ادب کا ذکر ناگزیر ہو جاتا ہے اس تعلق سے وہ ہستیاں جن سے اردو کو جلا ملی، مگر تاریخ میں انہیں کوئی جگہ نہیں دی گئی، مظلوم نظر

(۱۸) موجِ کوثر ۔ شیخ محمد اکرام۔

آنے لگتی ہیں۔

عناصر خمسہ کے اسی ہنگامی اور بحرانی دور میں ایک عبقری شخصیت ایسی بھی تھی جن کے علم و فضل اور گرانقدر علمی اور ادبی جواہر پارے سے دنیا مستفیض ہو رہی تھی۔ جنہیں بیک وقت ۵۵ علوم و فنون پر کامل دستگاہ اور ید طولیٰ حاصل تھا۔ (۱۹) جن سے استفادہ علمی کے لئے ۱۹۱۴ء اور ۱۹۱۶ء کے مابین علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین بریلی تشریف لے گئے اور واپسی پر اپنے تاثر میں فرمایا۔

حضرت مولانا کو علم لدنی حاصل تھا اور یہ شخصیت نوبل انعام کی صحیح حقدار ہے کہ میرے لاینحل سوال کا جواب الساقی البدیہہ دیا گویا اس مسئلہ پر برسوں سے ریسرچ کر رہے ہوں۔" (۲۰)

جنہوں نے مختلف علوم و فنون پر ایک ہزار سے زائد کتابیں لکھیں جو تحقیقی اور اعلیٰ ادبی معیار کی شاہکار ہیں۔ جنہوں نے ۱۹۲۱ء میں جب کہ اس وقت اردو کا دامن اصول تحقیق اور لسانی مسائل کے مصطلحات سے خالی تھا۔ تحقیق کے مبادیات و مصطلحات صحت نسخ، صحت متن، اتصال سند، تواتر، تداول، احتیاط، استدلال پر علمی اور تحقیقی بحث کی اور اس فن کے لئے اصول وضع کئے۔ (۲۱) آپ کے مرتب کردہ اصول اور جدید محققین کے مصطلحات کے تقابلی مطالعہ سے ان کا معیار تحقیق بہت ممتاز نظر آتا ہے۔

---

(۱۹) حیات مولانا احمد رضا خاں ۔ پروفیسر مسعود احمد

(۲۰) معارف رضا، شمارہ ہفتم۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، پاکستان۔

(۲۱) تفصیل کے لئے حجب العوار کا مطالعہ کیجئے۔

اس موضوع پر طویل تحقیقی بحث کے بعد مولانا غلام مصطفےٰ نجم القادری کا یہ تجزیہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔"

"فخر و اعتماد کے ساتھ جس مستند عالم اور محقق کو دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے محققوں کی بزم میں پیش کیا جاسکتا ہے کم از کم انیسویں اور بیسویں صدی میں اس افتخار کا سہرا محقق بریلوی کے فرق اقدس پر سجتا ہے اور ہر اعتبار سے آپ ہی اس کے حقدار ہیں۔" (۲۲)

پروفیسر عبدالشکور شاد نے بھی امام رضا کے تحقیقی کارناموں کی قدر متعین کی اور فرمایا :

علامہ موصوف کی تحقیقی کاوشیں اس قابل ہیں کہ تاریخ ثقافت اسلامی ہندوستان و پاکستان میں بالتفصیل ثبت ہوں۔" (۲۳)

جن کی علمی حذاقت اور شان عبقری و دراکی سے متاثر ہوکر علامہ اقبال کو کہنا پڑا :

" ہندوستان کے اس دور متاخرین میں ان جیسا طباع اور ذہین مشکل ہی سے ملیگا۔" (۲۴)

مگر تاریخ اردو کے مورخین نے اس نابغۂ روزگار شخصیت کے ساتھ جس بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا وہ ایک سنگین جرم ہے اور اردو کے علمی ذخائر کے ساتھ خیانت بھی ـــــــ ارباب علم ودانش اس خلا کو محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے ، اور احساس بیدار ہوتے ہی وہ سراپا

(۲۲) ماہنامہ قیادت کرناٹک فروری ۹۶ء۔ مولانا غلام مصطفےٰ نجم القادری ، ایڈیٹر ماہنامہ قیادت۔

(۲۳) پیغامات یوم رضا ۔ عبدالنبی کوکب ۔

(۲۴) حیات امام احمد رضا ۔ پروفیسر مسعود احمد

سوال بن جاتے ہیں۔ چنانچہ دورِ جدید کے ایک مذہبی محقق و مفکر کا دل گداز بیان پڑھیے:

"تاریخ و ادب کی کتابوں میں نہ جانے کیوں اس عظیم انسان کو نظر انداز کیا گیا۔ اربابِ علم و دانش حیران ہیں۔ یکم ستمبر ۱۹۹۲ء کو بریلی جانا ہوا۔ وہاں ایک ملاقات میں ڈاکٹر وسیم بریلوی (صدر شعبہ اردو روہیل کھنڈ یونیورسٹی) نے باتوں باتوں میں فرمایا اردو ادب کی کتابوں میں امام احمد رضا کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ یہ غفلت کیوں برتی گئی؟ جو دیکھ رہے تھے جو سن رہے تھے، ذکر کیوں نہیں کیا۔ وسیم بریلوی صاحب سراپا سوال بن گئے۔" (۲۵)

تجزیہ اور مشاہدہ کہتا ہے کہ یہ غفلت اتفاقی نہیں امتدادی اور تجرباتی ہے ورنہ بے اعتنائی کا یہ تسلسل کہیں نہ کہیں ضرور ٹوٹتا۔ حادثات اتفاقی ہوں تو اس کے عوامل عموماً ناپائیدار ہوں گے اور اگر اس کا محرک ارادہ و عمل ہو تو صورت وہی ہوگی جو امام احمد رضا کے ساتھ پیدا کی گئی۔ ہم اس جنبہ داری کو حادثاتی کہہ کر زخمی احساس کو تسکین نہیں دے سکتے ـــــــ یہ عجیب سانحہ ہے کہ اس دور کے تمام افراد کا ذکر تفصیل کے ساتھ تاریخی کتابوں میں کیا جاتا ہے مگر امام احمد رضا کا کہیں ذکر نہیں آتا۔

شیخ محمد اکرام نے موجِ کوثر میں ایک جگہ لکھا ہے:

"جس دور میں مولانا سید احمد، شاہ اسمٰعیل شہید، مولانا محمد قاسم دیوبندی، شبلی نعمانی، ابو الکلام آزاد، مولانا اشرف علی تھانوی

---

(۲۵) سہ ماہی افکار رضا، بمبئی۔ پروفیسر مسعود احمد مظہری۔

اور اقبال سرگرم کار رہے ہوں اسے مذہبی خشک سالی کا
زمانہ کیسے کہا جا سکتا ہے۔" (۲۶)

انہوں نے ۱۸۵۷ء سے تقسیم ہند تک کے تمام افراد کا احصار کیا مگر امام رضا جن کی سطوت علم کے آگے یہ سارے افراد سرنگوں اور سجدہ ریز نظر آتے ہیں فراموش کر دیا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ خشک سالی اس وقت تک دور ہو ہی نہیں سکتی جب تک اقبال کے اس ممدوح کا ذکر نہ کیا جائے۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ ان کا یہ اعتراف :

"دیوبند سے فیض یافتہ مولانا انور شاہ کشمیری اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اس لائق ہیں کہ ان کے کارنامے علیحدہ عنوانات کے تحت بیان ہوں۔ انشاء اللہ یہ کمی آئندہ اشاعت میں پوری کی جائے گی۔" (۲۷)

پڑھ کر حسن اعتماد کا وہ طلسم بکھر جاتا ہے جو فطری طور پر الکوثر سیریز سے قائم ہوتا ہے۔ گویا ان کی نظر میں امام رضا کی علمی ادبی فکری سائنسی خدمات کوئی وزن نہیں رکھتی۔ ہم شیخ محمد اکرام کی تاریخی معلومات پر شبہ نہیں کرتے مگر امام رضا کے تعلق سے ان کے اس دانستہ جرم پر حرف گیری ضرور کریں گے۔

انیسویں صدی کی آخری تین دہائیوں سے بیسویں صدی کی دو دہائیوں تک علمی فکری، شرعی، تنقیدی اور سائنسی شعبے پر امام احمد رضا چھائے رہے۔ انہوں نے

---

(۲۶) موج کوثر ۔ شیخ محمد اکرام

(۲۷) " " " "

سرسیّد، شبلی نعمانی، ڈپٹی نذیر احمد، ابوالکلام آزاد اور مولانا عبدالباری وغیرہم پر اعتقادی شرعی اور سیاسی تنقیدیں کیں۔ فکری اور شرعی نقطہ نظر سے اس عہد کو امام رضا سے موسوم کیا جانا چاہئے ——— ہزار سے متجاوز ان کی تصانیف اس محسوس حقیقت کی ترجمان ہیں۔ مگر شیخ محمد اکرام صاحب کو یہ شواہد نظر نہیں آئے۔ اور آئیں بھی کیسے؟ ذہن و فکر جب کسی مخصوص نظریہ کی پابند ہو تو تحقیق و جستجو کا رنگ اثباتی نہیں ہو سکتا۔ ضمیر سے بغاوت کرنے والے اپنے منفی فکری عوامل سے بغاوت نہیں کر سکتے۔ وہ لکھیں گے وہی جو نفس کا داعیہ ہو ——— موج کوثر میں اہل حدیث عنوان کے تحت ایک ذیلی سرخی " بریلوی پارٹی " قائم کر کے انہوں نے اپنے اسی نظریہ کی ترجمانی کی ہے۔ ورنہ دنیا جانتی ہے کہ آج تک ہندوستان میں " بریلی پارٹی " کے نام سے کوئی فرقہ یا کوئی تحریک پیدا ہی نہیں ہوئی۔ ہاں اہلسنت وجماعت کو عرفاً (۲۸) بریلوی کہا جاتا ہے کہ سنیت کے نام پر بہت سارے فرقے جنم لے چکے ہیں جو تنقیص رسالت اور غصب ایمان کی منظم تحریک چلا رہے ہیں ——— شیخ محمد اکرام صاحب اسی ذیلی سرخی کے تحت لکھتے ہیں۔

> صوبہ جات متحدہ کی جس بستی رائے بریلی میں مولانا سیّد احمد بریلوی پردہ علم سے ظہور میں آئے اس کی ایک ہمنام بستی بانس بریلی ۱۲۷۲ھ میں ایک عالم پیدا ہوئے۔ مولوی احمد رضا خاں کا نام، انہوں نے کوئی پچاس کے قریب کتابیں مختلف نزاعی

---

(۲۸)

اور علمی مباحث پر لکھیں "۔ (۲۹)

آج تک کسی کتاب میں محقق بریلوی کی تصانیف کی تعداد پچاس متعین نہیں کی گئی مگر شیخ صاحب کو وہ بات بھی نظر آگئی جس کا کہیں ذکر نہیں۔ ۱۸۸۷ء میں جب کہ آپ کی عمر اس وقت صرف ۳۰ برس کی تھی مولانا احسان علی کی کتاب تذکرہ علماء ہند طبع ہوئی، اس میں تصانیف کی تعداد ۷۵ بتائی گئی۔ (۳۰) وہ لکھتے ہیں:

" تصانیف وے تا ایں زماں ہفتاد و پنج مجلد رسیدہ "

تا ایں زماں کی قید سے ظاہر ہے کہ یہ صرف ۱۸۸۷ء تک کی تصانیف ہیں۔ ۱۹۰۵ء میں خود امام رضا نے اپنی تصانیف کی تعداد دو سو سے زائد بتائی۔ (۳۱)

" صنف کتبا تزید علی مائتین "

۱۹۰۹ء میں امام رضا کے قول تزید علی مائتین پر تحقیق کے بعد مولانا ظفر الدین بہاری نے ۳۵۰ تک پہنچائی مگر اس اعتراف کے ساتھ

" میں نہیں کہتا کہ سب اسی قدر ہیں بلکہ یہ صرف وہ ہیں جو اس وقت کے استقرار میں میرے پیش نظر ہیں "۔ (۳۲)

اور آج کی تحقیق کے مطابق یہ تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ مولانا محمد اعجاز ولی خاں

---

(۲۹) موج کوثر ۔ شیخ محمد اکرام۔

(۳۰) تذکرہ علماء ہند (فارسی)۔ مولانا احسان علی

(۳۱) الدولۃ المکیہ ۔ امام احمد رضا خاں بریلوی۔

(۳۲) المجمل المعدد لتالیفات المجدد ۔ مولانا ظفر الدین بہاری۔

اپنی تحقیق کی بنیاد پر لکھتے ہیں :۔

"صاحب التصانیف العالیہ والتالیفات الباھرہ

التی بلغت اعدادھا فوق الالف "۔ (۳۳)

اب اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ شیخ محمد اکرام صاحب نے تاریخی مواد حاصل کرنے کے لئے کتابوں کو نہیں عقیدے کو رہنما بنایا ہے اور ہر اس شخصیت وادب پارے کو گردن زدنی قرار دیا ہے جو ان کے عقیدے کے محاذی تھا۔ اس طرح سر ابھارتے اس نظریہ کو جواز کا پہلو مل رہا ہے کہ جب نظریاتی اختلاف تاریخی حقائق سے چشم پوشی کا مورد بن سکتا ہے تو طبقاتی اور ذاتی مخالفت نے کیا کیا۔ کچھ کرشمہ سازی کی ہوگی، اور اگر ایسا ہے تو الکوثر سیریز کی کیا تحقیقی حیثیت رہ جاتی ہے اور اس پر اعتماد و استدلال کہاں تک درست ہوگا۔

بہر حال اس دور کے ادبی تحقیقی اور تنقیدی ماحول میں امام رضا آفتاب نیم روز کی مثل چمکتے دمکتے دکھائی دیتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے رسائل سے لے کر ہزاروں اور سینکڑوں صفحات میں پھیلی ہوئی کتابوں تک وہ تمام ادبی محاسن جو عناصر خمسہ کے یہاں علی الانفراد پائے جاتے ہیں وہ امام رضا کے یہاں بدرجہ اتم موجود ہیں اور اردو کی نثری خدمت مجموعی طور پر جتنی عناصر خمسہ نے کی اس سے کہیں زیادہ امام رضا نے کی۔ ان کی دینی تصانیف میں ندرت بیان، شوکت الفاظ جملوں کی برجستگی و شگفتگی اور جوشش پیام و شیرینی کلام اپنے جوبن پر نظر آتی ہے مگر

---

(۳۳) حیات مولانا احمد رضا خاں ۔ پروفیسر مسعود احمد مظہری۔

ع آنکھ والا ترے جوبن کا تماشہ دیکھے

چھپی ہوئی چیز کو دکھایا جا سکتا ہے مگر نگاہیں چرانے والی آنکھوں کو کیسے دکھایا جائے۔

ترجمۂ قرآن ہی کو لیجئے ۔ اس دور کے سرسیّد اور ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمہ قرآن کی بڑی اہمیت ہے اس کے ادبی محاسن کی تعریف و تقدیس کی جاتی ہے حالاں کہ زبان و بیان، طرز ادا اور سلاست و شگفتگی ہر اعتبار سے امام رضا کے ترجمہ قرآن کنز الایمان کو ان تراجم پر تفوق و عظمت حاصل ہے ـــــ نذیر احمد کے ترجمہ قرآن میں قطع نظر شرعی محاسبے کے چند ایسی بھی خامیاں پائی جاتی ہیں جس سے اس کی ادبی حیثیت مجروح و مرجوح ہوتی ہے۔ ان فحش غلطیوں کے باوجود اسے تاریخی اور ادبی اہمیت حاصل ہے شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں :-

ہندوستان میں قرآن مجید کی صحیح اشاعت شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمے سے شروع ہوئی۔ ان کے صاحب زادوں نے اردو ترجمہ کر کے اس اشاعت کو اور بھی آسان کر دیا۔ ان کے بعد اس کار خیر کی تیسری اہم کڑی مولانا نذیر احمد کا ترجمۃ القرآن ہے یہ ترجمہ شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین کے ترجموں سے زیادہ بامحاورہ اور ادبی خوبیوں کا حامل تھا۔" (۳۴)

مگر اس کے برعکس صاحب رفع الغواشی نے ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمہ میں آٹھ دفعات کے تحت کئی فحش اغلاط اور ادبی نقائص کی نشاندہی کی ہے ان میں سے تین دفعات اصول

---

(۳۴) موج کوثر ۔ شیخ محمد اکرام

ترجمہ و تفسیر کے بنیادی نکات پر مشتمل ہیں وہ لکھتے ہیں :

اولاً :۔ اس ترجمہ میں اکثر ایسے کریہہ وغیرہ مالوس الفاظ و محاورے اختیار کئے گئے ہیں کہ گو وہ دہلی کی گلیوں میں کسی کسی زبان پر جاری ہوں لیکن فصیح اور عام فہم ہرگز نہیں ۔ پس باوجود موجود رہتے الفاظ صحیحہ و محاورات مالوسہ و عام فہم کے ایسی مقدس کتاب کے ترجمہ میں جو عموماً ہر قطر و اطراف کے اردو دالوں کے سمجھانے کی غرض سے لکھا گیا ہو اس کا اختیار کرنا مناسب نہیں ۔" (۳۵)

ثانیاً :۔ اس ترجمہ میں بعض مقام پر دیدہ و دانستہ ایسے انداز سے ترجمہ ہی نہیں کیا گیا بلکہ خطوط ہلالی کے درمیان بھی ایسے مضامین حاشیہ جو تمامی علماء ، مسلمین من الصحابہ والتابعین وائمہ مجتہدین وجمہور مفسرین اہلسنت کے خلاف ہیں لکھ کر اس پر بھی زور دیا گیا ۔ (۳۶)

ثالثاً :۔ دیدہ و دانستہ ترجمہ اس انداز سے کیا گیا کہ متن کے مقابلے اس کے لکھنے سے اس پر ترجمہ کا اطلاق ہی نہیں ہو سکتا کیوں کہ ترجمہ کا الفاظ متن سے دور جا پڑنا حقیقت میں ترجمہ کا بہت بڑا نقص ہے ۔ (۳۷)

---

(۳۵) قرآن مجید کی تفسیریں چودہ سو برس میں ۔

(۳۶) " " " " " " "

(۳۷) " " " " " " "

اس تنقید کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب دوسرے ناقدین بھی اس ترجمہ کو دیکھ کر ذہنی خلش محسوس کرتے ہیں اور ایسے ناقدین کی کمی نہیں جنہوں نے برملا اس کا اظہار بھی کیا ——— مگر ترجمہ امام احمد رضا لفظی اور معنوی ہر طرح کی خامیوں سے پاک اور ادبی و شرعی تنقیدوں سے منزہ ہے۔

ملک شیر محمد خاں (پاکستان) لکھتے ہیں :۔

ان ترجموں کے بعد ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ قرآن مجید شائع ہوا لیکن انہوں نے ترجمہ میں جا بجا محاورات گھسیٹ کر قرآن حکیم کے مطالب کو ہی گم کر دیا اور اکثر مقامات پر اپنے نیچری خیالات کو بھی داخل کر دیا۔ اندریں حالات ملت اسلامیہ کے لیے قرآن مجید کے ایک صحیح، سلیس اور با محاورہ ترجمہ کی اشد ضرورت تھی، آخر اس ضرورت کو احسن طور پر پورا کرنے کی سعادت امام احمد رضا کو نصیب ہوئی۔ امام احمد رضا نے ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں قرآن مجید کا جیتا جاگتا اردو ترجمہ پیش کیا۔" (۳۸)

ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمۃ القرآن، شاہ رفیع الدین اور مولانا شاہ عبد القادر کے بعد شائع ہوا جس میں ان دونوں تراجم کی بہ نسبت زبان زیادہ صاف اور سہل تھی مگر جب اس کے بعد ۱۹۱۱ء میں امام احمد رضا کا کنز الایمان سامنے آیا تو ماقبل کے تراجم کی ساری سحر کاریاں لوٹ گئیں اور کوثر و تسنیم میں دھلی کنز الایمان کی زبان ہر آنکھ کے لیے

---

(۳۸) محاسن کنز الایمان ۔ ملک شیر محمد خاں

سرمہ بصیرت اور ہر دل کی دھڑکن بن گئی۔ یہ وہ ترجمہ تھا جس میں قرآن کی روح سمو دی گئی تھی۔ ملک صاحب لکھتے ہیں :

مقام حیرت و استعجاب ہے کہ یہ ترجمہ لفظی بھی ہے اور بامحاورہ بھی، اس طرح گویا لفظ و محاورہ کا حسین ترین امتزاج آپ کے ترجمہ کی بہت بڑی خوبی ہے۔ اس ترجمہ سے قرآنی حقائق و معارف کے وہ اسرار و معارف منکشف ہوتے ہیں جو عام طور پر دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے۔ یہ ترجمہ سلیس، شگفتہ اور رواں ہونے کے ساتھ روح قرآن اور عربیت کے بہت قریب ہے۔" (۳۹)

جس دور میں یہ ترجمہ سامنے آیا اردو اس وقت بھی ارتقائی مراحل میں تھی، اس پر ابھی جدیدیت کا رنگ نمایاں اور گہرا نہیں ہوا تھا مگر اس کے باوجود اس ترجمہ کو پڑھ کر قدیم ادبی رنگ کا احساس تک نہیں ہوتا بلکہ آج کا ادبی شاہکار معلوم ہوتا ہے اس ترجمے کے چند نمونے ملاحظہ کیجئے :۔

" اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے وہی عزت و حکمت والا ہے۔ اسی کے لئے ہے آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت، جلاتا ہے اور مارتا ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن اور

---

(۳۹) المیزان کا امام احمد رضا نمبر ۔ ملک شیر محمد خاں ۔

وہی سب کچھ جانتا ہے۔ وہی ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں پیدا کیئے۔ پھر عرش پر استوار فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔ جانتا ہے جو زمین کے اندر جاتا ہے اور جو اس سے باہر نکلتا ہے، اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں بھی ہو اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے"۔ (۴۰)

دوسری مثال ملاحظہ کیجئے:۔

"بڑی برکت والا وہ جس کے قبضہ میں سارا ملک، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو، تم میں کس کا کام زیادہ اچھا ہے اور وہی عزت والا، بخشش والا ہے۔ جس نے سات آسمان بنائے، ایک کے اوپر دوسرا، تو رحمٰن کے بنانے میں کیا فرق دیکھتا ہے، تو نگاہ اٹھا کر دیکھ! تجھے کوئی رخنہ نظر آتا ہے۔ پھر دوبارہ نگاہ اٹھا، نظر تیری طرف ناکام پلٹ آئے گی تھکی ماندی"۔ (۴۱)

کتنا سلیس، کتنا شگفتہ اور کتنا اثر انگیز۔ ترجمہ کا احساس ہی نہیں ہوتا، لگتا ہے قرآن کی روح اردو کے قالب میں ڈھل گئی، پڑھتے ہی دل تجلیات الٰہی کا گنجینہ بن گیا

---

(۴۰) کنز الایمان س حدید پ ۲۷، آیت ا، تا ۴۔ امام احمد رضا۔

(۴۱) " " سورۂ ملک پارہ ۲۹، آیت ا، تا ۴۔

اردو تراجم میں اور کوئی ترجمہ اس کیفیت کا حامل نظر نہیں آتا۔ اس خصوص میں کنزالایمان کی امتیازی حیثیت مسلم ہے، جبکہ یہ ترجمہ مولانا اشرف علی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالماجد دریاآبادی اور مولانا مودودی کے تراجم سے بہت پہلے کا ہے مگر ادب کا بانکپن جدیدیت کا آئینہ دار ہے۔

اسی طرح امام رضا کی اردو تصانیف، رسائل اور فتاویٰ بھی اعلیٰ ادبی شاہکار اور اردو ادب کے لئے قیمتی خزانے ہیں۔ ۷۵ سے زائد علوم وفنون پر لکھی گئی ان کی تخلیقی، تنقیدی، تشریحی اور ادبی کتابیں اس لائق ہیں کہ دور جدید کے مستند نقاد ومحققین اس خزانے کی طرف توجہ مبذول کریں ورنہ اردو کا پیمانہ اب تک جس فروگذاشت کے تحت خالی رہا وہ کبھی پُر نہیں ہوسکتا۔ ان کے اردو ادب کے چند اقتباسات ملاحظہ کریں:۔ مسلمانو! دیکھو دین اسلام بھیجنے، قرآن مجید اتارنے کا مقصود ہی تمہارا مولیٰ تبارک وتعالیٰ تین باتیں بتاتا ہے۔ اول یہ کہ لوگ اللہ ورسول پر ایمان لائیں۔ دوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کریں۔ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ مسلمانو! ان تینوں جلیل باتوں میں جمیل ترتیب تو دیکھو۔ سب میں پہلے ایمان کو فرمایا، اور سب میں پیچھے اپنی عبادت کو اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کو۔ اس لئے کہ بغیر ایمان تعظیم بکار آمد نہیں۔ بہتیرے نصاریٰ ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور حضور پر سے دفع اعتراضات کافران لئیم میں تصنیفیں کرچکے

لکچر دے چکے مگر جب کہ ایمان نہ لائے کچھ مفید نہیں، کہ یہ ظاہری تعظیم ہوئی۔ دل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت ہوتی تو ضرور ایمان لاتے۔" (۴۲)

یہ وہ شستہ اور دل پذیر تحریر ہے جس پر طرز سر سید کا گمان ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے الفاظ کی لہروں میں معانی کا سیل رواں لہراتے بل کھاتے اور گنگناتے وادی دل سے گذر رہا ہے۔ کیف و سرور کا جھونکا ہے کہ کوثر و تسنیم کا جام، جسے دیکھ کر، پڑھ کر، سن کر دل ہی نہیں روح تک مسکرا اٹھتی ہے۔ (۴۳)

جمالیاتی حسن کا ایک پر کیف منظر دیکھئے:۔

تجلی جمال کے آثار سے لطف و نرمی، راحت و سکون و نشاط و انبساط ہے۔ جب یہ قلب عارف پر واقع ہوتی ہے دل خود بخود ایسا کھل جاتا ہے جیسے ٹھنڈی نسیم سے تازہ کلیاں یا بہار کے مینہہ سے درختوں کی کنپھیاں۔ اور تجلی جلال کے آثار سے قہر و گرمی و خون قلب، جب اس کا ورود ہوتا ہے قلب بے اختیار مرجھا جاتا ہے بلکہ بدن گھلنے لگتا ہے۔" (۴۴)

---

(۴۲) تمہید الایمان ص۳ امام احمد رضا۔

(۴۳) اس کی تجزیاتی اور تفصیلی بحث میرے زیر تبیض مقالہ" ادب و تحقیق سر سید اور امام احمد رضا کے حوالے سے،" میں ملاحظہ کریں۔

(۴۴) کشف حقائق و اسرار دقائق ص۴ امام احمد رضا بریلوی۔

حقائق و شواہد کہتے ہیں کہ ترجمہ سے لے کر تصنیف و تالیف تک امام احمد رضا نے اردو کو تحقیقی و تنقیدی اور ادبی جواہر پارے سے مالا مال کر دیا۔ اب بھی ان کے ساتھ تخریبی عوامل برتنا جہاں ان کی حق تلفی ہے وہیں ادب و تقاضائے ادب کے ساتھ خیانت بھی۔

ادب کسی عقیدے کا پابند نہیں، وہ زبان کی روح ہوتا ہے۔ ہم اسے اپنے نظریات کے تابع نہیں کر سکتے اور جو ایسا کرتے ہیں ان کا سرمایہ ادب خود ہی گردن زدنی ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں :-

"ادب کی تخلیق کے سلسلہ میں اس بات کی قطعاً کوئی قید نہیں کہ اس میں ادیب نے کس عقیدے کا اظہار کیا ہے یا سرے سے کسی عقیدے کو پیش بھی کیا ہے یا نہیں۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ اس نے جو کچھ پیش کیا ہے اس میں خلوص اور فن کا کیا عالم ہے اگر وہ پر خلوص ہے اور اس کے یہاں تخلیقی عمل توانا ہے نیز وہ اظہار و ابلاغ پر بھی قادر ہے تو لا محالہ اس کی تخلیق ادب کے زمرے میں شامل ہوگی، چاہے اس نے کیسے ہی تاثر یا عقائد کا اظہار کیوں نہ کیا ہو یہ ادب کی پہلی شرط ہے۔" (۴۵)

مگر آج تک شعوری یا غیر شعوری طور پر ہمارے مؤرخین و محققین اور ناقدین اسی

---

(۴۵) تنقید و احتساب۔ ڈاکٹر وزیر آغا۔

دھارے پر چلتے رہے۔ ہمیں اس فکری بندش کو توڑنا ہوگا۔ اس حصار سے نکلنا ہوگا جو ایک تاریخی جرم کا سبب بن رہا ہے ـــــــــ حال و ماضی کے تناظر سے مستقبل کی تہہیں روشن ہو سکتی ہیں۔ ہم ماضی سے کٹ کر تابناک مستقبل کا سراغ نہیں لگا سکتے آگے بڑھنے کے لئے ہمیں پیچھے مڑ کر دیکھنا ہوگا۔ اگر نظریاتی قید و بند سے آزاد ہو کر ہم نے امام احمد رضا کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو یہی کتابیں ہماری تابناک مستقبل کی ضامن اور علمی و فکری ترقیوں کے لئے زینہ بن سکتی ہیں۔

مایوس ہو رہے ہیں یہ کہہ کر معاندین
جتنا دبایا اُتنا ہی شہرہ رضا کا ہے

جو دشمنِ نبی ہیں انہیں خود سے دور رکھ
یہ درس مصطفےٰ کا اور کہنا رضا کا ہے

(نتیجۂ فکر فیضان احمد رضوی)

کلام رضا میں لفظ "الے" کا استعمال

از

ڈاکٹر سید شاہ محمد طلحہ رضوی برق

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی اپنے عہد کی ایک عبقری شخصیت تھے۔ علم وادب کی دنیا میں ان کی قہرمانی مسلّم ہے، میر کا شعر ان پر صادق آتا ہے ؎

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

اس سے قطع نظر کہ حضرت فاضل بریلوی کی شخصیت دنیائے اسلام میں ایک امام، ایک مجدّد، ایک مجتہد اور ایک فقیہہ کی حیثیت سے بے نظیر ہے اور ان کے دینی و علمی کارنامے ان کی زندگیٔ جاوید کے ضامن ہیں، اگر انہوں نے تا عمر کچھ نہ کیا ہوتا اور صرف اپنی نعتیہ شاعری چھوڑ جاتے جب بھی ان کی شہرت وعظمت اردو کے کسی بھی صف اول کے شاعر سے کم نہ ہوتی۔

زبان وبیان پر قدرت ومہارت اور فن شعری میں ان کا استادانہ کمال بے مثال ہے۔

ترسیل وابلاغ کے پیچیدہ نکات اور زبان دانی کے رموز وغوامض ان پر منکشف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کلامِ رضا میں جادو کا اثر لیے حسنِ معنیٰ کے بے پناہ جلوے انگڑائیاں لے رہے ہیں۔

فی الحال میں صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ الفاظ کا برمحل استعمال اور تنوعِ معنیٰ کی وہ ادائیں جو کلامِ رضا میں نظر آتی ہیں، بہت کم کسی کے یہاں ملیں گی۔ کلامِ رضا میں ترنم آفرینی، فصاحت و بلاغت، صنائع بدائع، حسنِ قوافی، روزمرہ، محاورہ، ضرب المثل اور محاسنِ زبان وبیان کی ایک تازہ بہار ہے۔ پروازِ تخیّل، علوئے فکر اور شادابیٔ تصوّر سے اک جہانِ معنیٰ کا طلسم ہوشربا ہے یعنی بقول غالب ؎

گنجینۂ معنیٰ کا طلسم اس کو سمجھئے
جو لفظ کہ غالبؔ مرے اشعار میں آوے

اردو زبان میں لفظ "ارے" شروع سے استعمال ہوتا رہا ہے۔ اساتذہ کے کلام میں یہ لفظ بکثرت ملے گا۔ دیکھنا یہ ہے کہ پردازِ سخن کا یہ انداز حضرت رضا کے یہاں کتنا انوکھا، اچھوتا اور دلچسپ و دل نشیں ہے۔ مشہور استاد میر سوزؔ کا یہ قطعہ بہت مشہور ہے:

گئے گھر سے جو ہم اپنے سویرے ؛ سلام اللہ خاں صاحب کے ڈیرے
وہاں دیکھے کئی طفلِ پری رو ؛ ارے لے رے لے، ارے لے رے لے، ارے لے

حیرت واستعجاب، خوشی ومسرّت، آرزو وتمنّا اور نہ جانے کتنے جذباتِ رنگیں کی عکاسی اک لفظ ارے رے رے سے ہویدا ہے۔ عام بول چال میں لفظ "ارے" تحقیر کا بھی حامل ہے اور پیار، محبت، شفقت، تخاطب، برافروختگی، زور، تاکید اور نہ جانے کتنے پیرایۂ بیان کا آئینہ دار بھی ہے۔ نفسِ مضمون کی ادائیگی، مطالب کی تفہیم حرکت وادا سے بھی ہوتی ہے، لب ولہجہ، تیور، زورِ الفاظ بلکہ شعر کی قرأت کا وہ انداز کہ دل کی کیفیت

کو مصور کردے کوئی آسان کام نہیں، بڑی مہارت اور قادر الکلامی کا متقاضی ہے، الغرض بسیار شیوہ ہاست "ارے" را کہ نام نیست۔

ارے کا استعمال انشاء اللہ خاں انشاء کے یہاں دیکھئے:

لگا بیٹھا انشاء کو ٹھوکر تو ایک
ارے اپنے سونے کے توڑے کی خیر

اشرف علی خاں فغاں کے ایک شعر میں یہی لفظ کیا دل لبھانے کا انداز پیدا کر رہا ہے:

مفت سودا ہے ارے یار کہاں جاتا ہے
آمرے دل کے خریدار کہاں جاتا ہے

آیئے اب دیکھیں کہ صنفِ نعت اور صرف نعت میں حضرت رضا نے ایک عام اور عوامی لفظ "ارے" کو پرداز سخن کی کتنی شقیں بخشی ہیں اور اس آئینہ بندی کو عکاسی جلوہ کے کتنے زاویئے عطا کئے ہیں۔ ملاحظہ ہوں اشعار رضا میں "ارے" کی معنی آفرینیاں:

دل کہاں لے چلا حرم سے مجھے
ارے تیرا برا خدا نہ کرے

استعجاب و کشاکش اور نیم رضامندی کا یہ ڈرامائی انداز قابل تعریف ہے۔ اسی نعت کا دوسرا شعر بایں حسن ادا ملاحظہ ہو:

لے رضا سب چلے مدینے کو ؎ میں نہ جاؤں ارے خدا نہ کرے

تاکید و تشویق، بیان کا ایک دل نشیں انداز ہے۔ لفظ ارے کی سحر انگیزی دیکھئے:

کرتا تو ہے یاد ان کی غفلت کو ذرا روکے
للہ رضا دل سے ہاں دل سے ارے دل سے

تنبیہ و ترغیب کے لئے ارے کا نادر استعمال اس شعر میں ہے۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا ۔۔ ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

تجاہل عارفانہ شعری صنعت ہے۔ یہ خوبصورت انداز بیان ایک لفظ ارے کا مرہون ہے۔

پھر نہ کروٹ لی مدینے کی طرف ۔۔ ارے چل جھوٹ بہانے والے

ارے حرف ندا و صدا کے لئے عام طور پر مستعمل ہے لیکن اشعار میں اس ایک لفظ کا ایسا استعمال جس سے حیرت و توقیر، صدا و خبر، تاسف اور عبرت و نصیحت کا برملا اظہار ہو، فنکاری و چابک دستی کی بین دلیل ہے ان اشعار کی قرارت ملاحظہ ہو :

ارے یہ جلوہ گہ جاناں ہے
کچھ ادب بھی ہے پھڑکنے والے

ارے یہ بھیڑیوں کا بن ہے اور شام آگئی سر پر
کہاں سویا مسافر ہائے کتنا لاابالی ہے !

کرو مصطفیٰ کی اہانتیں کھلے بندوں اس پہ یہ جرأتیں ،
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی؟ ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں

ارے شفقت و محبت کے لئے، ارے نصیحت و عبرت کے لئے، ارے تلقین و تسکین کے لئے، ارے لعن و قدح کے لئے اس تنوع کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ جس کی مثال اردو شاعری میں اور کہیں نہ ملے گی۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں :

اٹھے جو قصرِ دنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی، نہ کہہ کہ وہ ہی نہ تھے ارے تھے

وہ حبیب پیارا تو عمر بھر کرے فیض وجود ہی سر بسر
ارے تجھ کو کھائے تپِ سقر ترے دل میں کس سے بخار ہے

جذبات وکیفیات کی ترسیل، عقیدت ویقین کا ابلاغ عام فہم وسادہ الفاظ کے سہارے حسن وخوش اسلوبی کے ساتھ امام احمد رضا کی نعتوں میں کار فرما ہے وہ بڑی انفرادیت کی حامل ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت رضا کو ملک سخن کی شاہی مسلم ہے۔ اقلیم سخن میں ہر سمت آپ کے سکے رواں ہیں۔ یہ اعتراف حقیقت ہے ان کی تعلّی نہیں، ورنہ خاکساری وانکساری کا یہ عالم ہے کہ ؎

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا، روی تھی کیا کیسے قافیے تھے

حضرت رضا کی تمام تر شاعرانہ صلاحیت وفنکارانہ اعجاز عطائے ربانی ہے اور فیضان رسول ہے ؎

زحسنت تا بہار تازہ گل کرد
رضایت راغ. لخواں آفریدند

—— ٭ ——

ڈاکٹر رشید احمد جالندھری،
ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ
لاہور، پاکستان۔

قرآن مجید اپنی صحت کے اعتبار سے ایک منفرد اور مقدس کتاب ہے۔ اس حقیقت کو ان لوگوں نے بھی تسلیم کیا ہے جو اسے آسمانی کتاب نہیں مانتے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مقدس کتابوں میں سے قرآن مجید شاید واحد کتاب ہے جس کے پیغام کی دنیا میں غلط تعبیر و تشریح کی گئی ہے اس افسوس ناک امر کی ذمہ داری ایک حد تک خود مسلمانوں پر بھی عائد ہوتی ہے۔ مثلاً ماضی قریب تک وہ انگریزی زبان میں ایک مستند ترجمہ و تفسیر پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ اس ناکامی کی ایک وجہ یہ ہے کہ مترجم حضرات نے اپنے ترجمہ کے لیے چند عربی کتابوں اور عربی قوانین کا سہارا لیا اور قرآن فہمی اور ترجمہ کے لیے جو بنیادی شرائط درکار تھیں وہ ان سے بڑی حد تک بیگانہ تھے۔

چنانچہ قرآن کے اس ملکوتی نغمہ کا ادبی حسن وجمال، جس نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلے سامعین کو مسحور کر دیا تھا ترجمہ میں باقی نہ رہ سکا۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اہل علم کی کوششیں بار آور ہونے لگیں۔ اردو، انگریزی اور جرمن زبانوں میں کامیاب ترجمے، اور تشریحی نوٹس لکھے گئے۔ ادھر کئی سال پہلے جب غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ وتشریح کا سوال اٹھا تھا تو جامعہ ازہر نے اس سلسلے میں ۱۹۳۵ء میں ایک کمیٹی تشکیل دی تھی جس نے طے کیا تھا کہ ترجمہ میں مندرجہ ذیل امور کا ملحوظ خاطر رہنا ضروری ہے۔

(۱) عربی زبان کے ان اصطلاحی الفاظ کو جو علم کلام کے ذریعہ وجود میں آئے ترجمہ میں جگہ نہیں ملنی چاہیئے۔

(۲) سائنسی اور فلکیاتی مسائل ترجمہ پر اثر انداز نہیں ہوں گے۔ ترجمہ عربی زبان کے قواعد وضوابط کی روشنی میں سرانجام دیا جائے گا۔

(۳) اس امر کی کوشش کی جائے کہ قارئین ترجمہ کے ذریعہ قرآن مجید کی روح سے آشنا ہوں، معجزات کی تشریح ان کے سیاق وسباق کی روشنی میں کی جائے۔

ہر چند ایک مدت تک ان سفارشات کی روشنی میں ترجمہ نہیں کیا جاسکا اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ترجمہ قرآن کے بارے میں پرانی بحث ختم ہو گئی۔ شیخ مراغی اور شیخ شلتوت مرحوم نے ترجمہ کی ضرورت پر مضامین لکھے۔ انہوں نے ترجمہ کے جواز پر حنفی نقطہ نظر کو تسلیم کر لیا۔

چنانچہ انفرادی طور پر پوری دنیائے اسلام میں قرآن مجید کے تراجم دوسری زبانوں میں کیے گئے، اس سلسلے میں اردو زبان میں بھی تراجم ہوئے۔

اردو زبان میں جن اہل علم نے ترجمے کیے، آدمی ان کی نیکی، اخلاص اور محنت کی داد

دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان تراجم کی اکثریت ایسی ہے کہ جو قرآن مجید کے بے مثال ادبی و معنوی حسن کی ترجمانی نہیں کرتی۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان خدا ترس اہل علم کو اردو زبان کی ادبی سرمایہ پر عبور حاصل نہیں تھا۔ نیز یہ کہ ہر زبان کا اپنا اسلوب بیان ہے جس کا ترجمہ میں ملحوظ خاطر رہنا ضروری ہے مثلاً انگریزی یا عربی میں منفرد کے لئے منفرد ہی کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے ذھب فلاں، He went لیکن اس کا ترجمہ اردو زبان میں شخصیت کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھتے ہوئے جمع کے ساتھ کیا جائے گا مثلاً وہ تشریف لے گئے۔ اگر کسی بڑی علمی و مذہبی خاص طور پر پیغمبر کی ذات گرامی کے ذکر میں عربی یا انگریزی سے ترجمہ مفرد ہی میں کیا جائے تو وہ ذوق سلیم پر گراں گذرے گا۔ چنانچہ ترجمہ و تشریح میں ادب کا ملحوظ رکھنا از بس ضروری ہے۔

رسالہ قشیریہ کے معروف عالم ابو القاسم عبد الکریم القشیری نے جو علمائے آخرت میں سے تھے لکھا ہے کہ شیخ ابو علی دقاق فرماتے تھے کہ قرآن نے حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔ " وایوب اذ نادی ربہ انی مسنی الضر و انت ارحم الرّاحمین" (انبیاء ۸۳) یہاں حضرت ایوب علیہ السلام نے "ارحمنی" مجھ پر رحم کیجئے، نہیں کہا اس لئے کہ وہ آداب سے آگاہ تھے۔ سورہ مائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا ہے۔ آپ خدائی سوال کے جواب میں عرض کریں گے:" ان تعذبھم فانھم عبادک" آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے مزید عرض کی۔" ان کنت قلتہ فقد علمتہ" یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت باری تعالےٰ آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے نفی میں جواب نہیں دیا۔ یعنی الم اقلہ نہیں کہا (سورہ مائدہ ۱۱۶) شاید یہی وجہ ہے کہ بعض عارفین نے قرآن مجید کی آیۃ کریمہ الا المطھرون کا معنی یہ کیا

ہے کہ قرآن کے معانی کا نزول پاکیزہ دلوں ہی پر ہوتا ہے۔

گذشتہ دنوں جب مولانا عبدالقیوم ہزاروی نے از راہ کرم مجھے مولانا احمد رضا خاں مرحوم کے ترجمہ قرآن کا تحفہ دیا تو خاکسار نے اس ترجمہ کو مقدور بھر غور سے پڑھا اس ترجمہ کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ مولانا مرحوم نے ترجمہ میں قرآن مجید اور حامل قرآن صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام بلند کے آداب کو نگاہ میں رکھا ہے۔ یہاں صرف دو مثالوں پر اکتفا کرونگا سورۃ الضحیٰ میں آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔ "ووجدک ضالاً فھدیٰ" مولانا اس کا یوں ترجمہ کرتے ہیں۔ "اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی"۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ زمانہ نبوت سے پہلے بھی ان کے دامن وقار و تمکنت پر قبائلی رسم و رواج یا اہل مکہ کی بت پرستی و گمراہی کا کوئی داغ نہیں ہے اس لئے اس آیت کریمہ میں لفظ "ضلال" کا ترجمہ وہی زیادہ مناسب ہے جو مولانا نے کیا ہے ایسے ہی ایک دوسری سورت النجم میں آیا ہے۔ "وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی" "اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے" اس آیت کریمہ کے بعد "ماضل صاحبکم وما غویٰ" آیا ہے جو اس ترجمہ کے حق میں ہے۔ قدماء میں سے معروف صوفی سہل تستری نے بھی "والنجم اذا ھویٰ" سے مراد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی لی ہے۔

معزز حضرات! منتخب التواریخ میں عبدالقادر بدایونی نے شیخ علائی کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ اپنے وقت کے عالم تھے لیکن جب شیخ نیازی سے ملاقات ہوئی تو ان پر قرآن فہمی کا ایک نیا دروازہ کھلا۔ بدایونی لکھتے ہیں:-

"معانی قرآن ونکات وحقائق آں باسانی برومکشوف گشت"۔

ملا بدالیونی کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے ابوالکلام تذکرہ میں لکھتے ہیں۔ "اور یہ بالکل سچ ہے اب تک قرآن جس قدر پڑھتے پڑھاتے رہے تھے بیضاوی وبغوی کی ورق گردانی تھی اور محض نقالی سے قرآن کی حقیقت کب کھل سکتی ہے۔ اس کے لئے تو جبرئیل عشق کے فیضان اور دل دردمند کے الہام کی ضرورت ہے"۔

مولانا احمد رضا خاں کے ترجمہ قرآن میں اسی "دل دردمند" کی آواز سنائی دیتی ہے۔

۔ٍ۔ ۔ٍ۔ ۔ٍ۔

الفاظ بہہ رہے ہیں دلیلوں کی دھار پر

چلتا ہوا قلم ہے کہ دھارا رضا کا ہے

"حضرت رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری اپنے آئینے میں"

ماہر رضویات ڈاکٹر محمد مسعود احمدؒ

نیاز فتحپوری

"مولانا کے بعض اشعار میں نعت مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنی انفرادیت کا دعویٰ بھی ملتا ہے جو ان کے کلام کی خصوصیات سے ناواقف حضرات کو شاعرانہ تعلّی معلوم ہوتا ہے ـــــ مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے فرمودات بالکل برحق ہیں۔" (مشہور ادیب و نقاد نیاز فتح پوری)

○ ـــــ قرآنی تصور یہ ہے کہ جنّ و انس اللہ کی بندگی اور جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں (ذٰریت: ۵۶) ہم زندہ ہیں تو ان کے لئے ـــــ مریں گے تو انہیں کے دیدار کے لئے ـــــ حشر میں اٹھیں گے تو انہیں کی شفاعت کے لئے ـــــ وہ مطلوب و مقصود کائنات ہیں۔

ان کی غلامی ہی اللہ کی بندگی ہے ___ من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ (نسآء: ۸۰) اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کے دو پیمانے نہیں ___ اللہ نے اپنے کرم سے ایک ہی پیمانہ رکھا ہے۔ (توبہ: ۲۴) اللہ ہر طرف ہے، سجدہ بیت اللہ ہی کی طرف کیوں؟ ___ قرآن حکیم نے یہ راز کھولا کہ محبوب رب العالمین کی رضا اسی میں ہے۔ ان کا رخِ مبارک اسی طرف ہے اس لئے سب اس طرف سجدہ کیا کریں۔ (بقرہ: ۱۴۴) بیت اللہ ہمارے محبوب کا منظور نظر ہے، یہی اس کی سب سے بڑی فضیلت ہے ___ اور ہم نے بیت اللہ سے بیت المقدس کی طرف جو آپ کا رخ پھیرا تھا تو اس لئے کہ ہمیں یہ دیکھنا تھا کہ کون بیت اللہ کو چاہتا ہے اور کون ہمارے محبوب کو چاہتا ہے۔ (بقرہ: ۱۴۲) ہمیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چاہنے والے ہی اچھے لگتے ہیں، جس طرف وہ دیکھ رہے ہیں تم بھی اسی طرف دیکھو۔ (بقرہ: ۱۴۴) ___ ہم ان کو دیکھ رہے ہیں، تم بھی ان کو دیکھو۔ ___ ہم بھی اور ہمارے فرشتے بھی ان پر درود بھیج رہے ہیں، تم بھی درود و سلام بھیجو ___ بار بار بھیجو (احزاب ۵۶) ___ انہیں کے گیت گائے جاؤ ___ انہیں کے نغمے الاپے جاؤ ___ حضرت رضا بریلوی اس قرآنی تصور پر ایمان و یقین رکھتے تھے ___ کیا خوب کہا ہے ؎

دھن میں زباں تمہارے لئے ؛ بدن میں ہے جاں تمہارے لئے
ہم آئے یہاں تمہارے لئے ؛ اٹھیں بھی وہاں تمہارے لئے

عشق و محبت کی ساری داستانیں اس ایک شعر میں سمو کر رکھ دیں! ___ اللہ اللہ! بدن میں جاں ان کے لئے ہے ___ دہن میں زباں ان کے لئے ہے! تو پھر کیوں نہ ان کے گیت گائے جائیں؟ ___ پھر کیوں نہ ان کے نغمے الاپے جائیں؟ ___ ہاں نعت لکھنے کو دل چاہتا ہے، ___ مگر قلم کہاں سے لائیں ___؟ روشنائی کہاں سے لائیں جو اس جانِ جاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و ثنا کریں ___؟

حضرت رضا بریلوی کی نظر درخت طوبیٰ کی طرف اٹھتی ہے ـــــ جنت عدن کے اس درخت کی جڑ سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایوانِ معلّٰی میں ہے اور شاخیں ہر جنت کی کھڑکیوں اور محلوں میں پھول رہی ہیں ـــــ اس میں سوائے سیاہی کے ہر خوش نما رنگ جنت نظارہ بنا ہوا ہے ـــــ جڑ سے کافور سلسبیل کی نہریں رواں ہیں ـــــ ہاں اس درخت کی بلندیاں اللہ اللہ! ـــــ

حضرت رضا بریلوی کی نظر اس درخت کی سب سے اونچی، نازک، سیدھی شاخ پر پڑتی ہے ـــــ یہی اس قابل ہے کہ جب محبوب رب العالمین کی مدح وثناء کے لئے ہاتھ میں قلم ہو تو اسی شاخ کا قلم ہو جس کو ہر رنگ نے چھُوا مگر سیاہی نے نہ چھُوا ـــــ حضرت رضا بریلوی، حضرت جبرئیل علیہ السّلام سے کچھ کہنا چاہتے ہیں ؎

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی، نازک، سیدھی نکلی شاخ
مانگوں میں نعتِ نبی لکھنے کو روحِ قدس سے ایسی شاخ

○ ـــــ نعت گوئی حضرت رضا بریلوی کے خمیر میں گندھی ہوئی تھی ـــــ روزِ الست ہی یہ فیصلہ ہوگیا تھا، اور نعت مصطفٰے (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا تاج سر پر رکھ دیا گیا تھا ـــــ

زحسنت تا بہار تازہ گل کرد
رضایت را غزل خواں آفریدند

○ ـــــ قرآن حکیم سے نعت گوئی سیکھی اور احکام شریعت کو پیش نظر رکھا، فکر و خیال کو نفس سے محفوظ رکھا اور پامال نہ ہونے دیا ؎

ہوں اپنے کلام سے نہایت محفوظ
بے جا سے ہے، اَلْمِنَّۃُ لِلّٰہ محفوظ

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

○——— نعت گوئی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو رہبر بنایا اور ان کے نقش قدم پر چلتے رہے ——— وہ مداح رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود منبر بچھایا اور ان کو بٹھایا ——— دعاؤں سے نوازا ہے

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو

نقش قدم حضرت حسّان بس ہے

○——— حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی کفش برداری اور در کی دربانی اور جاروب کشی کو حضرت رضا بریلوی نے اپنے لئے سعادت سمجھا ہے

کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں

کہ رضائے عجمی ہو، سگِ حسّانِ عرب

○——— اردو نعت گوئی میں شہید جنگِ آزادی مولانا کفایت علی کافی کا رنگ پسند آیا کہ وہ اللہ کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا ——— وہ درد و سوز سے معمور تھا ——— وہ زندگی سے بھرپور تھا ——— وہ ایک مہکتا چمن تھا ہے

مہکا ہے مرے بوئے دہن سے عالم

یاں نغمۂ شیریں نہیں تلخی سے بہم

کافی سلطانِ نعت گویاں ہیں رضا

ان شاء اللہ میں وزیر اعظم

○——— مگر بلندیٔ فکر اور مضمون کی بندش میں کمال کے باوجود مولانا کفایت علی کافی

کے دردِ دل کے آرزو مند رہے کہ بغیر دردِ دل کے شاعری، شاعری نہیں۔ ؎

پرواز میں جب مدحتِ شہ کے آؤں

تا عرش پر فکر رسا سے جاؤں

مضموں کی بندش تو میسّر ہے رضا

کافی کا دردِ دل کہاں سے لاؤں!

○ —— یہ آرزو پوری ہوئی، وہ دور بھی آیا جب دردِ دل اور سوزِ جگر سے سینہ پھُنکنے لگا —— لاوا اُبلنے لگا ؎

آکچھ سنادے عشق کے بولوں میں اے رضا

مشتاق طبع، لذتِ سوزِ جگر کی ہے

○ —— شاعری میں کسی کو استاد نہ بنایا۔ فیضِ ربِّ قدیر سے کارگہ فکر میں انجم ڈھلتے رہے —— دیکھنے والے دیکھ کر جھومتے رہے ؎

جبینِ طبع، نا سودہ داغِ شاگردی سے

غبارِ منتِ اصلاح سے ہے دامن دور

اور ——

ع نظمِ پر نور رضا، لوث تلمذ سے ہے پاک

○ —— حضرت رضا بریلوی نے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رسوا نہ کیا۔ شاعری کو پیشہ نہیں بنایا بلکہ شاعری کی ہوس ہی کو دل سے نکال باہر پھینکا۔ محبت کو سینے سے لگا کر رکھا۔

ع پیشہ مرا شاعری، نہ دعویٰ مجھ کو

ع نہ شاعری کی ہوس نہ پروا

○— بس اتنا ہی بہت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں اور ثنا خوانوں میں شامل کرلیا گیا ہے، یہی سعادت ہر سعادت سے بلند و بالا ہے ؎

ہے بلبل رنگیں رضاؔ، یا طوطئ نغمہ سرا!
حق یہ کہ واصف ہے ترا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

○— حضرت رضا بریلوی کی نظر میں وہی آنکھ، آنکھ ہے جو ان کا دیدار کرتی رہے ——— وہی لب، لب ہیں جو ان کی مدح میں زمزمہ خواں رہے ——— وہی سر، سر ہے جو ان کے آگے جھکتا رہے ——— اور وہی دل، دل ہے جو ان پر قربان ہوتا رہے ؎

وہی آنکھ، اُن کا جو منہ تکے، وہی لب کہ محو ہوں نعت کے
وہی سر، جو ان کے لئے جھکے، وہی دل جو ان پہ نثار ہے

○— رات دن اسی جانِ جاں صلے اللہ علیہ وسلم کے تصور میں گم رہنا، خیال کی دنیا کو چہرۂ انور کی تابانیوں سے بسائے رکھنا، فراق میں بھی وصال کے مزے لوٹنا ؎

تھا ملاقاتِ رضا کا ہمیں اک عمر سے شوق
بارے، آج اسکو مدینہ میں غزل خواں دیکھا

○— وہ ہند میں رہتے تھے مگر مدینہ میں بسے تھے ——— جسم یہاں، روح وہاں ——— دماغ یہاں، خیال وہاں ——— سینہ یہاں، دل وہاں ؎

جان و دل ہوش و خرد، سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضاؔ، سارا تو سامان گیا

○— تاجدار دو عالم، جانِ جہاں، جانِ جاں، جانِ ایماں صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت

میں وہ محویت نصیب ہوئی جس نے مدح وذم اور تعریف وتوصیف سے بے نیاز کر دیا۔ ان کے در پر ایسا جھکایا کہ ہر چوکھٹ سے بے پروا کر دیا ؎

نہ مرا نوش ز تحسین، نہ مرا نیش ز طعن

نہ مرا گوش بمدحے، نہ مرا ہوش ذمے

منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد در وے

جز من و چند کتابے، دوات و قلمے

○—— اللہ کی عطا نے اور حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلم کے کرم نے نعتوں کو یہ سوز وساز بخشا کہ جس کو دیکھئے نثار ہو رہا ہے، جس کو دیکھئے سر دھن رہا ہے ؎

اے رضا جانِ عنادل، ترے نغموں کے نثار!

بلبل باغ مدینہ، ترا کہنا کیسا ہے!

○

رضائے خستہ کا کیا کہنا، عجب جادو بیانی ہے

نمک ہر نغمۂ شیریں میں ہے، شورِ عنادل کا

○—— سارے عالم میں دھوم ہے، بوستاں گونج رہے ہیں، دل تڑپ رہے ہیں، آنکھیں برس رہی ہیں ؎

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں!

کیوں نہ ہو؟ کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

○—— گلشن مہک رہے ہیں، خوابیدہ دل بیدار ہو رہے ہیں، روشنیاں پھیل رہی ہیں، سینوں میں کونین سما رہے ہیں ؎

کیوں نہ گلشن مری خوشبوئے دھن سے مہکے !

باغِ عالم میں ، میں بلبل ہوں ثنا خواں کس کا ؟

○ —— اللہ اللہ کیا سماں ہے ۔ مرغانِ نغمہ سنج آج خاموش خاموش سے ہیں ۔ صف بہ صف آگے بڑھ رہے ہیں ، نذرانوں میں چمن پہ چمن پیش کر رہے ہیں —— کہ آج وہ بلبل چہچہار ہا ہے جس کے چہک نے سب بلبلوں کو دم بخود کر دیا ہے ۔ ؎

اے رضا ، وصف رخِ پاک سنانے کے لئے

نذر دیتے ہیں چمن ، مرغِ غزل خواں ہم کو

○ —— فارسی نعتوں کی یہ بلندیاں کہ نور الدین عبد الرحمٰن جامی جیسا باکمال نعت گو شاعر بھی حیران نظر آرہا ہے ؎

طوطیٔ اصفہاں ، سن کلام رضا

بے زباں ، بے زباں ، بے زباں ہو گیا

○ —— سب نے مانا —— سب نے تسلیم کیا ، اردو زبان میں حضرت رضا جیسا باکمال نعت گو شاعر پیدا نہیں ہوا ؎

یہی کہتی ہے ، بلبلِ باغِ جناں ، کہ "رضا کی طرح کوئی سحر بیاں"

"نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ ، مجھے شوخیٔ طبعِ رضا کی قسم !"

○ —— اس کے فکر کی بلندیوں ، خیال کی وسعتوں ، جذبات و احساسات کی سرمستیوں کا یہ عالم کہ " بہارِ بہشت خلد ، بھی " چھوٹا سا عطر دان ، بنی جا رہی ہے ؎

بزمِ ثنائے زلف میں ، میری عروسِ فکر کو

ساری بہارِ ہشت خلد ، چھوٹا سا عطر دان ہے

○ــــ اس میں کسی کو شک نہیں، اس میں کسی کو شبہ نہیں کہ ملک سخن کی شاہی حضرت رضا بریلوی ہی کو جچتی اور سجتی ہے ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

○ــــ اور اس ملک سخن کی وسعتوں کا کیا ٹھکانا جہاں نعت کی حکومت ہے۔ جہاں عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سکہ چلتا ہے۔ جہاں کے ماہ و سال نئے، جہاں کے شب و روز نئے، جہاں زندگی ہی زندگی ہے ــــ جہاں روشنی ہی روشنی ہے ؎

ہے مرے زیر نگیں ملک سخن تا ابد
مرے قبضے میں اس خطے کے چاروں سرحد
اپنے ہی ملک سے تعبیر ہے ملک سرمد
ہے تصرف میں مرے کشور نعت احمد

○ــــ ملک نعت کی اس تاجداری و شہریاری کے باوجود جب وہ نعت کی بلندیوں اور رفعتوں پر نظر ڈالتے ہیں تو عقل کے حیرت کدے میں کچھ کھو سے جاتے ہیں ــــ خود باختگی اور خود رفتگی کے اس عالم میں بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں ؎

کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے
سکتہ میں پڑی ہے عقل چکر میں گماں آیا

○...... عقل سکتہ میں کیوں نہ پڑے کہ وہ ذات آپ کی مدح و ثنا کر رہی ہے جو عقل سے وراء وراء الوراء اور وراء الوراء ہے ؎

اے رضا خود صاحب قرآں ہے مداح رسول

تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

حضرت رضا بریلوی نعت کی بلندی اور عقل کی نارسائی کے باوجود ہمت نہیں ہارتے ــــــ جب تک دنیا میں رہے آپ ہی کا نام جپتے رہے آپ ہی کے گیت گاتے رہے ــــــ جب دنیا سے گئے تو آپ ہی کا داغ محبت لے کے گئے ؎

لحد میں عشقِ رُخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سُنی تھی، چراغ لے کے چلے

ــــــ اور اب آرزو یہ ہے کہ کاش میدان محشر میں جب نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوں تو خدمت گار فرشتے دیکھتے ہی پہچان لیں کہ یہ وہی تو عاشقِ خستہ جگر ہے جو جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سلام نذر کیا کرتا تھا اور سلام کے یہ نجرے ہم پیش کیا کرتے تھے ــــــ تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خوشی خوشی قبول فرمایا کرتے تھے ــــــ وہ اپنے عاشقوں کو خوب جانتے پہچانتے ہیں ــــــ تو جب میدانِ محشر میں تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوں اور سب آپ کے حضور صلوٰۃ وسلام پیش کریں تو فرشتے مجھے دیکھتے ہی بول اٹھیں، اے رضا!

وہی سلام پڑھو، وہی سلام ــــــ آج تو جانِ جاناں صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے سامنے جلوہ فرما ہیں..... ؎ مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں، ہاں رضا!

"مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام"

اے کاش جب فرشتے اشارہ کریں تو رضا کی زباں پر انہیں کے نغمے جاری ہو جائیں!

اے کاش انہیں کے جھنڈے تلے میں نعت پڑھتا چلوں ؎

صبا وہ چلے کہ باغ پھلے، وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے
لِوا کے تلے ثنا میں کُھلے، رضا کی زباں تمہارے لئے!

امام احمد رضا کی فقہی بصیرت

تعلیقات بر حاشیۂ طحطاوی کی روشنی میں

محمد عبد المبین نعمانی قادری
دار العلوم قادریہ چریاکوٹ
مئو، اعظم گڈھ۔
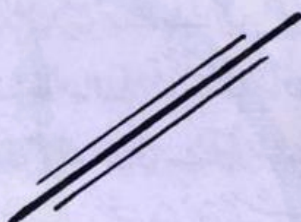
——— اللہ رب محمد صلی علیہ وسلما وعلی ذویہ والہ ابد الدھور وکرما۔

ردّ المحتار علی الدر المختار معروف بہ فتاویٰ شامی سے کون اہل علم واقف نہیں۔ اسی مشہور حاشیہ کے متن درمختار شرح تنویر الابصار پر حضرت علامہ سید احمد بن محمد بن اسمٰعیل طحطاوی مصری (متوفی ۱۲۳۱ھ) نے بھی حاشیہ لکھا ہے جو حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کے نام سے موسوم اور طحطاوی علی الدر سے مشہور ہے اس حاشیے کی اہمیت کے لئے یہی کافی کہ حضرت علامہ ابن عابدین شامی قدس سرہٗ نے اپنے حاشیے میں اس سے استفادہ کیا ہے۔ یہ دونوں حواشی پورے عالم اسلام میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور فتاوے میں ان کے حوالے مقبول ومعتمد ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے ہر دو پر اپنی تعلیقات سپرد

قلم فرمائی ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں ہم یہاں حاشیہ طحطاوی علی الدر پر تعلیقاتِ رضا کا تعارف خصوصیات اور بعض اہم نمونے پیش کرتے ہیں۔ مجدد اسلام مقبول انام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے حواشی اور تعلیقات کا درجہ عام حواشی اور تعلیقات سے بالکل مختلف ہے۔

عام طور سے محشی حضرات کسی ایک کتاب کا انتخاب کر لیتے ہیں پھر اپنی پوری صلاحیت اس پر صرف کرتے ہیں اس کے ہر ہر گوشے پر لغوی و معنوی انداز سے بحث کرتے ہیں اور اس سلسلے میں قدیم حواشی اور اقوال کو بھی حتی المقدور نقل و جمع کرتے جاتے ہیں۔ اس طرح اکثر حواشی حجماً ضخیم و عظیم ہو جاتے ہیں جو محشی کے کثرت مطالعہ اور ذوق تحقیق کی نشانی قرار پاتے ہیں جن حضرات نے کتب فتاویٰ وغیرہ پر اس طرح کی علمی خدمت کی ہے یقیناً سراہنے کے قابل ہے اور ان کے احسانات سے ہماری گردنیں جھکی ہیں مگر میدان تحقیق و تدقیق کے شہسوار اسلامی علوم و معارف کے بحر ناپیدا کنار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ جب کسی کتاب پر حواشی و تعلیقات سپرد قلم فرماتے ہیں تو آپ کا انداز بالکل جداگانہ اور منفرد ہوتا ہے آپ متن کے ہر ہر لفظ کی تحقیق اور عبارت کی پوری تشریح میں اپنے کو مصروف نہیں کرتے بلکہ متعلقہ کتاب کا مطالعہ فرماتے چلے جاتے ہیں اور جہاں کہیں مصنف نے کوئی لغوی تحقیق میں کمی کی، جس سے عبارت کا مفہوم کما حقہ سمجھنے میں قاری کو دقت ہو سکتی ہے یا غلطی میں پڑ سکتا ہے تو آپ فوراً اس کمی کو پورا فرماتے ہیں پھر اگر لغوی تحقیق میں کوئی خامی اور غلطی دیکھتے ہیں تو اس پر بھی متنبہ فرماتے ہیں اور اگر مصنف نے کوئی تاریخی غلطی کی ہے یا اسماء الرجال تسامح واقع ہوا ہے تو پورے شرح و بسط کے ساتھ اس کی بھی نشاندہی فرماتے ہیں۔ یا اگر مصنف نے غیر مفتیٰ بہ قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے یا حسن کو احسن بتایا ہے تو اس کی بھی تفصیل و تحقیق فرماتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مصنف یا شارح نے کسی مسئلہ کو بیان کر کے ایک یا چند حوالوں پر

اکتفا فرمایا اور دوسری کتب میں بھی یہ مسئلہ مُصَرّح ہے تو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ ان تمام کتب کی نشاندہی فرماتے ہیں جن جن میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے اور بسا اوقات حسب ضرورت کلمات وعبارات کے اختلاف وتفاوت پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی ترجیحی رائے بھی حوالہ قلم فرماتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شارح یا محشی متن کی تشریح کرتے ہوئے عبارت میں چند احتمالات پیش کر کے چھوڑ دیتے ہیں تو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ ان میں ترجیح فرماتے ہیں اور اگر کسی کتاب میں کوئی عبارت موقع ومحل کے لحاظ سے غیر مناسب نظر آتی ہے تو اس پر بھی خطِ تصحیح کھینچتے ہوئے مناسب عبارت کی نشاندہی فرماتے ہیں۔ گویا اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے حواشی وتعلیقات میں بھی شانِ افتا، جذبہ اصلاح اور تحقیق وتدقیق پوری آب وتاب کے ساتھ نگاہوں کو خیرہ کرتے نظر آتے ہیں جنہیں دیکھ کر ہر انصاف پسند اس حقیقت کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اعلیٰ حضرت کے حواشی وتعلیقات مستقل تصنیف وتحقیق کا درجہ رکھتے ہیں۔ قدیم شروح وحواشی کا انتخاب یا عطرِ مجموعہ نہیں ہوتے جیسا کہ بیشتر شروح و حواشی کا حال ہے جنہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی تحریروں کے مطالعہ کا موقع ملا ہے وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اگر اعلیٰ حضرت شروح وحواشی کے معروف طریقے پر کسی کتاب کی عبارت کی شرح لکھتے تو شاید کسی ایک ہی کتاب کی شرح لکھنے میں عمر تمام ہو جاتی اور شرح پوری نہ ہو پاتی کیوں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس کو انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا منشا اس طرح اپنے علم کی شان دکھانا نہ تھا بلکہ آپ کا منصب، تو منصب تجدید واصلاح تھا۔ لہٰذا جب جس امر کے بارے میں سوال ہوا اس پر سیر حاصل گفتگو فرمائی اور مسئلہ کی تمام جہتوں کو اجاگر کر دیا جو آپ کا شرعی و دینی فریضہ تھا، اسی طرح جب کسی کتاب کا مطالعہ فرمایا تو اس میں جہاں جہاں

اصلاح و ترمیم اور تشریح و تصریح کی جس قدر ضرورت تھی اس پر نوٹ لگائے بغیر آگے نہیں بڑھے اور یہ بھی آپ کا دینی و علمی فریضہ تھا اس طرح آپ کے مطالعہ سے گذری ہوئی کم کتابیں ایسی ہوں گی کہ اس پر آپ کے حواشی یا تعلیقات یا نوٹس نہ ہوں ان میں بعض مبسوط ہیں بعض بہت مختصر سر دست حاشیہ طحطاوی پر اعلیٰ حضرت کی تعلیقات کے چند نمونے پیش کئے جا رہے ہیں جن سے اعلیٰ حضرت کے تعلیقات کی اہمیت بخوبی واضح ہو جائے گی۔ پہلے علامہ طحطاوی کے قول کا خلاصہ پیش ہوگا پھر اس پر اعلیٰ حضرت کی تعلیق کا خلاصہ۔

علامہ طحطاوی :۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط، میں لفظ رحمٰن و رحیم پر بحث کرتے ہوئے علامہ طحطاوی فرماتے ہیں بعض کے نزدیک رحمٰن اَبۡلَغ ہے اور اس کو زمخشری مشہور معتزلی مفسر (صاحب کشّاف) نے پسند کیا ہے اور بعض کے نزدیک رحیم ابلغ ہے قول ثانی یعنی رحیم کے ابلغ ہونے پر امام طحطاوی نے بطور دلیل ایک حدیث بیان کی جس میں رَحِیۡمُ الدُّنۡیَا وَ رَحۡمٰنُ الۡاٰخِرَۃِ آیا ہے۔ علامہ طحطاوی کا مقصد شاید یہ ہے کہ لفظ رحیم کو دنیا کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جس میں اس کے مورد مومنین اور کفار دونوں ہیں مگر رحمٰن کو آخرت کے ساتھ خاص کیا جہاں صرف مومنین ہی رحمت کے مستحق ہوں گے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں حدیث کے اندر رَحۡمٰنُ الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ رَحِیۡمُھُمَا بھی آیا ہے۔ یعنی دنیا و آخرت کا رحمٰن اور ان دونوں کا رحیم۔ لہٰذا کسی ایک حدیث کے پیش نظر رحمٰن کو آخرت سے خاص کرنا اور رحیم کو دنیا سے صحیح نہیں ہے اور حدیث پاک کے الفاظ دونوں مذاہب کا رد کرتے ہیں اور مذکورہ حدیث میں رحمٰن و رحیم کا ذکر تغیر کے ساتھ از راہ تفنن ہے اور صحیح وہی ہے جسے علامہ طحطاوی نے خود آگے بیان کیا ہے کہ ہر ایک اپنی اپنی حیثیت سے ابلغ ہے یعنی یہ کہنا صحیح نہیں کہ رحمٰن رحیم سے زیادہ بلیغ ہے یا رحیم رحمٰن سے

زیادہ، رحمٰن جو فعلان کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے یہ استیلاء و غلبہ کی حیثیت سے ابلغ ہے اور رحیم جو فعیل کے وزن پر مبالغہ ہے جس میں تکرار کا معنی پایا جاتا ہے۔ لہٰذا اس تکرارِ معنی کی حیثیت سے ابلغ ہے۔

علامہ طحطاوی اور بسم اللہ کے احکام و مقامات بیان کرتے ہوئے علامہ طحطاوی فرماتے ہیں بعض جگہ بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے اور انہیں مقامات میں سے ایک مقام سورۂ برارت سے ابتدائے قرارت ہے یعنی جب سورۂ برارت سے ہی پڑھنا شروع کرے تب بھی بسم اللہ نہ پڑھے کہ یہ مکروہ ہے۔ پھر فرماتے ہیں لیکن بعض مشائخ فقہانے کراہت کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ جب سورۂ برارت کو سورۂ انفال (اس سے پہلے والی سورت) سے ملا کر پڑھے تو مکروہ ہے ورنہ سورۂ برائت ہی سے ابتدا ہو تو بسم اللہ پڑھنا بدستور سنت ہے۔

گویا علامہ طحطاوی اس بات کی توثیق کرتے ہیں کہ ابتداء قرارت میں بھی بسم اللہ مکروہ ہے اور ضعف کے ساتھ بعض مشائخ کی طرف نسبت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ پہلی والی سورۃ سے ملا کر پڑھے تو بسم اللہ مکروہ ہے ورنہ سنت (حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے، یعنی یہ قول اخیر ہی قوی ہے نہ کہ ضعیف،)

اعلیٰ حضرت : فرماتے ہیں میں کہتا ہوں یہی بات اس حدیث پاک سے ثابت ہے جس میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ برارت کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ بیان فرمائی ہے۔

اعلیٰ حضرت نے جس حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ حدیث ترمذی شریف جلد دوم صفحہ ۱۳۴ پر اس طرح درج ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

دریافت فرمایا کہ سورۂ انفال اور سورۂ برارت کے درمیان بسم اللہ نہ لکھنے کی کیا وجہ ہے تو آپ نے فرمایا جب کوئی آیت نازل ہوتی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کاتبین وحی کو حکم فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ میں شامل کر دو۔ سورۂ انفال مدینہ طیبہ میں نازل ہونے والی ابتدائی سورتوں میں ہے جبکہ سورۂ برارت آخر قرآن سے ہے ان دونوں کے بیان کی مشابہت کی وجہ سے میں نے ان دونوں کو ایک شمار کیا۔ اس کے بعد حضور وصال فرما گئے اور آپ نے ان دونوں سورتوں کے ایک ہونے کے بارے میں کچھ نہ فرمایا تو میں نے ان دونوں کو بسم اللہ کے بغیر ملا دیا۔" (ترمذی ملخصاً)

لہٰذا اس حدیث سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ سورۂ برارت جب انفال کے ساتھ پڑھی جائے تو اس میں بسم اللہ نہ پڑھے اور ابتداءً پڑھنے کی صورت میں بسم اللہ کی نفی نہیں، بلکہ بسم اللہ پڑھیں گے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ جیسے کہ کسی سورۃ کو جب بیچ سے پڑھنا شروع کریں تو بسم اللہ پڑھیں گے گویا اعلیٰ حضرت قدس سرہ بعض مشائخ کی طرف نسبت کر کے جس قول کو ضعیف بیان کیا گیا ہے اسی کی توثیق و تائید فرماتے ہیں اعلیٰ حضرت کے خلیفۂ ارشد حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت بھی غنیہ کے حوالے سے اسی کی تصریح کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں سورۂ برارت سے اگر تلاوت شروع کی تو اعوذ باللہ بسم اللہ کہہ لے اور اس کے پہلے سے تلاوت شروع کی اور سورۂ برارت آ گئی تو تسمیہ پڑھنے کی حاجت نہیں (غنیہ) اور جو یہ مشہور ہے کہ سورۂ توبہ ابتداءً بھی پڑھے جب بھی بسم اللہ نہ پڑھے یہ محض غلط ہے (بہار شریعت ۳ / ۱۰۲/۱۰۱ رضوی کتاب خانہ بریلی)

علامہ طحطاوی درِ مختار کے مصنف علامہ علاء الدین حصکفی (متوفی ۱۰۸۸ھ) نے کتاب کے خطبہ میں خدائے تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا یَا مَنْ شَرَحَ صُدُوْرَنَا الخ

اے وہ جس نے ہمارے سینوں کو کھول دیا،۔

اس پر علامہ طحطاوی فرماتے ہیں مراد ہے اے وہ جس کو پکارا گیا اور یہ تعظیم کے طور پر ہے"۔

اعلیٰ حضرت :۔ اس پر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اس کی مزید تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس طرز تخاطب کو بعض لوگوں نے مکروہ قرار دیا ہے لیکن حق یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کیوں کہ بہت سی احادیث میں اس طرح کا خطاب مذکور ہے۔ ان میں ایک حدیث تو یہ ہے کہ حضور نے فرمایا یَا مَنْ سَتَرَ الْقَبِیْحَ وَ اَظْهَرَ الْجَمِیْلَ (اے وہ جس نے قبیح کو چھپایا اور جمیل کو ظاہر فرمایا) دوسری یہ ہے کہ حضور نے فرمایا۔ یَا مَنْ وَعَدَ فَوَفَا وَ اَوْعَدَ فَعَفَا۔ اے وہ جس نے وعدہ کیا تو پورا فرمایا اور ڈرایا پھر معاف فرمایا"

اعلیٰ حضرت کی تعلیق میں ایک تو اس بات کا اضافہ ہے کہ بعض لوگوں نے اس طرز کو مکروہ بتایا ہے اور دوسرے اس کا رد کرتے ہوئے دو حدیثوں سے اپنے قول کی توثیق فرمائی۔ جب کہ علامہ طحطاوی نے محض بیانِ جواز پر اکتفا کیا ہے اس سے اعلیٰ حضرت کی وسعت علم اور قوتِ استدلال پر روشنی پڑتی ہے۔

علامہ طحطاوی | نے اپنی کتاب حاشیۃ الدر میں تاریخ بغداد کے حوالہ سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طلب فقہ کے بارے میں ایک حکایت نقل کی ہے کہ امام اعظم اپنے بچپن کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے طلب علم کے بارے میں استخارہ کیا تو جواب ملا کہ قرآن سیکھو میں نے کہا اس کا انجام کیا ہوگا جواب ملا جب تم قرآن حفظ کر کے ایک جگہ بیٹھ جاؤ گے بچے پڑھنے آئیں گے پھر ان میں کوئی تم سے زیادہ قابل ہو جائے گا یا برابر ہو جائے گا تو آپ کی سرداری ختم ہو جائے گی اسی طرح علم حدیث کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب آپ حدیث پڑھیں گے پھر طلبہ آپ کے پاس آئیں گے تو کچھ دنوں کے بعد جھوٹ سے آپ محفوظ نہ رہ

سکیں گے یعنی آپ کی طرف بہت سی جھوٹی باتیں بھی منسوب ہوں گی اس طرح بلا وجہ آپ متہم ہوں گے تو میں نے کہا اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر کہا اگر میں نحو پڑھوں گا تو کیا ہوگا، جواب ملا مدرس ہو گے اور آمدنی دو تین دینار سے زیادہ نہ ہوگی، میں نے کہا اس کا بھی نتیجہ اچھا نہیں، پھر میں نے کہا اگر شاعر ہو جاؤں اور مجھ سے بڑا کوئی شاعر نہ ہو تو جواباً کہا گیا اس صورت میں یا تو کسی کی ہجو کرے گا یا تو کسی کی مدح دونوں صورتیں نقصان سے خالی نہیں اسی طرح علم کلام کے بارے میں جواب ملا کہ یہ بھی اچھا نہیں کہ کلامی ہونے کے بعد تجھ کو زندیق کیا جانے لگے گا، آخری سوال فقہ کے بارے میں کیا کہ اس کا کیا انجام ہوگا جواب ملا، جب تو فقیہ بن جائے گا تو لوگ تجھ سے مسائل پوچھیں گے، تو فتویٰ دے گا پھر تجھ کو عہدۂ قضا کی دعوت ملے گی تو میں نے کہا اس سے بڑھ کر نفع بخش کوئی علم نہیں پھر میں نے علم فقہ حاصل کیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اس من گھڑت واقعہ پر اظہار تعجب کرتے ہوئے سب سے پہلے خدا سے اپنے اور ناقل کے لئے معافی کی دعا کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں امام اعظم کے ناقدین کے اقوال بھی جمع کر دیئے ہیں جس کا جواب "السھم المصیب فی کبد الخطیب" نامی کتاب کے ذریعہ دے دیا گیا ہے یہ من گھڑت حکایت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، تعجب ہے اس کو وضع کرنے والے نے کس چالاکی سے وضع کیا ہے کہ بظاہر مدح معلوم ہوتی ہے جبکہ حقیقت میں ذم پر مشتمل ہے۔ امام جلال الدین سیوطی کو بھی اس سے دھوکا لگا اور انہوں نے بھی اس کو مناقب میں نقل کر دیا، پھر انہیں کی اتباع میں اور انہیں پر اعتماد کرتے ہوئے علامہ طحطاوی نے بھی نقل کر دیا اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے۔ (آمین)

ہر عقل مند اس واقعہ کی کمزوری کی شہادت دے گا عوام الناس میں سے تو یہ کسی کا

قول ہو سکتا ہے مگر علمائے دین میں سے کسی کا قول نہیں ہو سکتا اس کے بطلان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ خیر القرون کا دور تھا اور ان دنوں فقہ فروعات کے طور پر کسی فن کا نام نہ تھا بلکہ اجتہاد ہی کا دوسرا نام فقہ تھا اور یہ حقیقت ہے کہ قرآن وحدیث کے علوم میں مہارتِ تامہ اور عربی دانی کے بغیر اجتہاد ناممکن ہے خدا اس مفتری کا بھلا نہ کرے جس نے اس من گھڑت واقعے کو گڑھ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ نہ تو قرآن کا علم رکھتے تھے اور نہ ہی حدیث کا بلکہ آپ صرف عربی داں تھے اس لئے شریعت کو اپنی مرضی کے مطابق کرتے جو چاہا حلال کیا جس کو چاہا حرام کر دیا اور یہ بات کوئی بے حیا بے دین ہی کہہ سکتا ہے، وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰہِ۔

مذکورہ واقعہ کے من گھڑت ہونے کی تصریح اور اس کو تاریخی وعقلی دلائل سے مبرہن کرنا نیز تاریخ بغدادی کے غیر مستند ہونے کی تحقیق اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے وسعت مطالعہ، تاریخ دانی، اور دقیق النظری پر دال ہے، جبکہ علامہ جلال الدین سیوطی وعلامہ طحطاوی اس کی تہہ تک نہ پہونچ سکے۔

مذکورہ واقعے کی وضعیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ امام اعظم ابوحنیفۃ النعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے متعلق غلط فہمیوں کی اشاعت کا سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے لہٰذا اگر آج عقل وتقلید شرعی کے دشمن آپ کی شخصیت پر کیچڑ اچھال کر اپنے بغض وعناد کی آگ کو ٹھنڈی کرتے ہیں تو چنداں تعجب کی جا نہیں ان کے گھٹانے سے آپ کی شخصیت نہیں گھٹ سکتی ان کی مثال بس ایسی ہی ہے کہ ؏

مہ فشاند نور وسگ عو عو کند

علامہ طحطاوی نے ذخائر المہمات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''الاشاعۃ'' کے

مصنف نے بعض جاہل حنفیوں کا یہ دعویٰ کہ، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور امام مہدی، امام ابو حنیفہ کی تقلید کریں گے۔ نقل کرتے اس کا شدید رد کیا ہے اور ہندوستان کے ایک شیخ طریقت نے بھی اپنی ایک مشہور تصنیف میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے اور ان جہلا کا شدید رد کیا ہے جو امام مہدی و عیسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں تقلید امام اعظم کا نظریہ رکھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہوئے سب سے پہلے یہ بیان کرتے ہیں کہ الاشاعۃ۔ کا مصنف کون ہے پھر یہ کہ شیخ طریقت اور ان کی مشہور تصنیف سے کیا مراد ہے، پھر نفس مضمون پر تنقید فرماتے ہوئے اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔

صاحب الاشاعۃ سے مراد سید محمد بن سعید عبد الرسول برزنجی مدنی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۱۰۳ھ ہیں۔

اور وہ ہندوستانی مصنف شیخ طریقت جن کی تصنیف مشہور ہے وہ شیخ مجدد سرہندی ہیں اور ان کی مشہور تصنیف مکتوبات، ہے جو فارسی زبان میں ہے اور اس میں الاشاعۃ کی طرح مسئلہ مذکورہ کا رد جلد اول کے مکتوب ۲۸۲ میں ہے، پھر جلد دوم مکتوب ۵۵ میں خود شیخ مجدد علیہ الرحمۃ نے اس قول کی یہ توجیہ پیش کی ہے آنچہ خواجہ محمد پارسا در فصول ستہ، نوشتہ است کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسّلام بعد از نزول بمذہب امام ابی حنیفہ عمل خواہد کرد، یعنی اجتہاد حضرت روح اللہ موافق اجتہاد امام اعظم خواہد بود نہ آنکہ تقلید ایں مذہب خواہد کرد،۔ (منتخب مکتوبات امام ربانی ص ۲۶۲ مکتوب ۵۵ جلد دوم مطبوعہ استنبول ترکی)

ترجمہ: فصول ستہ، میں خواجہ محمد پارسا نے جو یہ فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و

علیہ الصلوٰۃ والسّلام آسمان سے نزول کے بعد امام اعظم کے مذہب پر عمل کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السّلام کا اجتہاد امام اعظم کے اجتہاد کے موافق ہوگا اس کا مطلب یہ نہیں کہ مذہب حنفی کی وہ تقلید کریں گے۔

علامہ طحطاوی نے اس بات کو مطلق لکھ کر رد کر دیا جب کہ یہ بات بالکل بے اصل نہیں بلکہ اس کی اصل ہے جیساکہ حضرت شیخ مجدد علیہ الرحمۃ کے قول ثانی سے بخوبی واضح ہے البتہ بعض کا اسے تقلید امام اعظم سے تعبیر کرنا غلط ہے اور ہوسکتا ہے یہ بھی امام اعظم کے حاسدین کا غلط پروپیگنڈہ ہو کہ بات تھی موافقت اجتہاد کی مگر اس کو تقلید سے بدل دیا تاکہ اس سے امام اعظم کی شان گھٹانے اور احناف کی تنقیص کرنے کی راہ ہموار ہو اور بعض حنفی مصنفین نے غلط فہمی و حقیقت ناشناسی میں اس رد کو مطلق نقل کر ڈالا یہ تو اعلیٰ حضرت کی طبع جوہر شناس تھی جس نے حقیقت کی کھوج لگا کر مسئلے کی صحیح نوعیت کو واشگاف کر دیا۔

آگے چل کر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس سلسلے میں مزید تفصیلات پیش کی ہیں جنہیں اصل کتاب میں دیکھا جاسکتا ہے۔

علامہ طحطاوی | خزانہ میں ہے کہ جب ظہر کا وقت حد اختلاف میں داخل ہو جائے یعنی ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل ہو جائے تو یہ وقت مکروہ ہے۔

اس متن کی توضیح یہ ہے کہ ظہر کے وقت میں اختلاف ہے کہ کب تک رہتا ہے امام اعظم کا قول یہ ہے کہ زوال سے اس وقت تک ہے کہ ہر چیز کا سایہ دوگنا ہو جائے سایۂ اصلی کے علاوہ، مگر صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام شافعی علیہم الرحمۃ کا قول ہے کہ ہر چیز کے سایہ کے ایک مثل ہونے تک ہے، سایہ اصلی کے علاوہ تو امام طحطاوی خزانہ کے حوالہ سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ظہر کا وقت جب ایک مثل سے زیادہ ہو جائے تو حد اختلاف میں داخل ہو جانے کی وجہ

سے مکروہ ہے اس پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ ارقام فرماتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت اسی کتاب حاشیہ طحطاوی کے صفحہ ۱۷۹ میں بحر الرائق کے حوالہ سے یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ وقت ظہر میں حنفی کے نزدیک کوئی کراہت نہیں اور یہی بات زیادہ بہتر ہے جیسا کہ میں نے در المختار شامی کے حاشیہ جد الممتار میں اس مسئلہ پر تحقیقی بحث کی ہے۔ (ملاحظہ ہو جد الممتار جلد اول ص ۱۹۲۔ المجمع الاسلامی مبارک پور)

یہاں پر علامہ طحطاوی خود اپنی تصریح کے خلاف لکھ گئے تھے جس پر اعلیٰ حضرت نے تنبیہ فرمائی اور صفحہ و حوالہ کی نشاندہی فرمادی کہ کس صفحہ پر علامہ طحطاوی نے اس کے خلاف صحیح مسئلہ لکھا ہے اور کس کتاب کے حوالہ سے اس سے اعلیٰ حضرت کے تبحر و استحضار علمی کا پتہ چلتا ہے۔

علامہ طحطاوی ۹۲ تذکرۂ قرطبی کے حوالہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ جب مومن آیۃ الکرسی پڑھ کر اس کا ثواب اہل قبور کو پہونچائے تو خدائے تعالیٰ ہر قبر کو مشرق سے مغرب تک نور سے بھر دیتا ہے اور ان کی قبروں کو کشادہ کر دیتا ہے اور پڑھنے والے کو ساٹھ نبیوں کا ثواب دیتا ہے ہر میت کے بدلے اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ہر میت کے بدلے اس کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھتا ہے۔

حضرت علامہ طحطاوی نے اس کو نقل کر کے برقرار رکھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک قابل اعتماد ہے مگر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں جھلکتا ہے کہ یہ روایت یوں ہی ادھر ادھر کی ہے یعنی اس روایت میں بعض الفاظ ایسے ہیں جن سے اس کا پایۂ اعتبار سے ساقط ہونا واضح ہے۔

علامہ طحطاوی کی نظر جہاں نہ گئی اعلیٰ حضرت نے اس کو صاف محسوس کر لیا کہ یہ روایت

قابل اعتماد معلوم نہیں ہوتی کہ واقعی بعض باتیں مثلاً مشرق سے مغرب تک تمام قبروں کو کشادہ کر دینا، اور تمام جہاں کے مُردوں کے برابر ثواب ملنا اور یہ ساٹھ نبیوں کا ثواب ملنا تو عجیب تر ہے۔
لیکن پھر بھی اعلیٰ حضرت کا مقام احتیاط ملاحظہ ہو کہ صاف لفظوں میں اس کو موضوع نہیں قرار دیا جیسا کہ غیر محتاط لوگوں کا طریقہ ہے اظہار تعجب کر کے سکوت اختیار کرتے ہیں کہ کسی حدیث کو موضوع بتانا آسان کام نہیں، ہو سکتا ہے کوئی ضعیف سے ضعیف سند اس کی موجود ہو اور اس ظاہر اشکال کا کوئی جواب بھی ہو جس طرف اپنی توجہ نہ ہو سکی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض اجزاء واقعۃً مروی ہوں اور بعض الحاقی تو موضوع قرار دے دینے میں سب کی تغلیط لازم آئے گی اور موضوع وغیر موضوع کا تعین نہایت مشکل ہے۔ بخاری شریف کتاب العلم کی حدیث ہے، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ "جو قصداً مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے"۔ تو جس طرح غیر حدیث کو حدیث بتانا کذب ہے اسی طرح حدیث کو غیر حدیث کہنا بھی، بلکہ من وجہ یہ اس سے زیادہ سخت ہے اس نکتے کو بہت سے لوگ نہیں سمجھتے اور حدیث کو موضوع کہنے میں بڑی بے باکی کا ثبوت دیتے ہیں۔

علامہ طحطاوی | تنویر الابصار متن در مختار میں ہے کہ اگر کسی شہر میں اسلامی حاکم نہ ہو تو وہاں کے باشندگان کسی قابل اعتماد آدمی کے قول پر روزہ رکھیں۔ علامہ طحطاوی اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں نہ تو وہاں قاضی ہو اور نہ ہی حاکم (بحوالہ فتاویٰ ہندیہ)

اعلیٰ حضرت | اس پر ارقام فرماتے ہیں جہاں حاکم نہ ہو وہاں علماء حکمراں ہیں اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کی طرف رجوع کریں اور ان کا حکم مانیں۔ اگر علماء زیادہ ہوں تو ان میں جو زیادہ علم والا ہو وہی والی ہوگا اور اگر سب علم میں برابر ہیں تو قرعہ اندازی کی جائے گی جس کا نام آئے گا اس کو حاکم مانا جائے گا اس مسئلے کی صراحت۔ الحدیقۃ الندیہ (مصنف علامہ عبد الغنی نابلسی علیہ الرحمہ)

میں موجود ہے۔

تنویر الابصار چونکہ متن ہے اس لئے اس پر اختصاراً صرف حاکم کا ذکر فرمایا جس میں ضمناً وہ لوگ بھی آ گئے جو بجائے حاکم مانے جاتے ہیں مثلاً قاضی اور عالم دین، اور جب یہ دونوں بھی نہ ہوں تو بستی کے قابل اعتماد دیندار شخص کی بات پر حکم ہوگا وہ جیسا حکم دے گا مسلمانوں پر اسی کے مطابق عمل لازم ہوگا تاکہ مسلمانوں کی اجتماعیت لوٹنے نہ پائے کیوں کہ اتحاد و اتفاق ہی کا نام زندگی ہے اور اختلاف موت ہے اس مسئلے کی تشریح کرتے ہوئے علامہ طحطاوی نے حاکم کی جگہ صرف قاضی کا ذکر کیا جبکہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس کی پوری تفصیل کرتے ہوئے علمائے دین کو بھی حاکم قرار دیا اور (الحدیقۃ الندیہ) کے حوالہ سے اس کو مؤید بھی کر دیا اس سے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی دقت نظر کا پتہ چلتا ہے۔

علامہ طحطاوی | صاحب درمختار نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ حاکم تنہا رمضان المبارک کا چاند دیکھے تو اسے اختیار ہے کہ خود لوگوں کو روزے کا حکم دے یا گواہ قائم کرے اس گواہ قائم کرنے پر حضرت علامہ طحطاوی حاشیہ لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حاکم کسی کو شہادت پر آمادہ کرے پھر وہ شخص گواہی دے کہ مجھے ایک آدمی نے خبر دی ہے کہ اس نے چاند دیکھا ہے اور اس نے مجھے شہادت دینے کی ترغیب دی ہے۔

اعلیٰ حضرت | تحریر فرماتے ہیں بلکہ میرے نزدیک اس کا طریقہ یہ ہے کہ امام یا حاکم کسی کو اپنا نائب مقرر کرے پھر اس کے سامنے خود شہادت دے۔

یہاں اعلیٰ حضرت کے بیان کردہ طریقہ شہادت اور علامہ طحطاوی کے طریقہ شہادت میں جو نمایاں فرق ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔

علامہ طحطاوی | باب الھدیٰ میں علامہ طحطاوی نے بحر الرائق کے حوالہ سے ایک

روایت نقل کر کے فرمایا کہ یہ روایت عباس بن مرداس راوی کی وجہ سے ضعیف ہے کیوں کہ یہ منکرالحدیث اور ساقط الاحتجاج یعنی غیر معتمد ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اس پر ارقام فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ معاف فرمائے سبقت قلم سے انہوں نے ایسا لکھ دیا ورنہ حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تو صحابی ہیں اور ان کے بارے میں کسی نے ایسی کوئی بات نقل بھی نہیں کی۔ ہاں ابن حبّان کا قول ان کے بیٹے حضرت کنانہ کے بارے میں ہے مگر ان کے قول میں خود اختلاف ہے کہ ایک جگہ تو ضعفاء میں شمار کیا ہے اور پھر ثقات میں بھی ذکر کیا جس سے ان کی توثیق معلوم ہوتی ہے جس طرح علامہ ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ فن رجال پر بھی اعلیٰ حضرت کی نظر بڑی کڑی تھی ضعیف و ثقہ ہر طرح کے راویان حدیث کے حالات ہمہ وقت مستحضر رہتے تھے۔

علامہ طحطاوی فرماتے ہیں بعض لوگوں کے نزدیک غیر انبیاء پر خلیفۃ اللہ کا اطلاق جائز نہیں کیوں کہ ان کے نزدیک یہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے جیساکہ قرآن پاک میں حضرت آدم اور حضرت داؤد علیہما السلام کے لئے خلیفہ آیا ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں حدیث پاک میں حضرت امام مہدی کے لئے خلیفۃ اللہ کا لفظ آیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ غیر انبیاء پر بھی اس لفظ کا اطلاق جائز ہے۔

علامہ طحطاوی فرماتے ہیں اگر عورت باوجود (حیض و نفاس سے) پاک ہونے کے خاوند کے پاس اس کے بلانے سے نہ آئے تو خاوند کو اسے سزا دینے کا حق ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں مناسب تھا کہ ایسے مرض سے سلامتی کی بھی قید لگائی جاتی جس کے ساتھ جماع مناسب نہیں یا نقصان دہ ہے۔ اسی طرح عورت کے بلوغ کی شرط

بھی ضروری تھی۔"

اس سے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے دقت نظر اور تعمق فکر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

علامہ طحطاوی | فرماتے ہیں اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو خط لکھے اور اس میں لکھے کہ اس کی پشت پر جواب لکھ دو تو مکتوب الیہ کے لئے اس کاغذ کا لوٹانا ضروری ہے اور اس میں تصرف کا حق نہیں۔

اعلیٰ حضرت | فرماتے ہیں اسی طرح اگر اس مکتوب میں لکھا کہ اس کو پڑھ کر فلاں کو پہنچا دو تو مکتوب الیہ کے لیے اس میں بھی تصرف جائز نہیں۔ اب یا تو وہ کاتب کی طرف لوٹا دے یا اس کی طرف پہنچا دے (جس کو کہا ہے) اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی تحریروں میں تفریع مسائل اور استخراجِ احکام کی بھی بے شمار مثالیں ملتی ہیں یہ تفریعِ مسائل کی ایک بہترین مثال ہے۔

علامہ طحطاوی | فرماتے ہیں بدعتی یعنی بدمذہب کی تکفیر میں اختلاف ہے اگر بدمذہب کی بدمذہبی کفر تک پہونچ چکی ہے اور اس کی کوئی صحیح تاویل ممکن نہیں تو بالاجماع اس کی تکفیر کی جائے گی۔ (یعنی اس کے کافر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں) البتہ جس کی بدمذہبی حد کفر تک نہ پہنچی ہو تو اس کے بارے میں اختلاف ہے (یعنی بعض نے اس کو بھی کافر کہا ہے اور بعض نے نہیں) علامہ ابن ہمام نے شرح ہدایہ (فتح القدیر) میں فرمایا کہ اہل مذاہب کے کلام میں ایسے بہت سے لوگوں کی تکفیر ثابت ہے لیکن یہ ان فقہا کا کلام نہیں جو منصب اجتہاد پر فائز ہیں اور جو مجتہد نہ ہو اس کا اعتبار نہیں۔ فقہائے مجتہدین سے عدم تکفیر ہی ثابت ہے۔

اعلیٰ حضرت | غیر مجتہد کا قول اس وقت معتبر نہیں جب وہ مجتہدین فقہا کے اقوال کے خلاف ہو، اس میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے علامہ طحطاوی کے اس کلیہ کا رد فرمایا ہے کہ غیر مجتہد کا اعتبار نہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں یہ اس وقت صحیح ہے جبکہ مجتہدین کی تصریحات کے

خلاف ہو۔ جیسا کہ مذکورہ مسئلہ میں لیکن مطلقا یہ کہنا صحیح نہیں کہ جو منصب اجتہاد پر فائز نہ ہو اس کا قول معتبر نہیں اگر ایسا ہو تو پھر ہر زمانے میں مجتہد کا ہونا لازم آئے گا اور نہ ہونے کی صورت میں حوادثِ فتاوی میں مکمل سکوت لازم ہوگا۔ جس کا کوئی فقیہ تو کیا کوئی مسلم بھی قائل نہیں ہو سکتا ہے۔ علامہ طحطاوی نے یہ فرمایا ہو کہ اس مسئلے میں غیر مجتہد کا قول معتبر نہیں اور ناقل نے اس کو چھوڑ دیا ہو اور خود علامہ طحطاوی سے بھی تسامح کا امکان ہے اس تعلیق سے اعلیٰ حضرت کی تصحیح مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔

علامہ طحطاوی جانور کے بعض اجزاء جن کا کھانا مکروہ ہے ان کے ذکر کے بعد علامہ طحطاوی فرماتے ہیں اسی طرح وہ خون بھی مکروہ ہے جو گوشت سے نکلتا ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ردالمحتار (یعنی جس پر علامہ طحطاوی کا حاشیہ ہے) اس میں وَالدَّمُ المسفوح آیا ہے نیز وہ خون جو ذبح کے بعد رگوں میں رہ جاتا ہے وہ مکروہ نہیں اور اسے خود علامہ طحطاوی نے مسائل شتی میں ذکر فرمایا ہے۔

لہٰذا علامہ طحطاوی کا دم اللحم کے بارے میں کراہت کا فتویٰ خود ان کی تصریح کے مطابق صحیح نہیں، اس کا تعلق بھی اعلیٰ حضرت کی تصحیح مسائل سے ہے۔

علامہ طحطاوی امام نووی کے حوالہ سے فرماتے ہیں ہر ملاقات کے وقت مصافحہ مستحب ہے اور صرف صبح و عصر کی نماز کے بعد کی شرعی تخصیص نہیں، (یعنی جیسے ہر ملاقات کے بعد مصافحہ مستحب ہے اسی طرح صبح و عصر کے بعد بھی مستحب ہے اور یہ عصر و فجر سے خاص نہیں بلکہ ہر نماز کے بعد مستحب ہے کیوں کہ نماز کے بعد تجدید ملاقات ہوتی ہے۔) پھر علامہ طحطاوی امام ابوالحسن بکری کا قول نقل کرتے ہیں کہ شاید اس زمانے کے لوگوں کی یہ عادت رہی ہو۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: یعنی فجر و عصر کے ساتھ تخصیص اس زمانے (یعنی امام نووی

کے زمانے) میں لوگوں کی عادت رہی ہو اس تعلیق میں اعلیٰ حضرت یہ صراحت فرمارہے ہیں نماز کے بعد خصوصاً فجر وعصر کے بعد مصافحہ امام نووی کے یا ان کے ماقبل کے زمانہ سے چلا آرہا ہے اور یہ درست ہے گویا علامہ طحطاوی کی تائید وتوثیق فرمارہے ہیں۔

علامہ طحطاوی | صراحت فرماتے ہیں کہ امام نووی کے زمانے میں لوگوں کی عادت تھی کہ وہ صبح اور عصر کے بعد مصافحہ کرتے تھے۔

اعلیٰ حضرت | فرماتے ہیں علامہ طحطاوی کا یہ قول امام ابوالحسن بکری کے کلام کا تتمہ ہے ورنہ تمام نمازیں اسی طرح ہیں یعنی ہر نماز کے بعد مصافحہ مستحب ہے۔

واضح رہے کہ امام نووی (متوفی ۶۷۶ھ) کا زمانہ ساتویں صدی ہجری کا ہے جس سے ثابت ہوا کہ نمازوں کے بعد مصافحہ کا رواج آج کا نیا نہیں۔ قدیم زمانے سے بزرگان دین اور علماء و فقہاء اس پر عامل رہے ہیں۔ باوجودیکہ بعدیت نماز کی تخصیص شرعی نہیں مگر حکم عام سے خارج بھی نہیں۔

حاشیہ طحطاوی پر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی تعلیقات کے چند نمونے پیش خدمت ہوئے امید کہ اس سے اہل علم و دانش نے بخوبی اندازہ لگالیا ہوگا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے حواشی وتعلیقات کی کیا حیثیت ہے اور ان کا مقام کیا ہے اور یہ کہ جب تک یہ حواشی منظر عام پر نہیں آتے اصل کتابوں سے استفادہ کرنے والے بعض ان مقامات پر جہاں مصنفین سے تسامحات واقع ہوئے ہیں غلط فہمی کا شکار ہوں گے بلکہ کتنے مفتی حضرات تو ان تعلیقات کے پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے افتاء میں غلطی بھی کر بیٹھیں گے۔

لہٰذا یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اعلیٰ حضرت کی ذات گرامی ہمارے ہی لیئے نہیں بلکہ عالم اسلام کے لئے ایک نعمت کبریٰ اور آفتاب عالم تاب کی حیثیت رکھتی ہے جس کی

کرنوں کا سارا عالم بھکاری ہے۔

ان شاء اللہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی تصانیف جس قدر دنیا والوں کے سامنے آتی جائیں گی آپ کی عظمت کا اسی قدر احساس بڑھتا جائے گا۔ آج عالم میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کی تصانیف عام کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

٭ ٭ ٭

وادی رضا کی کوہ ہمالہ رضا کا ہے

جس سمت دیکھئے وہ علاقہ رضا کا ہے

مولانا فیضان احمد رضوی
پوکھیروی۔

ولادت :۔ ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ روز شنبہ وقت ظہر مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو ہوئی۔[1]

الملفوظ جلد اول ص ۱۵۔

---

[1] سوانح نگار حضرات آپ کی جائے پیدائش کا صحیح تعین نہیں کر سکے ہیں آپ ذخیرہ کی بزریہ املی والی مسجد کے متصل اپنے آبائی مکان میں پیدا ہوئے۔

آثارِ کرامت :-

"میں اپنی مسجد کے پاس کھڑا تھا، اس وقت میری عمر ساڑھے تین سال کی ہوگی۔ ایک صاحب اہلِ عرب کے لباس میں ملبوس جلوہ فرما ہوئے، یہ معلوم ہوتا تھا کہ عربی ہیں۔ انہوں نے عربی زبان میں مجھ سے گفتگو فرمائی۔ میں نے فصیح عربی میں ان سے گفتگو کی۔"

حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد اول ص ۲۲۔

اندازِ تعلیم :-

میرے استاد جن سے میں ابتدائی کتاب پڑھتا تھا، جب مجھے سبق پڑھا دیا کرتے، ایک دو مرتبہ میں سن کر کتاب بند کر دیتا۔ جب سبق سنتے تو حرف بحرف لفظ بہ لفظ سنا دیتا۔ روزانہ یہ حالت دیکھ کر سخت تعجب کرتے۔ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے کہ احمد میاں! یہ تو کہو کہ تم آدمی ہو یا فرشتہ کہ مجھ کو پڑھاتے دیر لگتی ہے مگر تم کو یاد کرتے دیر نہیں لگتی۔"

حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد اول ص ۳۲۔

سنِ فراغت :-

میں نے جب پڑھنے سے فراغت پائی اور میرا نام فارغ التحصیل علماء میں شمار ہونے لگا اور یہ واقعہ نصف شعبان ۱۸۶۹ء / ۱۲۸۶ھ کا ہے اس وقت میں تیرہ سال دس ماہ پانچ دن کا تھا۔ اسی روز مجھ پر نماز فرض ہوئی، اور میری طرف شرعی احکام متوجہ ہوئے اور یہ حسنِ فال ہے کہ میری تاریخ فراغت لفظ "غفور" (۱۲۸۶ھ) اور زبر و بینہ میں لفظ "تعویذ" (۱۲۸۶ھ) میں ہے جیسا کہ میری تاریخ ولادت "المختار" میں ہے۔

الاجازۃ الرضویہ لمبجل مکتبۃ البہیہ ص ۳۰۹۔

مدتِ تربیت :-

ردِّ وہابیہ اور افتاء یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے۔ ان میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے میں بھی ایک طبیب حاذق کے مطب میں سات برس بیٹھا۔ مجھے وہ وقت، وہ دن، وہ جگہ، وہ مسائل اور جہاں سے وہ آئے تھے اچھی طرح یاد ہیں۔

الملفوظ جلد اول ص ۱۰۲ مطبوعہ رضوی کتب خانہ بریلی۔

معمولات ومشاغل:۔

میرے وہ فنون جن کے ساتھ مجھے پوری دلچسپی حاصل ہے جن کی محبت، عشق شیفتگی کی حد تک نصیب ہوئی ہے وہ تین ہیں اور تینوں بہت اچھے۔

۱:۔ سب سے پہلا، سب سے بہتر، سب سے اعلیٰ، سب سے قیمتی فن یہ ہے کہ رسولوں کے سردار (صلوٰت اللہ وسلامہٗ علیہ وعلیہم اجمعین) کی جناب پاک کی حمایت کے لئے اس وقت کمربستہ ہو جاتا ہوں جب کوئی کمینہ وہابی گستاخانہ کلام کے ساتھ آپ کی شان میں زبان دراز کرتا ہے، میرے پروردگار نے اسے قبول فرمالیا تو وہ میرے لئے کافی ہے مجھے اپنے رب کی رحمت سے امید ہے کہ وہ قبول فرمائے گا کیوں کہ اس کا ارشاد ہے کہ میرا بندہ میری بابت جو گمان رکھتا ہے میں اس کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ فرماتا ہوں۔

۲:۔ پھر دوسرے نمبر پر وہابیوں کے علاوہ ان تمام بدعتیوں کے عقائدِ باطلہ کا رد کر کے انہیں گزند پہنچاتا رہتا ہوں جو دین کے مدعی ہونے کے باوجود دین میں فساد ڈالتے رہتے ہیں۔

۳:۔ پھر تیسرے نمبر پر بقدر طاعت مذہب حنفی کے مطابق فتویٰ تحریر کرتا ہوں۔ وہ مذہب جو مضبوط بھی ہے اور واضح بھی۔ تو یہ تینوں میری پناہ گاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں پر میرا بھروسہ ہے۔ — ترجمہ الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینہ ص ۱۶۰، ۱۶۱ مطبوعہ بریلی۔

شرفِ بیعت :-

میں روتا ہوا دوپہر کو سو گیا۔ حضرت جدّ امجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور ایک صندوقچی عطا فرمائی اور فرمایا عنقریب آنے والا ہے وہ شخص جو تمہارے دردِ دل کی دوا کرے گا۔ دوسرے یا تیسرے روز حضرت مولانا عبد القادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ بدایوں سے تشریف لائے اور اپنے ساتھ مارہرہ شریف لے گئے۔ وہاں جاکر شاہ آلِ رسول مارہروی سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ (الملفوظ ج ۳ ص ۸۹)

پہلا حج :-

پہلی بار کی حاضری حضراتِ والدین ماجدین رحمۃ اللہ علیہما کے ہمرکاب تھی، اس وقت مجھے تئیسواں (۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء) تھا۔ (الملفوظ جلد دوم ص ۲)

پہلا فتویٰ :-

بحمدہ تعالیٰ فقیر نے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء ۱۳ برس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا تھا۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد اول ص ۲۸۰۔)

فتویٰ نویسی کی خدمت :-

۱۴ شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتاویٰ لکھتے ہوئے بحمدہ تعالیٰ پورے پچاس سال ہوں گے (اور یہ سلسلہ یوم وصال ۱۳۴۰ھ پورے چوّن سال تک جاری رہا۔)

دوسرا اور آخری حج :-

مدینہ طیبہ کی دوبارہ حاضری کے وقت (۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) میری عمر اکیاون برس پانچ مہینے کی تھی۔

الملفوظ جلد دوم ص ۳۲۔

حرم مکہ میں امامت :۔

مکہ کے جلیل علمار حنفیہ مثل مولانا شیخ کمال مفتیٔ حنفیہ و مولانا سید اسمٰعیل محافظ کتب حرم حنفی وقت پر اپنی جماعت کرتے جس میں وہ اکابر اس فقیر کو امامت پر مجبور فرماتے۔ (الملفوظ جلد اول ص ۳۸)

ماں کی محبت :۔

چلتے وقت (حج کے لیے) جس لگن میں میں نے وضو کیا تھا، اس کا پانی میری واپسی تک نہ پھینکنے دیا کہ اس کے وضو کا پانی ہے۔

الملفوظ جلد ۲، ص ۴

اعدار اللہ سے نفرت :۔

بحمد اللہ تعالیٰ بچپن سے مجھے نفرت ہے اعدار اللہ سے اور میرے بچوں کے بچوں کو بھی۔ بفضل تعالیٰ عداوت اعدار اللہ گھٹی میں پلادی گئی ہے۔

الملفوظ جلد ۳، ص ۸۸

مال سے محبت کا معیار :۔

الحمد للہ کہ میں نے مال مِن حَیثُ ھُوَ مال سے کبھی محبت نہ رکھی۔ صرف انفاق فی سبیل اللہ کے لئے اس سے محبت ہے۔ الملفوظ جلد ۴ ص ۶۷۔

عشقِ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم :۔

الحمد للہ اگر قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا

ے متوفی ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء ے متوفی ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء

لاالٰہ الااللہ، دوسرے پر لکھا ہوگا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

الملفوظ جلد ۳ ص ۸۸۔

اپنی خبر رحلت :۔

۳ رمضان ۱۳۳۹ھ ۱۰ مئی ۱۹۲۱ء انتقال سے چار ماہ ۲۲ دن قبل آپ نے اس آیت کریمہ سے " یُطَافُ عَلَیْہِمْ بِاٰنِیَۃٍ مِّنْ فِضَّۃٍ وَّاَکْوَابٍ "۔

۱۳ ھ ۴۰

(ترجمہ :۔ یعنی خدام چاندی کے کٹورے اور گلاس لئے ان کو گھیرے ہیں) اپنی رحلت کی خبر دی۔ (وصایا شریف ص ۱۲۔)

پند و نصیحت کی آخری مجلس رشد و ہدایت :۔

اے لوگو! تم پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھالی بھیڑیں ہو اور بھیڑیے تمہارے چاروں طرف ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکائیں، تمہیں فتنہ میں ڈال دیں، تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں۔ ان سے بچو اور دور بھاگو۔ دیوبندی، رافضی، نیچری، قادیانی، چکڑالوی یہ سب فرقے بھیڑیے ہیں۔ تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں ان کے حملوں سے ایمان کو بچاؤ۔ وصایا شریف۔ ـــــــ غرض کہ کم و بیش ۵۴ برس تک علوم و معارف کا سمندر موجیں لیتا رہا اور ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو جمعہ کے دن ۲ بجکر ۳۸ منٹ پر عین اذانِ جمعہ میں اُدھر " حیّ علی الفلاح "، سنا ادھر روح پر فتوح نے داعی اللہ کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

فنا کے بعد بھی باقی ہے شانِ رہبری تیری
خدا کی رحمتیں ہوں اے امیرِ کارواں تجھ پر

امام احمد رضا کے معاشیات۔ سائنس۔ ریاضی

اور

تقابل ادیان ایک مطالعہ

تحریر:۔ ڈاکٹر سید عبد اللہ طارق، ایم۔اے، بی، ایس سی انجینئرنگ (علیگ)

رکن موتمر، عالم اسلامی

جہالت اندھیرا ہے۔ علم اجالا ہے ـــــــ ضلالت تاریکی ہے۔ اسلام نور ہے۔ اللہ رب العزت آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ وہ اہل ایمان کو ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔ کائنات کی تخلیق سے پہلے رب السموات والارض نے اپنے نور کی قدرت سے کائنات کی تخلیقات کا وسیلہ تخلیق فرمایا۔ وہ ایک نور تھا ـــــــ نور جو تخلیق تھا اس کے ذریعہ ہی نور جو خالق ہے اس کی پہچان ممکن ہے ـــــــ سفیدی کی شناخت کے لئے سیاہی کا وجود ضروری ہے ـــــــ رب ذوالجلال نے کائنات میں اندھیروں کو بھی وجود بخشا تاکہ تمام مخلوقات ان سے دامن بچاتے ہوئے نور کو پہچان کر اس کے دامن میں پناہ لے لیں ـــــــ خلد میں ظلمات کی نور سے کشمکش کا تجربہ کرا کر جد امجد سیدنا آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا ـــــــ بطور سزا نہیں جیسا کہ گمراہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے بلکہ خلافت کی خلعت اور نعمت سے سرفراز کر کے ان کی پیدائش ہی خلافت فی الارض کے واسطے تھی۔

الاسماء کلّھا کے انوار انہیں عطا فرمائے گئے تھے۔

علوم آدم نسل آدم میں منتقل ہوتے رہے۔ ہر انسان کے تحت الشعور میں وہ علوم موجود رہے ہیں۔ مشاہدات کی دنیا آہستہ آہستہ بتدریج اس علم کو انسان کے تحت الشعور سے نکال کر شعور و احساسات میں لاتی رہی ہے اور لاتی رہے گی۔ میڈیکل سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ انسانی دماغ کا ارتقا ابھی ۲۵ فیصد بھی نہیں ہوا ہے۔ آج جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ اپنی حیات میں اوسطاً اپنے ۲۵ فیصد دماغ کا استعمال ہی کر پاتے ہیں بالفاظ دیگر نسل انسانی کے لئے جو علوم مقدور تھے ان کا ابھی ۲۵ فیصد سے کم حصہ ہی کھل سکا ہے۔ تین چوتھائی سے زائد ابھی اس کمپیوٹر میں محفوظ ہے جسے انسانی دماغ کہتے ہیں۔ لیکن وقت کے ارتقا کے ساتھ ساتھ بقیہ ۷۵ فیصد علوم کو بھی بتدریج ظہور میں آنا ہے۔ اسی کا نام سائنسی ترقی ہے ـــــ لیکن ادھورا علم مہلک بھی ہوتا ہے۔ ظلمتوں سے شکست کھاتا رہتا ہے ـــــ اس لئے رب کائنات نے دھیرے دھیرے ارتقا پذیر علم کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا کہ وہ تاریکیوں سے شکست کھاتا رہے ـــــ ایک انتظام اور فرمایا ـــــ وحی اور علم لدنی کے نزول کا سلسلہ جاری رکھا تاکہ نامکمل علم کی رہنمائی ہوتی رہے ـــــ ان انوار کا دامن جس نے تھاما وہ دنیا کے پل صراط سے کامیاب گزر گیا ـــــ جو بے نیاز ہوا اسے مہیب تاریکیوں نے نگل لیا ـــــ نور کی موجودگی کے باوجود ایک بڑی تعداد اجالوں کا دامن کیوں نہیں تھام لیتی ؟ ـــــ اس لئے کہ ظلمت ابلیس بھی شرار بولہبی کا لبادہ اوڑھ کر آتی ہے اور نگاہوں کو خیرہ کرکے فریب میں مبتلا کر دیتی ہے ـــــ اسی کا تجربہ کرانے کے لئے تو نسل انسانی کے پہلے فرد کو تخت خلافت پر اتارنے سے پہلے آسمانوں میں روکا گیا تھا ابلیس لعین انکے پاس فریب کی قبا اوڑھ کر آیا تھا۔ فریب کا تجربہ ہو گیا۔

مومن ایک بل سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔ شراروں سے پہلو بچاتے ہوئے اور حقیقی سے استفادہ ہی مومن کی فراست ہے۔ شرار بو لہبی کا روز ازل سے نور مصطفوی کے خلاف ریشہ دوانیوں کا سلسلہ جاری تھا کہ انسانیت کے ارتقاء کا دور اپنے عہد طفولیت سے نکل کر عنفوانِ شباب میں داخل ہو گیا۔

عنفوان شباب

انسانی عقل کے ارتقاء کا جب تک بچپن کا تھا نور اول تخلیق کو مجسم کر کے نور اوّل خالق نے دنیا میں نہ بھیجا تھا کیوں کہ ابھی انسان میں اس سے استفادے کی صلاحیتوں کی تکمیل نہیں ہوئی تھی۔ ریکارڈ کا دور ابھی نہیں آیا تھا۔ تاریخ نویسی کا چلن نہ تھا۔ پچھلے انبیائ کے انوار کو انسان صرف سینوں میں محفوظ کر سکتے تھے اور ابلیسی شر کو مداخلت کرنے کے مواقع برابر ملتے رہتے تھے۔ چمڑے کے ٹکڑوں اور درخت کی چھالوں پر وحی کے الفاظ رقم کئے جاتے تھے، لیکن حفاظتِ علوم کا فن ابھی ایجاد نہ ہوا تھا اور وہ پارچہ جات امتدادِ زمانہ سے کچھ تلف ہو جاتے تھے اور کچھ ابلیس کے چیلوں کے ہاتھ پڑ جاتے تھے کہ وہ ان میں حسب خواہش ردوبدل کر ڈالیں۔

آج ریکارڈ کا دور ہے جو کچھ کسی نے ایک بار کہہ دیا اور لکھ دیا وہ ہزاروں لائبریریوں میں کتابوں اور کیسٹوں کی شکل میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس کی تردید میں نئی کوئی بات کہہ دی جائے، یہ تو ممکن ہے لیکن سابقہ قول کو معدوم کر دیا جائے، یہ اب ممکن نہیں رہا کیوں کہ ارتقائے نسلِ انسانی کی جوانی کے دور میں حفاظت علوم کا فن اپنی معراج کو پہنچ چکا ہے۔

تاریخ میں اگر پیچھے کی سمت لوٹیں تو یہ حقیقت بالکل روشن ہو جائے گی کہ

عقل کے ارتقاء کا سلسلہ جوں ہی اس دور میں داخل ہوا جسے ریکارڈ کا دور کہتے ہیں، اسی لمحے رحمتِ پروردگار نے نورِ تخلیق اوّل کو مجسم کر کے نسلِ انسانی کے درمیان بھیج دیا ——— انسانیت نے بچپن سے جوانی میں قدم رکھا ——— سرورِ کائنات نے آمنہ کی آغوش سے سر ابھارا (صلی اللہ علیہ وسلم) ——— مجوسیوں اور ہندیوں کے آتش کدوں کے شرارے بجھ گئے ——— نور مجسم آگیا تھا۔ رہنمائے علم و عمل آگیا تھا ——— چالیس بہاروں تک بشریت کے قالب میں رب کائنات کی براہ راست نگرانی میں اس کی تربیت ہوئی تاکہ ——— ابلیس کی پھیلائی ہوئی چار سو ظلمت کی فریب کاریوں کو شکست فاش دینے کا خوب خوب تجربہ ہو جائے ——— چالیس سال کے بعد ظہور کا وقت آیا ——— پہلی وحی قرآنی کا نزول ہوا ——— غارِ حرا سے علم آخر کی ابتدا ہوئی ——— محبوب خدا کے پاس خدا کا حکم آیا ——— "پڑھو ...." "پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا سکھایا، آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا ——— پہلی وحی کا نور علم کی تاکید ساتھ لایا تھا ضلالت تاریکی ہے ——— اسلام نور ہے ——— جہالت اندھیرا ہے۔ علم اجالا ہے۔

داستانِ عروج و زوال

درود و سلام ہو فخر انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ——— جبل نور سے آپ اترے اور اونٹوں کے چرانے والوں کو قوموں کا امام بنا دیا ——— اسلام کی بدولت ——— نور کی بدولت ——— علم کی بدولت ——— جنگی قیدیوں کی رہائی کا تاوان مقرر ہوا۔

مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں ـــــ تاکید فرمائی کہ گود سے گور تک علم حاصل کرو ـــــ اعلان فرمایا کہ عالم (باعمل) کے قلم کی سیاہی شہید کے خون سے افضل ہے ـــــ عمل نے قلوب کو فتح کیا ـــــ علم نے دماغوں کو جیتا ـــــ اسلام نے قوموں کو مسخر کیا اور اسلامی پرچم دیکھتے دیکھتے نصف دنیا پر لہرانے لگا ـــــ قرطبہ اور بغداد کے کتب خانے وجہ رشک بن گئے ـــــ طب، طبیعات، کیمیا، بحریات، فلکیات، نجوم، حساب، ریاضی، الجبرا، لسانیات، معاشیات، عمرانیات، سیاست، اخلاقیات، الٰہیات، تواریخ، جغرافیہ، سائنس، فقہ، تصوف، علم کلام، منطق، انشا وغیرہ علوم کے خزانے عالم انسانی سے ابل رہے تھے ـــــ یہ مسلمانوں کے عروج کا دور تھا ـــــ ابلیس کی لاکھوں برس کی محنت رائیگاں جارہی تھی ـــــ جو رحمت خداوندی سے مایوس ہوگیا تھا ـــــ علم کی ترقی کے ساتھ عمل کے میدان میں غفلت ہوئی ہی تھی کہ اسے موقع مل گیا۔

اسپین پر عیسائیوں کا تسلط ہوگیا اور بغداد کی تاتاریوں نے اینٹ سے اینٹ بجادی ـــــ یہ دو جھٹکے اتنے شدید تھے کہ صدیوں بعد آج بھی مسلمان ان کے اثرات کو مکمل ضائع کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے ہیں ـــــ اسپین میں چن چن کر مسلمان قتل کئے گئے ـــــ بغداد میں دہشت کا یہ عالم تھا کہ ایک تاتاری عورت ایک مسلمان مرد کو راستے میں روک کر وہیں ٹھہرنے کا حکم دیتی تھی اور اپنے گھر سے تلوار لاکر اسی جگہ مبہوت کھڑے مسلمان کی گردن اڑادیتی تھی ـــــ کھوپڑیوں کے میناروں پر بیٹھ کر شرابیں پی گئیں اور بغداد کے کتب خانوں کے نوادر سے دریاؤں کو پاٹ کر پل بنائے گئے ـــــ آہ وہ ہمارا تاریک ترین دور تھا ـــــ اسلام اپنے پیروؤں

کی نااہلی کے باعث دب تو جاتا ہے فنا نہیں ہو سکتا ــــــ وہ پھر ابھرا۔ تاتاری مسلمان ہو گئے۔ لیکن قومِ مسلم کا ذہن ماؤف ہو چکا تھا ــــــ اشاعت اسلام کے علمبرداروں نے حفاظتِ اسلام کا محاذ سنبھال لیا ــــــ اشاعت علم کی بلندی سے زوال ہوا تو حفاظتِ علم ہی میں خیریت نظر آئی ــــــ اقدام کے بجائے مدافعت ہماری زینت بن گئی جو زوال پذیر قوموں کی نشانی ہے ــــــ ترقی پذیر قوموں کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ نیوٹن چاہے جتنا بڑا سائنس داں رہا ہو آئندہ آنے والے وہاں سے شروع کرتے ہیں جہاں اس نے چھوڑا تھا۔ اس کے بیشتر نظریات اس دوران رد بھی کئے جاتے ہیں لیکن اس سے اس کی عظمت اور بابائے جدید سائنس کہلانے میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

زوال پذیر قومیں اپنے اسلاف کے کارناموں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتی رہتی ہیں۔ اس کے افراد کا یہ عقیدہ بن جاتا ہے کہ وہ ان کے علم کو محفوظ رکھ لیں اتنا کافی ہے، ان سے آگے بڑھنا تو درکنار ان کی برابری بھی ناقابلِ تصور ہے۔ اس احساس کمتری کی نفسیات کے زیر اثر وہ اپنی تمام قوتیں صرف حفاظت میں صرف کرتی ہیں اور ظاہر ہے کہ جب کوئی تجدیدی کام نہ ہو تو ارتقاء کا تصور تو درکنار، بقا کی حالت بھی برقرار نہیں رہتی کیونکہ مکمل حفاظت (بجز الفاظ قرآن) ممکن نہیں ہے فن اسماء الرجال کے انتہائی بلندی تک پہنچنے کے باوجود شر پسندوں نے احادیث کے ذخیرے میں گڑبڑ کی

زوال کے اس دور میں بھی رحمت ذوالجلال نے وقت کے ہر تھوڑے فاصلے پر کوئی نہ کوئی روشنی کا مینار نصب کئے رکھا اور یہ انہیں لائٹ ہاؤسز (Light Houses) کا طفیل ہے کہ امت مسلمہ ایک مرتبہ پھر زوال کے آخری کنارے کو عبور کرنے کے سرے پر ہے اور عروج کے میدان میں انشاء اللہ تعالیٰ قدم رکھنا اب زیادہ دور نہیں۔

جہاں میں اہل ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

وقت کی شاہراہ پر نصب ان روشنی کے میناروں میں سے ایک قریب ترین اور روشن مینار "احمد رضا" کے نام سے معروف ہے جس کی روشنی آج ۷۰ سال کے فاصلے سے بھی ظلمتوں کا سینہ چیرتی ہوئی جویان حق کو عروج کی سرحدوں کی جانب رواں دواں رہنے میں معاون ہے۔

امام احمد رضا

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علم کی عظمتوں کے کس پہلو کا بیان کروں! وہ علم کے سمندر تھے۔ ایک موج تک پہنچنے کی کوشش ہی کرتا ہوں کہ اگلی سر اٹھاتی ہوئی ہو سر کے اوپر سے گزر جاتی ہے، اور حدِ نگاہ تک ایسی موجیں ہی موجیں نظر آتی ہیں۔ کیا سمندر کو بھی کوزے میں بند کیا جاسکا ہے؟ اور پھر یہ خاکسار تو ابھی تازہ بتازہ ان کے مداحوں کی فہرست میں وارد ہوا ہے

علوم قرآنیہ سے گھر کے ماحول کے باعث بچپن ہی سے کچھ مناسبت رہی ہے مگر ایک طفلِ مکتب کے لئے یہ ممکن نہیں کہ امام صاحب کے علوم دینیہ پر دسترس کے تذکرے کا احاطہ بھی کر سکے۔ امامانِ وقت نے جس کا لوہا مانا اس کے اس میدان کے جواہر سے آشنا کرانے کے لئے اہل علم موجود ہیں اور حق ادا کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ میں اس تذکرے کو چار مضامین، معاشیات، سائنس، ریاضی اور

تقابل ادیان تک محدود رکھوں گا کیوں کہ اسے میں اپنے لئے سہل پاتا ہوں۔

معاشیات :- معاشیات سے مجھے خصوصی ذاتی دلچسپی رہی ہے۔ اس میدان میں داخل ہو کر اعلیٰحضرت کے قد پر نگاہ ڈالی تو یہاں بھی وہ بہت بلند نظر آئے۔

یہ حقیقت ہے کہ دینوی علوم سے بے نیاز ہو کر دینی علوم کی تکمیل ممکن نہیں ہے۔ کم از کم ایک فقیہ اور مفتی کے لئے تو یہ ضروری ہے کہ اسے برق رفتاری سے تغیر پذیر دنیا میں پیش آنے والے نت نئے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لئے گردوپیش کا علم ہو۔ مثلاً مسائل حاضرہ کا ایک معمولی سوال ہے کہ روپے کے بالعوض ڈالر خریدے اور بیچے جاسکتے ہیں یا نہیں، اور اس خرید و فروخت کے نتیجے میں منافع کمانا جائز ہے یا نہیں؟ بظاہر معمولی نظر آنے والے اس سوال کا جواب دینے کے لئے دارالعلوم اور جامعات کا موجودہ نصابی کورس ناکافی ہے۔ جواب دینے والے مفتی کو یہ علم ہونا چاہیئے کہ کاغذ کا یہ ٹکڑا جسے ہم نوٹ یا ڈالر کہتے ہیں کیا چیز ہے؟ اس پر حکومت کے کنڑول کی نوعیت کیا ہے؟ حکومتیں غریب اور امیر کیوں ہوتی ہیں؟ غریب حکومتیں بہت سے نوٹ چھاپ کر مالدار کیوں نہیں بن جاتیں؟ روپے کی قیمت میں کمی بیشی کیسے ہوتی ہے؟ ایک ملک کی کرنسی کا دوسرے ملک کی کرنسی سے باہم کیا رشتہ ہے؟ رزرو بینک اور عالمی بنک اس میں کیا کردار ادا کرتے ہیں؟ افراط زر اور قلت زر کا کیا مطلب ہے اور ان کے ملکی معیشت پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ وغیرہ ان تمام امور سے واقفیت کے بغیر مندرجہ بالا سوال کا صحیح جواب ممکن نہیں ہے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ معاشیات کے ماہرین قرآن وحدیث سے بے بہرہ ہوتے

ہیں اور مفتیان کرام بالعموم اکنامکس کی الف بے سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ ایسی صورت حال میں جدید مسائل پر دیئے گئے فتاویٰ اگر جدید تعلیم یافتہ ذہن کو مطمئن کر سکنے میں ناکام رہتے ہیں اور دین پر فرسودگی کا الزام عائد ہوتا ہے، تو اس میں الزام لگانے والوں کا کچھ بہت زیادہ قصور نہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا اس موضوع پر لکھا ہوا رسالہ اٹھا کر دیکھ لیجئے "کرنسی نوٹ کے مسائل" کے عنوان سے یہ رسالہ جو ایک اچھی خاصی کتاب ہے اردو زبان میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ امام صاحب نے حجاز کے اپنے ایک سفر میں بارہ سوالات کے جواب میں یہ رسالہ فی البدیہہ عربی زبان میں تحریر فرمایا تھا اور لطف یہ کہ دوران سفر حوالہ جات کے لئے کسی قسم کی کتب ساتھ نہ تھیں۔ اس میں جو فی البدیہہ فقہی حوالے تحریر فرمائے ان کا تعلق تو علم فقہ سے ہے لیکن کسی ماہر معاشیات کو اگر یہ مطالعے کے لئے دیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ یہ ایک عالم دین کے قلم سے نکلنے والے وہ الفاظ ہیں جو چند گھنٹوں میں معرض وجود میں آ گئے تھے تو وہ اسے ایک معجزے سے کم تصور نہیں کرے گا۔ اس دور کی معاشیات مختلف معیشتوں کا باہم تعلق، نوٹ اور روپے (اس زمانے میں چاندی کے روپے رائج تھے) کا باہمی ربط، ان دونوں کی جنس میں فرق کے باعث انکے باہم تبادلے کی فقہی نوعیت، نوٹ کا ذخیرہ کرنا، نوٹ کے بدلے روپے خریدنا اور بیچنا، نوٹ مال ہے یا دستاویز وغیرہ پر امام صاحب نے ایسی سیر حاصل بحث کی کہ وہ بیک وقت ایک فقیہہ اور ماہر معاشیات نظر آتے ہیں اور یہی ان کا امتیاز ہے انکم ٹیکس انسپکٹر لکھنؤ محترم ظہور افسر صاحب نے اپنی کتاب Ala Hazrat at a glance (اعلحضرت ایک نظر میں) کے ایک باب Ala Hazrat as an economist (اعلحضرت بحیثیت ایک ماہر معاشیات) میں

اعلحضرت کی ۱۹۱۲ء کی ایک تصنیف[1] کا مختصر تجزیہ پیش کیا ہے، جس میں انہوں نے ملک کے مسلمانوں کے سامنے چار بیش قیمت مشورے رکھے تھے ان میں سے ایک مشورہ یہ تھا کہ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس اور حیدرآباد کے خوشحال مسلمان دیگر غریب مسلمانوں کے لئے بنک قائم کریں۔ جناب ظہور افسر صاحب کے تجزیئے کا ایک جملہ اردو میں نقل کر کے نقل کر رہا ہوں جس سے اعلحضرت کی معاشی بصیرت پر روشنی پڑتی ہے۔

"اعلحضرت نے ایک ایسے وقت میں بنک کاری کی بات کی اور اسکا مشورہ دیا جب ملک میں بنک کوئی خاص کردار ادا نہیں کر رہے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں ہندوستان کے بڑے شہروں میں صرف چند بنک تھے اور اس وقت کوئی یہ سوچ نہیں سکتا تھا کہ تین چار دہائیوں کے بعد بینک اتنی اہمیت اختیار کر جائیں گے"

سائنس:

سائنس زمانہ طالب علمی میں میرا خاص مضمون تھا۔
جدید دور میں کئی عالم ایسے گزرے ہیں جنکو سائنس سے نابلند نہیں کہا جا سکتا اور سائنس کے ہر طالب علم کے دل میں ایسے ہر عالم کی وقعت پیدا ہونا ناگزیر ہے جس نے سائنس کا مطالعہ بھی کیا ہو۔

ستمبر ۹۰ء میں برادر عزیز محمد شہاب الدین رضوی صاحب (جو اس وقت سنی دنیا بریلی کے مدیر ہیں) نے مجھے ایک کتاب مطالعے کے لئے دی "فوز مبین در رد حرکت زمین" جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تصنیف تھی۔ دو سال قبل ہجوم نئی دہلی[2] کے ذریعہ اعلیٰ حضرت کی طرف سے وہ شکوک و شبہات رفع ہو چکے تھے جو میرے

---

(۱) اس تصنیف کا نام ہے "تدبیر و فلاح و نجات و اصلاح" جو متعدد بار ہند و پاک سے شائع ہو چکی ہے۔ اس رسالہ کی روشنی میں پروفیسر رفیع اللہ صدیقی نے امام احمد رضا کے ۴ معاشی نکات "کے نکات سے ایک طویل مقالہ تحریر کیا ہے۔ یہ تصنیف حاجی لعل محمد کے سوال کا جواب ہے۔ (مرتب)

(۲) ہفت روزہ ہجوم۔ جناب جاوید حبیب کی ادارت میں امام احمد رضا نمبر شائع ہوا جس کو حلقہ اہل سنت میں پسند کیا گیا۔ تاہم جاوید حبیب کی حقیقت پسندی کی بھی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ انہوں نے امام احمد رضا بریلوی کے پیغام کو پہنچانے کے لئے یہ مستحسن قدم اٹھایا (مرتب)

حلقۂ تعارف کے باعث شروع سے میرے دماغ میں بسے تھے۔ جاوید بھائی (محترم جاوید حبیب صاحب مدیر ہجوم اور سابق کنوینر بابری مسجد ایکشن کمیٹی) کا ممنون ہوں کہ انہوں نے میری آنکھیں کھولی تھیں اور شہاب صاحب میرے محسن ہیں کہ اعلیٰ حضرت کے مقام کی طرف مجھے متوجہ کر گئے۔ ان کی دی ہوئی کتاب کے اوراق الٹتا رہا اور حضرت کے سمندر میں غوطے کھاتا رہا تقریباً ایک صدی قبل اس وقت کی جدید سائنس کی اتنی عمیق واقفیت رکھنے والا عالم دین اور اہل سائنس اسے صرف ایک فرسودہ عالم سمجھتے تھے! ان کے ساتھ اس ناانصافی میں ان کے پیروؤں کا بھی حصہ ہے۔ اس موقع پر ان شاء العزیز پھر کبھی اظہار خیال کروں گا) بعض علمائے دین کی سائنس سے واقفیت اور اس کے حوالے پیش کرنا قابلِ تحسین تھا لیکن خود سائنس کے میدان میں ممتاز سائنس دانوں کا انہیں کی زبان میں مدلل تعاقب میرے لئے ایک حیرتناک تجربہ تھا۔ امام صاحب نے ایک معرکۃ الآرا تصنیف میں گیلیو کے (Laws of Falling biodies) (گرنے والے اجسام کے اصول) کوپرنکس اور کیپلر کے گردشِ سیارگان کے نظریات اور آئزک نیوٹن کے (law of mavtia) (کلیۂ جمود) (law of gravitation) (کششِ ثقل کا اصول) کارد کیا ہے۔ البرٹ آئنسٹائن کی Theory of Relativity (نظریۂ اضافت) پر گفتگو کی ہے اور ارشمیدس آر کے اصول (کہ پانی میں اشیاء کے وزن میں ہٹائے ہوئے پانی کے وزن کے بقدر کمی ہو جاتی ہے) کی تائید کی ہے۔ کتاب میں حضرت مولانا نے مد و جزر کی تفصیلات پر بہت طویل تکنیکی بحث کی ہے، دیگر سیاروں پر اجسام کے اوزان میں کمی بیشی پر تبصرہ فرمایا ہے Conpigal اور centrifugal کے اصولوں پر کلام کیا ہے۔ علاوہ ازیں کتابِ مذکور میں وہ سمندر کی گہرائی، زمین کے قطر، مختلف سیاروں کے اہم فاصلے، مختلف مادوں کی Relativ Densities ہوا کے دباؤ کے سائنسی دعوؤں

کی تفصیلات اور اعداد و شمار سے نہ صرف واقف نظر آتے ہیں بلکہ اپنے دلائل کے ثبوت میں ان اعداد و شمار کا استعمال کرتے ہیں۔

آج اعلیٰ حضرت کی عظمت کا جیتا جاگتا ثبوت خود سائنس نے ہمیں فراہم کر دیا ہے۔ مذکورہ کتاب میں حضرت امام نے سکونِ شمس کا مدلل رد فرمایا تھا اور آج سائنس کو اعتراف ہے کہ سورج ساکن نہیں ہے بلکہ گردش ہے۔ سورج اپنے محور پر ایک چکر ۲۵ دن میں پورا کرتا ہے اور اپنے مدار Doint میں ۱۵۰ میل فی سکنڈ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے۔ جدید سائنسی تحقیقات نے اب یہ بتایا ہے کہ سورج اور چاند کی زندگی ایک روز ختم ہو جائے گی۔ اور یہ کہ سورج ایک مخصوص سمت میں بھی بہا چلا جا رہا ہے۔ آج سائنس اس مقام کا محل وقوع بھی بتاتی ہے اور جہاں تک سورج جا کر ختم ہو گا اسے Solarapex کا نام دیا گیا ہے۔ سورج اس سمت ۱۲ میل فی سکنڈ کی رفتار سے بہہ رہا ہے۔

اللہ اکبر! اللہ عزوجل نے اپنے حبیب کی معرفت اپنے کلام میں ڈیڑھ ہزار سال قبل مطلع فرمایا تھا کہ:

"اے سننے والے کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ رات لاتا ہے دن کے حصے میں اور دن کرتا ہے رات کے حصے میں اور اس نے سورج اور چاند کام میں لگائے۔ ہر ایک ایک مقرر میعاد تک چلتا ہے ...."
(لقمٰن - ۲۹) (کنزالایمان)

نیز: "اور سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لئے۔ یہ حکم ہے زبردست علم والے کا" ________ (یٰسین - ۳۸)

یہ اعزاز عاشقِ زارِ مصطفےٰ جانِ رحمت احمد رضا کا مقدر ہوا کہ سائنس کے سکونِ شمس کے

نظریئے کے پیش ہونے کے بعد وہ پہلا شخص تھا جس نے سائنسی دلائل ہی سے اس کارد کیا اور سورج کو حرکت پذیر اور محوِ گردش ثابت کیا۔

آج حق ثابت ہو چکا۔ باطل ملیا میٹ ہو گیا۔ اِنَّ الباطل کان زھوقا

لیکن افسوس! حق پرست امام احمد رضا کو پیروانِ اماما مانِ سائنس سے تسلیم کروانے میں ہنوز ناکام ہیں۔

امام صاحب کی عظمت کا ایک اور زندہ ثبوت یہ ہے کہ بابائے جدید سائنس سرآئزک نیوٹن کے بیشتر نظریات میں آج سائنس نے تسلیم کر لی ہے۔

دورِ زوال کی شروعات کے بعد سے آج تک میرے علم میں ایک بھی عالم دین ایسا نہیں ہے جس نے بارہا اپنے وقت کی سائنس کو اسی کے میدان میں اسی کی زبان میں چیلنج کیا ہو اور بالآخر کامران رہا ہو۔ لفظ "بارہا" میں نے اس لئے استعمال کیا کہ کم از کم ایک اور واقعہ اسی نوع کا امام صاحب کے تذکرے میں جگہ جگہ میں نے پڑھا ہے اور یقیناً بیشتر قارئین کی نظر سے وہ پہلے ہی گزر چکا ہوگا کہ امریکی میٹرولوجسٹ البرٹ پورٹا نے پیشن گوئی کی تھی کہ ۱۷ ردسمبر ۱۹۱۹ء کو سیاروں کے اجتماع اور کشش کے باعث سبب دنیا میں زلزلے اور طوفان آئیں گے۔ امام صاحب نے اس کے رد میں ایک رسالہ تحریر فرمایا اور امام صاحب کی بات سچ ثابت ہوئی۔ پورٹا کی پیشن گوئی غلط ثابت ہوئی۔

ریاضی:

الیکٹریکل انجینیرنگ کی تعلیم کے دوران سائنس کے ساتھ ایڈوانس میتھمیٹکس بھی میرا مضمون تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایک بی۔ ایس سی کے درجہ تک کا ریاضی کا طالب علم بھی "فوزِ مبین در ردِّ حرکتِ زمین" میں امام احمد رضا کی حسابی باریکیوں کو پوری طرح سمجھ سکنے کا اہل ہوگا۔ اسے سمجھنے کے لئے کم از کم ایم۔ ایس سی (ریاضی) کی استعداد کی

ضرورت ہے۔ ریاضی ایسا مضمون نہیں ہے جو بغیر استاد کی مدد سے پڑھا جا سکے لیکن تاریخ میں کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جنہیں عام لوگوں کے لئے وضع کردہ اصولوں پر پرکھنا ممکن نہیں ہے۔ امام صاحب ان میں سے ایک تھے۔ اپنی اس کتاب میں وہ الجبرا، جیومیٹری، ٹرگنومیٹری، لاگریتھم Logarithem اور APP Maths کے مضامین اسٹیٹکس اور ڈائنامکس کا ایک اتھارٹی کی حیثیت سے استعمال کرتے نظر آتے ہیں اور لطف یہ کہ سائنس اور ریاضی کے خشک مضامین کی بحث کے دوران جا بجا مندرجہ ذیل طرز کی ادبی چاشنی بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔

"وہی بات آگئی جو ہم نے ان کی دانش پر گمان کی تھی کہ نیچے دیکھا تو جاذب سمجھے اوپر نگاہ اٹھی تو اسے بھول گئے۔ فرار پر قرار ہوا"

تقابلِ ادیان:

راقم الحروف کی موجودہ دلچسپیاں تقابلِ ادیان کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔ گو کہ اس موضوع پر کوئی باقاعدہ رسالہ یا تصنیف امام صاحب کی میرے علم میں نہیں ہے لیکن مجھے ایک خوش گوار حیرت سے دوچار تب ہونا پڑا جب فتاوی رضویہ میں جگہ جگہ امام صاحب کی دیگر ادیان سے واقفیت کی جھلک نظر آئی۔

ایک صاحب نے فری میسن تحریک سے متعلق سوال پوچھا۔

فری میسن ان چند خفیہ تحریکوں میں سے ایک ہے جس سے واقفیت رکھنے والا کروڑوں میں کوئی ہوتا ہے۔ فری میسن کے رموز اور اصولوں کو اس کے ممبران کسی پر کبھی ظاہر نہیں کرتے۔ مجھے واقعی حیرت ہوگی اگر آج ہندوستان کا کوئی ایک عالم دین بھی فری میسن سے واقفیت رکھنے والا میرے علم میں آئے گا۔

امام صاحب نے جواب دیا۔ گو جواب مفصل نہیں ہے لیکن سائل کو اس سے زیادہ

کی ضرورت نہیں تھی۔

جواب فتاویٰ کی جلد دہم نصف آخر کے ص ۲۵۸ پر تحریر ہے۔

ایک صاحب نے سوال بھیجا کہ گاندھی جی کو مہاتما کہنا کیسا ہے؟

کوئی فرسودہ عالم ہوتا تو جواب دیتا کہ مشرکین کی زبان استعمال کرنا سخت ناروا ہے۔
اوسط فہم رکھنے والے علماء تہدید فرماتے کہ مشرک غیر مسلم کی تعظیم جائز نہیں ہے
اس لئے اجازت نہیں۔

ترقی پسند ذہن رکھنے والے عالم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ رائج الوقت زبان کا جزء ہے اور بعض مواقع پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم سربراہانِ قبائل کی دعوتی نقطۂ نظر سے عزت افزائی فرمائی ہے۔

لیکن جس باریکی کی طرف امام صاحب نے متوجہ فرمایا اس کی نگاہ جا سکتی ہے جو تقابل ادیان سے دلچسپی رکھتا ہو۔ جواب میں فرمایا کہ مہاتما کا مطلب ہے روح اعظم، اور لفظ روح اعظم جس ہستی کے لئے مخصوص ہے اس کے سوا کسی کے لئے روا نہیں۔ کسی مسلمان کے لئے بھی نہیں۔ (۱)

---

(۱) تحریک خلافت ۱۹۲۱ء میں زور و شور سے چلی جس کی قیادت مسٹر گاندھی کر رہے تھے، ان کی چالا کی سے کچھ مسلم قائدین مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، شوکت علی اور محمد علی جوہر وغیرہ شامل ہو گئے۔ یہ لوگ دام صیاد میں ایسے گرفتار ہوئے کہ مسٹر گاندھی کو مہاتما اور جے کے نعرے لگانے لگے تھے۔ امام احمد رضا بریلوی نے تعاقب کیا اور ان کے غیر اسلامی طرز کی طرف توجہ دلائی جن میں سے اکثر نے توبہ کی۔

حوالہ ۱۔ ماہنامہ کنزالایمان ص ۴۳ بابت نومبر ۱۹۹۴ء برطانوی سامراج میں مذہب و سیاست ص ۶۵ مطبوعہ دہلی ۱۹۹۴ء (مرتب)

مندرجہ بالا سوال وجواب بھی فتاویٰ رضویہ جلد دہم میں درج ہیں

"فوزِ مبین در ردِ حرکت زمین" کا آغاز آیاتِ قرآنی اور عربی زبان ہیں حمد وثناء و دعا کے بعد ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

"الحمد للہ وہ نور کہ طور سینا سے آیا اور جبل ساعیر سے چمکا اور فاران مکہ معظمہ کے پہاڑوں سے فائض الانوار و عالم آشکار ہوا......"

مندرجہ بالا الفاظ کا استعمال حضرت مولانا کے بائبل کے مطالعے کا غماز ہے۔ مولانا آزاد جیسے ذہین اور قادر الکلام شخص نے امام صاحب کے یہ الفاظ اپنے تقابلی مطالعے کے ایک مضمون کی تمہید کے لئے (معمولی ردوبدل کے ساتھ) مستعار لیے۔

بعض عالم کہلانے والے کم علم لوگ اس خیال کی اشاعت کرتے نظر آتے ہیں کہ سابقہ کتب آسمانی اور دیگر مذاہب کی مذہبی کتب کا مطالعہ گناہ ہے۔ وہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی اس حدیث کو نہیں جانتے کہ ــــــ

"قریب ہے وہ شخص اسلام کی ایک ایک کڑی علیحدہ کر دے جس نے اسلام میں ہی آنکھیں کھولیں اور جاہلیت سے بالکل ناآشنا ہے۔" وہ صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی واقف نہیں ہیں کہ "حدثوا عن بنی اسرائیل ولاحرج یعنی بنی اسرائیل کی دو آیتیں۔ (حسب ضرورت دین) بیان کر سکتے ہو اس میں حرج نہیں ہے"

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا مذاہبِ غیر کے پیروؤں کے اعتراضات کا رد انہیں کے اعتقادات اور انہیں کی تسلیم شدہ کتب کے ذریعہ بے حد مؤثر انداز میں دیا کرتے تھے امام صاحب کے علمی تبحر کا یہ پہلو ابھی تک نسبتاً غیر معروف ہے کہ غیر مذاہب کی مذہبی کتب کا نہ صرف مطالعہ بلکہ اس کا استحضار اور بوقت ضرورت اس کا استعمال انہیں

تقابل ادیان کے شعبے میں بھی ایک ممتاز مقام کا حامل ثابت کرتا ہے۔

بریلی باسمنڈی کے مولوی سید غلام قطب الدین صاحب پردیسی جی برہمچاری[1] نے ان سے سوال کیا کہ "راماسنگھم نے قرآن عظیم کی تین آیات کا حوالے دے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) گنہگار قرار دیا ہے ....."

امام صاحب نے ۱۵ دلائل کے ذریعہ اس کا رد فرمایا لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ دلیل نمبر ۷ میں ہندوؤں کی مذہبی کتاب وید کے ان تراجم کا حوالہ دیکر جو انتہائی مہمل ہیں، یہ ثابت کیا ہے کہ ہر تفسیر معتبر اور ہر مفسر مصیب نہیں ہے کہ کشاف وغیرہ کی۔ مندرجہ بالا آیات کی تفسیر کی بنیاد معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے ادبی سے گناہ گار کہا جائے۔ امام صاحب کے طرز استدلال کی خوبی یہ ہے کہ راماسنگھم چونکہ آریہ تھا اس لئے اس پر یہ بھی واضح فرمایا کہ دیانند سرسوتی (بانی آریہ سماج) نے ان تراجم کا انکار کر کے اپنے ترجمے کئے۔ اس

---

(۱) مولانا غلام قطب الدین برہمچاری بن حکیم سخاوت حسین چشتی، قصبہ سہسوان ضلع بدایوں میں ولادت ہوئی، اولاً اپنے والد سے تحصیل علم کی، بعدہٗ علی گڑھ پہنچ کر مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے تکمیل علوم کی۔ شاہ سید محمد اسلم سے بیعت تھے۔ شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی سے اجازت وخلافت حاصل کی تھی۔ سترہ سال بعد بنارس کے مندر میں پنڈتوں سے ہندی اور سنسکرت کی تعلیم لی، بعدازاں کلکتہ جاکر پیارو قوال سے فن موسیقی سیکھا مولانا برہمچاری امام احمد رضا بریلوی سے عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ ان کی قائم کردہ تنظیم جماعت رضائے مصطفٰے کے سرگرم مناظر و واعظ رہے۔ آریوں سے زبردست مناظرے کر کے فتح حاصل کی۔ تقریر بے نظیر کرتے تھے۔ ۱۹۲۳ء میں چلنے والی تحریک انسداد شدھی میں مسلسل وعظ ونصائح فرماتے رہے، جس کے ذریعے ہندو مسلمان ہو گئے۔ مولانا ۱۸ رمضان ۱۳۵۰ھ کو واصل بحق ہوئے۔ خواجہ سید مصباح الحسن پھپھوندوی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حوالہ: مردان خدا ص ۱۵۱۸ از رضا علی خاں مطبوعہ بریلی ۱۹۹۰ء/ تاریخ جماعت رضائے مصطفٰے

(مرتب)

یہ بھی معلوم ہوا کہ امام صاحب کی نظر پر وید کے ایک سے زائد تراجم تھے۔ استدلال نمبر ۷ کے الفاظ ذیل میں قارئین کی نظر ہیں۔

"(۷) نہ ہر تفسیر معتبر نہ ہر مفسر مصیب۔ مشرک کا ظلم ہے کہ نام لے آیات کا اور دامن پکڑے نامعتبر تفسیرات کا ایسا ہی ہے تو وہ لغویات وہزلیات وفحشیات کہ ایک مہذب آدمی کو انہیں بکتے بلکہ دوسرے آدمی سے نقل کرتے عار آئے جو آریہ کے ویدوں میں اہلی کھلی بھر رہی ہیں اور خود بندگان وید نے اس کے ترجموں میں وہی حد بھر کے گندے گھنونے فحش لکھے ان سے آریہ کی جاں کیوں کر چھوٹے گی مثلاً یجروید میں ایشور کی بیماری کا حال لکھا کہ بستر بیماری پر پڑے پکار رہے ہیں کہ او سیکڑوں طرح کی علم وعقل رکھنے والو تمہاری سیکڑوں ہزاروں طرح کی بوٹیاں ہیں ان میں سے میرے ستر یہ کو نروگ کر واے اباجان تو بھی ایسا کر"۔ نیز یہ بھی فرمارہے ہیں کہ "اے بوٹیوں کے مانند فائدہ دینے والی دیوی ماتا میں فرزند تجھ کو بہت عمدہ نصیحت کرتا ہوں۔ ماتاجی کہتی ہیں اے لائق بیٹے میں والدہ تیرے گھوڑے گائیں زمین کپڑے جان کی حفاظت وپرورش کرتی تو مجھے نصیحت مت کر۔ اسی یجروید کے ادھیائے ۳۱ منتر اول میں ایشور کے متعلق ہے اس کے ہزار سر ہیں ہزار آنکھ ہیں ہزار پاؤں ہیں زمین پر وہ سب جگہ ہے الٹا سیدھا تب بھی دس انگلی کے فاصلے پر ہر آدمی کے آگے بیٹھا ہے نیز ویدوں میں اس کا نام سروبیاپک सर्वव्यापक یعنی ہر شے میں جاری وساری) ہے۔ یعنی ہر جگہ سمایا ہوا ہر چیز میں رما ہوا ہر خلا میں گھسا ہوا ہے ہر جانور کی مقعد ہر مادہ کی فرج ہر پاخانہ کی ڈھیری میں ایشور ہی ایشور ہے دیانند نے محض زبردستی ان کی کایا پلٹ کی اور انہیں فحش سے نکالا مگر اردو مترجموں کا ترجمہ کہاں مٹ جائے گا مفسر تو اپنی طرف سے مطلب کہتا ہے اور مترجم خود اصل کلام کو دوسری زبان میں بیان کرتا ہے ترجمے کی غلطی اگر ہوتی ہے تو دو ایک

لفظ کے معنی ہیں نہ کہ سارے کا سارا کلام محض فحش سے حکمت کی طرف پلٹ دیا جائے اور اگر سنسکرت ایسی ہی پیچیدہ زبان ہے جس کی سطروں کی سطریں چاہے فحش سے تعبیر کر دو خواہ حکمت سے تو وہ کلام کیا ہوا۔ بھان متی کا گورکھ دھندا ہوا اور اس کے کس حرف پر اعتماد ہوسکتا ہے معلوم نہیں کہ مالا جپی ہے یا گالی بکی ہے''

ویدوں کے مختلف مترجمین اور مفسرین کے اختلافات کے منہ توڑ تذکرے سے اعلیٰ حضرت نے حجت تمام کر دی لیکن یہ سوال و جواب مندرجہ بالا دلیل نمبر ، کے ساتھ ۱۵ دلائل پر ہی ختم نہیں ہو گی۔ حکمتِ الٰہی کو کچھ اور بھی منظور تھا اور امام صاحب کے بائبل کے مطالعہ کی گہرائی بھی ہمارے سامنے عیاں کرنی تھی۔ مولوی صاحب نے تحریر فرمایا کہ ''اماں گم آریہ سے نصرانی ہو گیا ہے۔ روئے جواب جانبِ نصاریٰ ہونا چاہیئے''۔ امام صاحب نے جواباً فرمایا ''بحمد للہ وہ جواب کافی دوافی ہے۔ صدرِ کلام میں آریہ کی جگہ نصرانی لکھ لیجئے ہاں نمبر، بالکل تبدیل ہو گیا ہے۔ اسے یوں لکھئے ......''

آج کل تو بہت سے مولوی صاحبان بائبل اور اناجیل کے فرق ہی سے واقف نہیں ہیں۔ کبھی کچھ حوالے پڑھ کر نقل کرتے ہیں تو بائبل کی جگہ انجیل لکھ دیتے ہیں اور لاعلم عوام پر اپنی قابلیت کا سکہ بٹھاتے ہیں۔ کس جگہ لفظ بائبل کا استعمال ہوا اور کہاں انجیل یہ اہتمام تو وہی کر سکتا ہے جس نے صرف کچھ ترجمے پڑھ کر نقل نہ کر دیئے ہوں بلکہ بائبل کی تفصیلات اور باریکیوں سے واقف ہو۔

امام صاحب نے اپنے جواب میں بائبل کا ایک مہمل واقعہ نقل کیا جس میں بیٹے کی عمر باپ سے زیادہ ثابت ہوتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا نسب نامہ درج کرنے میں متی اور لوقا کی اناجیل میں اختلافات کی مثال پیش کی اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا

انجیل میں یہ قول نقل کرنے کے بعد کہ وہ توریت کو منسوخ کرنے نہیں آئے تھے، اسی انجیل سے ایسی کئی مثالیں پیش کی ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سابقہ انبیاء کے احکامات کی منسوخی کا اعلان کرتے نظر آتے ہیں۔

حضرت امام نے جو جواب مرحمت فرمایا اس کی دلیل نمبر ۷ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"(۷) نہ ہر تفسیر معتبر نہ ہر مفسر معیب نصرانی کا ظلم ہے کہ نام لے آیات کا اور دامن پکڑے نامعتبر تفسیرات کا عربی زبان تو لسان مبین ہے نہ ہر محل قابل تاویل نہ ہر تاویل لائق تحویل کہ ہر شخص جہاں چاہے اپنی خواہش کے مطابق مطلب بنالے اور محل متحمل میں تاویل صحیح کا باب بے شک واسع اور ہر زبان اور ہر قوم میں شائع و ذائع اس کا انکار نہ کرے گا مگر مکابر مفتون اور اس کا اقرار نہ کرے گا مگر دیوانہ مجنون ہاں بائبل کی زبان ایسی پیچیدہ ہے کہ اور تو اور خود مصنف محرف کی سمجھ میں نہیں آتی۔ تواریخ کی دوسری کتاب باب ۲۱ درس ۲۰ اور باب ۲۲ درس ۱ میں لکھا وہ ۳۲ برس کی عمر میں بادشاہ ہوا ۸ برس بادشاہت کی اور جاتا رہا داؤد کے شہر میں گاڑا گیا یروشلم کے باشندوں نے اس کے چھوٹے بیٹے اخزیاہ کو اس کی جگہ بادشاہ کیا۔ اخزیاہ ۴۲ برس کی عمر میں بادشاہ ہوا یعنی باپ ۴۰ برس کی عمر میں مرا اس وقت بیٹا ۴۲ برس کا تھا۔ باپ سے دو برس پہلے پیدا ہولیا تھا متی کی انجیل میں مسیح و داؤد علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بیچ میں صرف ۲۶ پشتیں ہیں اور اس میں عود بھی گنا دیا ہے کہ مسیح تا داؤد ۲۸ شخص ہیں لیکن لوقا کی انجیل میں مسیح سے داؤد تک ۴۲ آدمی ہیں۔ ۱۵ پشتیں زائد اور اسماء بھی بالکل نامطابق ایضاً انجیل متی باب ۵ درس ۱۷۔ "یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے میں آیا منسوخ کرنے نہیں بلکہ پوری کرنے آیا ہوں" درس ۱۸ "کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جائیں

ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا،، یہاں تو نسخ کا اس شدت سے انکار ہے اور جابجا انجیل ہی میں نسخ احکام توریت کا اظہار ہے۔ اسی انجیل کے اسی باب درس ۳۱، ۳۲ میں ہے۔ یہ بھی لکھا گیا کہ جو کوئی اپنی جورو کو چھوڑ دے اسے طلاق نامہ لکھ دے پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دیوے اس سے زنا کرواتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرتا ہے زنا کرتا ہے۔ ایضاً درس ۳۳ و ۳۴ تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے۔ کہا گیا کہ اپنی قسمیں خداوند کے لئے پوری کر پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ہرگز قسم نہ کھانا ایضاً درس ۳۸ و ۳۹ تم سن چکے ہو کہ کہا گیا آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ ایضاً باب ۱۹ درس ۸ و ۹ موسیٰ نے جوروؤں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی پر میں تم سے کہتا ہوں جو کوئی اپنی جورو کو سوا زنا کے اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی عورت کو بیاہے جماع کرتا ہے۔ یہی مضمون انجیل مرقس باب۔ ادرس ۲ تا ۱۲ میں ہے ان کے سوا بہت نظائر تناقص و نافہمی کے ہیں تو ثابت ہوا کہ عبری زبان ہی ایسی پیچیدہ ہے کہ اس میں کتاب تصنیف کرنے والا خود اپنی نہیں سمجھتا۔،،

مندرجہ بالا جواب کے بعد حضرت امام نے ۱۵ دلائل میں تین دلیلوں کا مزید اضافہ فرمایا اور وہ بھی بائبل کے حوالوں سے اس کے تضادات کو ثابت کرنے سے متعلق ہے۔

چونکہ رامانگھم نے آیات قرآنی پر بحوالہ بعض تفاسیر یہ اعتراض کیا تھا کہ معاذ اللہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہوں کا صدور ہوتا ہے، اس لئے اس کی رد میں امام صاحب نے حضرت مسیح علیہ السلام کا وہ قول نقل کیا جس میں ظاہری الفاظ کے مطابق وہ یہ

کہتے نظر آتے ہیں کہ مجھے نیک مت کہو۔ اس طرح اصل زبان سے ترجمہ کرنے اور مطلب اخذ کرنے میں جو سہو ہوتے ہیں ان کی جانب اشارہ فرمایا۔

پھر شریعت کی منسوخی اور عدم منسوخی پر بائبل میں جو متضاد احکامات پائے جاتے ہیں ان کی تفصیل نقل کی۔

اور آخر میں وہ حصے نقل کئے جن میں مترجمین بائبل اپنے تراجم میں سیدنا مسیح علیہ السلام کو نعوذ باللہ ملعون بتاتے ہیں۔

امام صاحب کی زبان میں اضافی دلائل قارئین ملاحظہ فرمائیں۔

"اور (۱۵) کے بعد یہ نمبر اور اضافہ کیجئے (۱۶) ہر صغیرہ سے صغیرہ کو گناہ کہہ سکتے ہیں اگرچہ قبل ظہور رسالت ہوا اور توسعًا خلاف اولیٰ بھی جو ہرگز منافی نبوت نہیں لیکن نیک ہونا تو نبی کے لئے لازم ہے نہ کہ وہ جو خدا کا بیٹا ٹھہرے مگر یہ انجیلیں کہتی ہیں کہ مسیح ہرگز نیک نہیں۔ دیکھو متی باپ ۱۹ درس ۱۶ و ۱۷، ایک نے اس سے کہا اے نیک استاد اس نے کہا تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔ یہی مضمون انجیل مرقس باب ۱۰ درس ۱۷ و ۱۸ و انجیل لوقا باب ۱۸ و ۱۹ میں ہے وہاں اگر بعض مفسرین نے معاذ اللہ گناہ گار ہونا مانا تھا تو یہاں تو انجیلیں مسیح کو معاذ اللہ صاف طور سے بد بتا رہی ہیں (۱۷) گناہ نہیں مگر شریعت کی مخالفت لیکن بائبل تو شریعت کو راسًا باطل کر رہی ہے۔ گلیتوں کو پولیس کا خط باب ۳ درس ۱۰ دے سب جو شریعت ہی کے اعمال پر تکیہ کرتے

کرتے ہیں سو لعنت کے تحت ہیں۔ درس ۱۱ کوئی خدا کے نزدیک شریعت سے راست باز نہیں ٹھہرتا۔ درس ۱۲ شریعت کو ایمان سے کچھ کچھ نسبت نہیں اور مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام پکے راست باز وکامل الایمان ہیں تو ضرور شریعت سے جدا ہیں تو گناہ گار ہیں۔

باب ۹ درس ۱۲-۱۳ میں ہے۔ سرزمین کس لئے ویران ہوئی اور بیابان کے مانند جل گئی خداوند کہتا ہے اسی لئے کہ انہوں نے میری شریعت کو ترک کردیا اور اوس کے موافق نہ چلے (۱۸) بلکہ ترک اولیٰ یا کسی صغیرہ کا صدور یا بدہونا بھی درکنار، بائبل تو مسیح علیہ السلام کو معاذ اللہ صاف ملعون بتاتی ہے۔ خط مذکور باب ۳ درس ۱۳ "مسیح نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے لعنت ہوا کیوں کہ لکھا ہے جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا ہو سو لعنتی ہے" والعیاذ باللہ تعالیٰ ایسے پوچ و لچر مذہب کے پابند کیوں دین حق اسلام کے خدام سے اولجھتے ہیں اپنے گریبان میں مونھ ڈالیں اور اپنی بگڑی کہ کبھی نہ سنبھلے گی سنبھالیں واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم ○ واللہ تعالیٰ اعلم مندرجہ بالا سوال وجواب فتاویٰ رضویہ کی جلد نہم ص ۷۳ تا ۸۰ درج ہیں۔

مخالفین بھی استفادہ پر مجبور

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے علم اور تفقہ کا اقرار ان کے مخالف اہل عصر کی زبان سے قارئین کے لئے کوئی نئی دریافت نہیں ہے لیکن ان کے طویل القامت

ہونے کا ناقابل تردید ثبوت یہ ہے کہ صرف زبانی اعتراف ہی نہیں روزمرہ کی عملی زندگی میں بھی امام صاحب کی خدمات سے ان کے مخالفین کے لئے بے نیاز ہونا ممکن نہیں ہے۔ برصغیر ہند و پاک کی ہر مسجد میں نقشۂ نظام اوقاتِ صلوٰۃ سے استفادہ کرنے والے بیشتر حضرات شاید اس سے بے خبر ہیں کہ یہ نظامِ اوقات امام احمد رضا خاں کی دین ہے۔

عالم اسلام میں علوم و فنون کی ترقی کے دور میں حیرت انگیز استعداد رکھنے والے ہمارے اسلام میں کتنے ہی روشن ستارے ہیں جو بیک وقت اتنے علوم کے ماہر تھے کہ ان کی نظیر مذاہبِ غیر میں ممکن نہیں لیکن دور زوال میں اگر نظر دوڑائیں۔ اور اس سے ہرگز با عظمت بزرگانِ دین کی تقصیر مقصود نہیں ہے کہ ہر ایک کا میدان جدا ہے ـــــ تو امام احمد رضا پچھلی کئی صدیوں کی تاریخ میں وہ واحد نام ہے جو بیک وقت تفسیر، حدیث، فقہ، تصوّف، ادب، نعتیہ شاعری، علم کلام، منطق فلسفہ، ہیئت، نجوم، توقیت، جفر، تکسیر، تقابلِ ادیان، جغرافیہ، سائنس، ریاضی، معاشیات، عمرانیات، لسانیات، الغرض الٰہیات، ارضیات، فلکیات اور بحریات کے (ماہرین کے اندازے کے مطابق) کم و بیش ۵۰ علوم کا نہ صرف ماہر تھا بلکہ استحضار کی کیفیت یہ تھی کہ فی البدیہہ حوالے بھی اس کی نوکِ زبان پر رہا کرتے تھے۔

ابھی چراغ روشن کرنے ہیں

- مردہ قومیں اپنے اسلاف کو دفن کر کے بھول جاتی ہیں۔
- زوال پذیر قومیں ان کے کارناموں کو حیرت و استعجاب سے تکتی رہتی ہیں۔
- زندہ قوموں کے افراد ان کے چھوڑے ہوئے کام سے ابتدا کرتے ہیں کہ ان کی منزل تسخیر افلاک سے بھی آگے ہوتی ہے۔ اے نام لیوانِ احمد رضا! تم نے تو ابھی اپنے امام کا اغیار تو درکنار امت مسلمہ میں بھی تعارف تک نہیں کرایا۔
- ابھی بہت کام باقی ہے۔
- اس کی قندیل سے اپنے چراغ روشن کر لو اور کائنات میں پھیل جاؤ۔

ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم

(پی۔ ایچ ڈی۔ جرمنی)

(سابق وائس چانسلر، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ بھارت)

”بہت خلیق، منکسر المزاج اور ریاضی بہت اچھی جانتے تھے باوجودیکہ کسی سے پڑھا نہیں، ان کو علم لدنی تھا میرے سوال کا جو بہت مشکل اور لا حاصل تھا ایسا فی البدیہہ جواب دیا کہ اس مسئلے پر عرصہ سے ریسرچ کیا ہے۔ اب ہندوستان میں کوئی جاننے والا نہیں“ ——— (ظفر الدین بہاری، حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، مطبوعہ کراچی، ص ۱۵۵)

”اتنا زبردست محقق عالم اس وقت ان کے سوا شاید ہی کوئی ہو۔ اللہ نے ایسا علم دیا ہے کہ عقل حیران ہے دینی، مذہبی اسلامی علوم کے ساتھ ریاضی، اقلیدس، جبر و مقابلہ، توقیت وغیرہ میں اتنی زبردست قابلیت کو میری عقل ریاضی کے جس مسئلے کو ہفتوں غور و فکر کے بعد بھی حل نہ کر سکی، حضرت نے منٹ میں حل کر کے رکھدیا،،

(مفتی محمد برہان الحق جبل پوری، اکرام امام احمد رضا، لاہور، سنہ ۱۹۸۱ء ص ۵۹ - ۶۰)

امام احمد رضا کے تعزیت نامے اور مکتوب نگاری

از : ——— محمد شہاب الدین رضوی
ایڈیٹر ماہنامہ سُنّی دنیا بریلی شریف

خطوط نویسی بھی ایک فن ہے ، کسی شخصیت کے باطنی کوائف کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی خلوت میں لکھی گئی دوست ، احباب اور تلامذہ کے نام ذاتی خطوط کا مطالعہ کیا جائے ۔ تو اس سے صاحب مکتوب کی باطنی اور اندرونی کیفیت نکھر کر سامنے آتی ہے ۔ ویسے ظاہر تو شاندار ہوتا ہے ، اور اسکی جلوہ آرائیاں سر بازار منظر عام پر آجاتی ہیں۔ جلوات کی خوبیاں ہر شخص دیکھتا ہے ، مگر خلوات کی رنگینیاں کوئی نہیں دیکھتا اس پر ایک دبیز حجاب پڑا ہوا ہے ۔ مگر شخصیت کے متعلق کوئی اچھی رائے قائم کرنے کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ تنہائی اور خاموش فضا میں لکھی گئی تحریروں کا مطالعہ کیا جائے گو کہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ظاہراً و باطناً یکساں نظر آتے ہیں انکے یہاں غالب ، آزاد وغیرہ کی طرح دورنگی نہیں ۔ وہ صرف جلوت و خلوت میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس و عظمت کے لئے گریہ و فغاں کرتے ملیں گے ۔

انسانی زندگی کا قریب سے مطالعہ ادب و فن کا بنیادی زاویۂ نظر رہا ہے ۔

لیکن زندگی اتنی پیچیدہ، متنوع بے رنگ وہمہ رنگ ہے کہ اس کا احاطہ اکثر مشکل ہو جاتا ہے شخصیت کی تہہ تک پہنچ کر اس وسیع و عمیق سمندر کی نامعلوم گہرائیوں سے کچھ حاصل کرنا جان جوکھم کا کام نہ سہی مگر ایک قد آور شخصیت اور گہری نظر کا مطالعہ ضرور کرتا ہے۔

ادب کے قاری، ادیب کی ظاہری شخصیت کے علاوہ اس کی نجی زندگی کے اسرار و حجابات کو بے نقاب دیکھنے کے آرزومند ہوتے ہیں۔ وہ اپنے اور اس ادیب کے درمیان رشتہ تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اس کوشش میں وہ اسے ہر رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں، اسرار کشائی کے جذبہ اور تجسس نے ادیبوں کے خطوط کی اشاعت اور انکے مطالعہ کو ادب اور ادبی تاریخ کا ایک اہم گوشہ بنا دیا، اسی گوشہ میں ادب اور قاری ایک دوسرے کے آمنے سامنے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے حجابانہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں اس کے رنج و غم کو محسوس اور اس کی خوشیوں کو دیکھ سکتے

امام احمد رضا کا شمار ہمارے ان فنکاروں اور ادیبوں میں ہے جو ہماری ادبی اور ذہنی تاریخ میں رہنما کی حیثیت اختیار کرتے ہیں۔ ان کی زندگی فن اور شخصیت کے نت نئے گوشوں کی تلاش میں ہمارے ادبی مذہبی "گوشوں" کے لئے ایک ایسے نو دریافت جزیرے کی حیثیت رکھتی ہے جن میں پوشیدہ و پنہاں صورتیں آئے دن دریافت ہو کر نئے امکانات کی طرف اشارہ کرتی، اور ایک جہانِ تازہ کی خبر دیتی ہیں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کے خطوط، ان کی شاعری اور فقہی بصیرت کی طرح اپنے اندر ایک وسیع بے کنار اور بے اندازہ شخصیت چھپائے ہوئے ہیں۔ امام احمد رضا کی مکتوب نگاری معاصر شخصیات میں اپنی نوعیت کی واحد امتیازات وخصوصیات کی حامل ہے۔

امام احمد رضا کے مکتوبات کئی ضخیم مجلدات پر تیار ہو سکتے ہیں، اور ان کی مکتوب نگاری پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی جا سکتی ہے۔ مکتوب نگاری پر تفصیلی جائزہ کا یہ موقع نہیں ان شاء اللہ تعالیٰ کسی دوسرے مقام پر تفصیل سے لکھا جائے گا۔ یہاں پر صرف ان خطوط کو پیش کیا جا رہا ہے جو کسی عزیز کے انتقال پر ارسال کئے گئے۔ آپ ملاحظہ کریں گے کہ وہ تعزیت بھی اس انداز سے کرتے ہیں کہ غم کو انسان پر مسلّط نہیں ہونے دیتے۔

ذیل میں امام احمد رضا کے تحریر کردہ تعزیت نامے پیش کئے جا رہے ہیں۔ پہلا اور دوسرا خط مولانا عرفان علی رضوی بیسلپوری کے نام ہے۔ مکتوب اول محمد عثمان علی کے انتقال پر لکھا گیا۔ دوسرا مکتوب مولانا کی بھتیجی کے انتقال پر صادر ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

برادر دینی و یقینی سنی مستقل مستقیم باذن المولی الکریم مولوی عرفان علی صاحب رضوی سلمہ

بعد سلام مسنون، سید ظہیر الحسن صاحب سلمہ کی زبان حال پر ملال انتقال برخوردار معلوم ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ کا ہے جو اس نے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا اور ہر چیز کی اس کے یہاں عمر مقرر ہے۔ اس سے کمی بیشی نا متصور ہے، بے صبری سے گئی چیز واپس نہیں آتی ہاں اللہ کا ثواب جاتا ہے جو ہر چیز سے اعز و اعلیٰ ہے اور محروم تو وہی ہے جو ثواب سے محروم ہے۔

حدیث شریف میں ہے جب فرشتے مسلمان بچے کی روح قبض کر کے حاضر بارگاہ ہوتے ہیں، مولیٰ عزوجل فرماتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے، کیا تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کرلی؟ عرض کرتے ہیں ہاں اے رب ہمارے! فرماتا ہے کیا تم نے دل کا پھول توڑلیا؟ عرض کرتے ہیں ہاں! اے رب ہمارے! فرماتا ہے پھر اس نے کیا کیا؟ عرض کرتے ہیں تیری حمد بجالایا اور الحمد للہ کہا! فرماتا ہے گواہ رہو میں نے اسے بخش دیا اور جنت میں اس کے لئے ایک گھر تیار کرو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے تین بچے نابالغی میں مرجائینگے آتش دوزخ سے اس کے لئے حجاب ہوجائیں گے۔ کسی نے عرض کی۔ اگر دو مرے ہوں؟ فرمایا دو بھی! ام المومنین صدیقہ نے عرض کی اگر کسی کا ایک ہی مرا ہو؟ فرمایا ایک بھی، اسے نیک سوالوں کی توفیق دی گئی۔ اس حکم میں ماں، باپ دونوں شامل ہیں۔ آپ اور آپ کے گھر میں دونوں صاحب یہ دعا پڑھیں ان شاء اللہ العزیز اللہ عزوجل نعم البدل عطا فرمائے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون الحمد للہ عسیٰ ربنا ان یبدلنا خیرا منھا انا الی ربنا راغبون ۰ اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منھا۔

صحیح حدیث میں ہے جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی زوجۂ مقدسہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ دعا تعلیم فرمائی اور ارشاد ہوا کہ جو چیز فوت ہوتی ہے اس سے بہتر کون ملے گا، عدت کے دن گزرنے تھے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔

---

(۱) عرفان علی رضوی، مولانا، بعض مکاتیب حضرت مجدد، ص ۴۴، مطبوعہ آگرہ

اپنے والد ماجد اور سب اعزہ کو فقیر کا سلام پہنچا کر یہ خط سنائیے اور سب یہ دعا پڑھیں۔ والسلام

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہٗ

بستم ذی القعدہ سنہ ۱۳۳۶ھ

○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

برادر دینی و یقینی مولوی ـــــ عرفان علی صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ : مولیٰ عزوجل مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دے مدارج عالیہ بخشے اور سب صاحبان کو صبر و اجر عطا کرے۔ اسی کا ہے جو اس نے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا اور ہر چیز کی اس کے یہاں ایک عمر مقرر ہے جس کی کمی بیشی نامتصور ہے اور محروم تو وہ ہے جو ثواب سے محروم رہا، بے صبری سے، جانے والی چیز واپس آئے گی؟ ہرگز نہیں مگر مولیٰ تبارک و تعالیٰ کا ثواب جائے گا۔ وہ ثواب کہ لاکھوں جانوں کی قیمت سے اعلیٰ ہے، کیا مقتضائے عقل ہے کہ کھوئی ہوئی چیز کبھی ملے نہیں اور ایسی عظیم ملتی ہوئی دولت خود ہاتھ سے کھوئی جائے۔ صابروں کو اجر حساب سے نہ دیا جائے گا بلکہ بے حساب! یہاں تک کہ جنہوں نے صبر نہ کیا تھا، روز قیامت تمنا کریں گے کاش! ان کے گوشت قینچیوں سے کتر جاتے اور یہ ثواب پاتے۔

---

(۱) عرفان علی رضوی، مولانا: بعض مکاتیب حضرت مجدد، ص ۴۴، مطبوعہ آگرہ

دوسرے کے جانے کی فکر اس وقت چاہیے کہ خود جانا نہ ہوا اور جب اپنے سر پر بھی جانا رکھا ہے تو اس کی فکر چاہیے کہ جانا اچھی طرح سے ہو کہ وہاں مسلمان عزیزوں سے نعمت کے گھر میں ایسا ملنا ہو کہ پھر کبھی جُدائی نہیں لاحول شریف کی کثرت کیجئے اور ساٹھ بار پڑھ کر پانی پر دم کر کے پی لیا کیجئے۔ آپ بفضلہ تعالیٰ خود عاقل ہیں ان کو ہدایت صبر کیجئے۔ سب کو سلام و دعا۔ والسلام

فقیر احمد رضا قادری

امام احمد رضا بریلوی کے تعزیتی مکتوبات کا مولانا عرفان علی بیسلپوری پر اتنا اثر ہوا کہ ان کے بقول! "جس نے بفضلہ تعالیٰ میرے زخم دل پر مرہم کا کام کیا، فوراً تسکین ہوئی اور صبر کیا"(۱)

۱۹ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ کو محمد عبد السلام ہمدانی امرتسری کا خط آیا کہ مولانا پیر محمد عبد الغنی کا انتقال ہو گیا ہے اور ان کی قبر پر تختی کے لئے تاریخی قطعہ تحریر فرما دیں ـــــــ جس دن یہ خط آیا، اس دن امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ بہت زیادہ علیل تھے، نصف شب کو تھوڑا سا سکون ملا، اسی چند لمحے کے سکون میں امام احمد رضا نے ذیل کی پوری نظم عربی میں تحریر فرما دی ـــــــ اللہ اللہ: دوسروں کا کتنا خیال، اور اپنا بالکل خیال نہیں، آج کل ذرا سی تکلیف میں تمام اہم سے اہم کام چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ اور دوسروں کے کام کو تکلیف کی حالت میں ہاتھ بھی نہیں لگایا جاتا۔ مگر امام احمد رضا بریلوی ہر آن دوسروں کی تکلیف کے احساس میں ہیں اور اس کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

پہلے عبدالسلام ہمدانی کا خط ملاحظہ فرمائیں پھر امام احمد رضا کی معرکۃ الآرا عربی میں تعزیتی نظم پڑھیں۔

بحضور فیض گنجور سراپا رحمت یزدانی رئیس العلماء والفضلا مجدد مائۃ حاضرہ دام ظلکم وفیوضکم علی رؤس المسلمین۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بیشتر ازیں عالیجاہ میں نے اطلاع دی تھی کہ جناب حضرت حامی سنّت حاجی الحرمین الشریفین حافظ مولانا مولوی پیر محمد عبد الغنی صاحب بدار البقار حلت فرمائے ۱۴ر شوال کو۔ اب ثانیاً نہایت ادب احترام کے ساتھ آپ سے میں عرض کرتا ہوں کہ آپ ایک قطعہ تاریخ جناب مولانا کے لئے تصنیف فرماکر برائے عنایت مہربانی میرے نام روانہ فرمادیں کہ وہی قطعہ تاریخ آپ کے مقبرہ شریف پر چھپاں کیا جائے گا تبرکاً۔ میں امید کرتا ہوں کہ حضور انور ضرور میری عرض کو قبول فرماکر عاجز حاطی کو ممنون فرمادیں گے۔ بر کریماں کارہا دشوار نیست۔ بہت سے شعراء و علماء نے آپ کی تاریخیں لکھ کر بھیجیں ہیں مگر میں چاہتا ہوں کہ اگر آنجناب قطعہ تاریخ تحریر فرماکر روانہ فرمادیں تو وہی آپ کے مرقد پر تبرکاً چھپاں کیجائے، خداوند احکم الحاکمین آپ کا سایۂ عاطفت ہم گنہ گاروں کے سروں پر قائم ودائم رکھے اور میری مراد قلبی برلائے آمین ثم آمین۔

امرتسر۔ از کرہ گرباسنگہ ہمدانی منزل

فقیر حقیر خاکپائے آنجناب محمد عبد السلام ہمدانی

یازدہم مبارک ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ یوم چہار شنبہ

اَلْمَوْتُ حَقٌّ یَا لَہٗ مِنْ جَاءٍ | مُتَیَقّنٍ وَالنَّاسُ فِیْ اِنْسَاءٍ
موت حق ہے عجب! اس آنیوالے سے | جو یقینی ہے اور لوگ اس سے بھلاوے میں ہیں

اَنْسَاھُمُ الْاِنْسَاءُ فِیْ اٰجَالِھِمْ | مَعْ مَا یَرَوْنَ مِنْ اٰیَۃٍ بِوِلَاءٍ
انکی موت میں ڈھیل نے انہیں بھلایا | حالانکہ پے در پے اسکی نشانیاں دیکھ رہے ہیں

اَلنَّقْصُ مِنْ اَمْوَالِھِمْ وَثِمَارِھِمْ | وَالْاَخْذُ بِالْبَاْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ
ان کے مالوں اور پھلوں میں کمی | اور سختی و آواز کی گرفت

عَجَبًا الْحَاقِیَۃٍ غَدَتْ مَخْفِیَّۃً | وَبَدَتْ مِنَ الْخَضْرَاءِ وَالْغَبْرَاءِ
عجب اس نہاں یا عیاں سے پوشیدہ رہی | حالانکہ آسمان وزمین سے ظاہر ہو رہی ہے

اَلطِّفْلُ شَبَّ وَشَابَ وَھُوَ کَمَا بَدَا | یَلْھُوْ وَیَلْعَبُ نَاسِیًا لِقَضَاءٍ
بچہ جوان ہوا بوڑھا ہوا اور وہ روز اول کیطرح | کھیل کود میں ہے قضا کو بھولا ہوا

عَبْدَ الْغَنِیِّ مَضَیْتَ حِیْنَ قَضَیْتَ | اَلْخُبْثَ مِنْ نِکَایَۃِ فِتْنَۃِ الْخُبَثَاءِ
اے عبد الغنی تم اس وقت گئے جب اپنی منت | فتنہ خبیثاں کو زخم پہنچانے کی پوری کرچکے

قَدْ كُنْتَ صَاعِقَةً عَلٰی نَجْدِیِّهِمْ — وَرَزِیَّةَ الْمِرْزَامع الْمِرْزَائِیْ
تم وہابیوں پر بجلی تھے — اور مرزا اور مرزائی پر مصیبت

بِنْدَا رسولَ اللّٰہِ فزْشَفَاعَۃٍ — وجزاءِ رب العرش خیر جزاءٍ
رسول اللہ کے فضل سے شفاعت پاؤ — اور مالک عرش کی جزا سب سے بہتر جزا

یَامَالِكَ النَّاسِ النَّبِیَّ الْمُصْطَفٰی — اِشْفَعْ لِعَبْدِكَ رَافِعًا لِبَلَاءٍ
اے تمام آدمیوں کے مالک نبی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم — اپنے بندے کی شفاعت فرمائیے دفع بلا کرتے ہوئے

رقم الرضا تاریخہ متفاءلاً — عبد الغنی بجنۃٍ علیا ء
رضا نے فال کے طور اس کی تاریخ لکھی — عبد الغنی بہشت بریں میں ہیں

(۲،۱) ماہنامہ الرضا بریلی : بابت ذیلقعدہ ۱۳۳۸ھ ص ۲،۳

نوٹ : راقم السطور امام احمد رضا قدس سرہ کے خطوط پر کام کر رہا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ تقریباً ۳۰۰ خطوط تین جلدوں پر مشتمل بہت جلد منظر عام پر آجائیں گے۔

امام احمد رضا پر پاکستان میں پہلی ڈاکٹریٹ (PH.D)۔

از:۔ ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری۔

پروفیسر مجید اللہ قادری نے کراچی یونیورسٹی سے "کنز الایمان" پر اور پروفیسر عبد الباری صدیقی نے سندھ یونیورسٹی سے سندھی زبان میں امام احمد رضا پر مقالہ لکھ کر ڈگری حاصل کرلی

الحمد للہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے تحریک پر آج دنیا بھر کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے حوالے سے تحقیقی کام ہو رہا ہے امام احمد رضا پر ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے مقالے لکھے جا رہے ہیں اور بعض جگہ لکھ کر ڈگریاں حاصل کی جا چکی ہیں جس کی تمام تر تفصیلات ادارہ کے سرپرست حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی اپنے مقالے "امام احمد رضا اور عالمی جامعات" میں پیش کر چکے ہیں جو کہ پاک و ہند سے متعدد بار شائع ہو چکا ہے نیز ۷ روپیہ کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر ادارہ کے دفتر واقع کراچی سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ ہونے والے کام پر ادارہ اپنے سالنامہ " مجلہ امام احمد رضا کانفرنس " میں تبصرہ شائع کرتا ہے تاکہ محبان رضا

کو باخبر رکھا جائے۔

سردست اہم اور تاریخی کارنامہ یہ ہے کہ پروفیسر مجید اللہ قادری جو کہ اس ادارہ کے سکریٹری جنرل بھی ہیں، نے حضرت ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ، العالی کی زیر نگرانی حضرت امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن کنز الایمان کے حوالے سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ بعنوان "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن اور دیگر معروف قرآنی اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ" لکھ کر پاکستان کی سب سے بڑی یونیورسٹی "کراچی یونیورسٹی" سے "Ph.D" کی ڈگری حاصل کرلی ہے۔۔۔۔ پروفیسر موصوف اسی یونیورسٹی میں شعبہ ارضیات کے استاد بھی ہیں۔ ان کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

(مختصر تعارف)

— پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری ولد شیخ حمید اللہ قادری حشمتی۔

— بی ایس سی آنرز جیولوجی ۱۹۷۲ء پہلی پوزیشن

— ایم ایس سی جیولوجی ۱۹۷۵ء پہلی پوزیشن

— ایم اے اسلامیات ۱۹۸۵ء تیسری پوزیشن

— پی، ایچ، ڈی اسلامیات ۱۹۹۳ء زیر نگرانی پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد۔

(پاکستان میں امام احمد رضا پر پہلا پی۔ ایچ۔ ڈی مقالہ)

عنوان "کنز الایمان اور دیگر معروف اردو قرآن تراجم"۔

— اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ ارضیات جامعہ کراچی۔ ۱-۱-۱۹۷۸ء سے تاحال۔

— ممبر سینیٹ، ممبر سنڈیکیٹ اور ممبر ڈسپلن کمیٹی جامعہ کراچی۔

— سکریٹری جنرل ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (رجسٹرڈ) کراچی۔

___ ایڈیٹر : معارف رضا (سالنامہ) ۔

___ خطیب جامع مسجد طیبہ لیاقت آباد کراچی ۔

تحقیقی مقالات :

۱ :۔ اردو ادب کی تاریخی فروگزاشت ، معارف رضا ۱۹۸۷ء

۲ :۔ فتاویٰ رضویہ کا موضوعاتی جائزہ ، معارف رضا ۱۹۸۸ء

۳ :۔ قرآن ، سائنس اور امام احمد رضا ، معارف رضا ۱۹۸۹ء

۴ :۔ فقیہہ اسلام بحیثیت عظیم شاعر و ادیب معارف رضا ۱۹۹۱ء

۵ :۔ مولانا نقی علی خاں بریلوی ، معارف رضا ۱۹۹۳ء

۶ :۔ مقدمہ کمال مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مؤلف سید محمد اسمٰعیل رضا ذبیح ترمذی ' معارف رضا ، ۱۹۸۷ء ۔

۷ :۔ مشاہدہ و مطالعہ (جہان شمس) ۔ مؤلف اسمٰعیل رضا ذبیح ترمذی معارف رضا ۱۹۹۲ء

۸ :۔ امام احمد رضا اور علمائے بھرچونڈی شریف (امام احمد رضا کانفرنس)

مجلہ ۱۹۹۳ء :۔

(مرتبہ کتب)

___ آئینہ رضویات (جلد اول) ، مرتبین : مجید اللہ قادری / وجاہت رسول قادری ۔

___ صاحب فیض رضا (سید ریاست علی قادری) ' مرتبین : مجید اللہ قادری / وجاہت رسول قادری ۔

___ یادگار سلف (مولانا مفتی تقدس علی خان) مرتبین : مجید اللہ قادری / وجاہت رسول قادری ۔

___ تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت مولانا محمد صادق قصوری / مجید اللہ قادری ۔

___ حاشیہ نگاری (جلد دوئم)، مرتبہ: مجید اللہ قادری ۔

دوسرا اہم و تاریخی کارنامہ یہ ہے کہ سندھ کے مشہور و معروف ممتاز عالم دین مفتی اعظم ٹھٹھہ حضرت علامہ مفتی عبد اللطیف صدیقی ٹھٹوی رحمۃ اللہ علیہ شاہی امام و خطیب جامع مسجد شاہجہانی قاضی الشرع ٹھٹھہ سندھ کے فرزند دل بند فاضل جلیل حضرت علامہ حافظ قاری پروفیسر عبد الباری صدیقی جو کہ ادارہ ہٰذا کے سکریٹری اطلاعات و نشریات بھی ہیں، نے پاکستان کے ممتاز ماہر تعلیم پروفیسر ڈاکٹر مدد علی قادری کی نگرانی میں حضرت امام احمد رضا کی حیات و کارناموں کے حوالے سے سندھی زبان میں ڈاکٹریٹ کا مقالہ بعنوان "حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی جی حیات افکار، اصلاحی کارنامہ" لکھ کر سندھ یونیورسٹی جامشورو، حیدر آباد سندھ سے پی، ایچ، ڈی کی ڈگری حاصل کرلی ہے۔ پروفیسر موصوف اپنے والد کے جانشیں ہیں۔ گویا مفتی اعظم ٹھٹھہ شاہی امام و خطیب جامع مسجد شاہ جہانی ٹھٹھہ کے منصب پر فائز ہیں ۔ ان کا مختصر تعارف درج ذیل ہے ۔

___ پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبد الباری ولد مفتی عبد اللطیف ۔

___ فاضل عربی ۱۹۶۵ء

___ فاضل درس نظامی (امجدیہ) ۱۹۶۶ء

___ ایم، اے عربی ۱۹۷۷ء

___ ایم، اے اسلامیات ۱۹۷۴ء

___ ایم، ایڈ ۱۹۷۵ء

___ الشہادت العالمیہ (تنظیم المدارس) ۱۹۸۶ء

— پی، ایچ ،ڈی ۱۹۹۳ء

— خطیب و امام جامع مسجد شاہ جہانی ٹھٹھہ

— مفتی و قاضی شہر ٹھٹھہ

— سینیئر رکن ،ضلعی رویت ہلال کمیٹی ،ضلع ٹھٹھہ (سندھ)

— اسٹنٹ پروفیسر، جامعہ ملیہ گورنمنٹ ڈگری کالج ،ملیر کراچی ۔

— سکریٹری اطلاعات و مطبوعات ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (رجسٹرڈ)

— مہتمم مدرسہ دارالرشد، ٹھٹھہ ۔

— مہتمم دارالعلوم فیضان صدیقیہ کراچی

— رکن مجلس مشاورت، سالنامہ معارف رضا

ان ہر دو فاضلان کے اس تاریخی کارنامے پر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا مبارکباد اور خراج تحسین پیش کرتا ہے اور ادارہ ہی کیا تمام اہل پاکستان انہیں مبارک باد اور خراج تحسین پیش کرتے ہیں — نیز ان جامعات کے وائس چانسلر حضرات کو بھی خراج تحسین پیش کرتے ہیں — ان کے اس علم پرور اقدام کا خیر مقدم کرتے ہیں ۔نیز ادارہ اپنی روایت کے مطابق گذشتہ سال امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۴ء کے موقع پر ان دو نوں فضلاء کو" امام احمد رضا ریسرچ ایوارڈ ۱۹۹۴ء" (طلائی تمغہ) پیش کیا ۔

ایک زمانہ تھا کہ جامعات و کلیات اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹوں میں ریسرچ اسکالرز، دانشور اور محققین امام احمد رضا کے بلند پایہ علمی مقام سے واقف نہ تھے بلکہ ان اداروں میں امام احمد رضا کا ذکر بھی معیوب سمجھا جاتا تھا ۔ آج الحمد للہ چار دانگ عالم میں حضرت امام احمد رضا کے علم و فضل کا چرچا ہے ۔کسی کے مٹانے سے کوئی نہیں مٹتا جب تک

کہ وہ مٹانے والا نہ مٹانا چاہے۔ اسی نے نہ چاہا کہ امام احمد رضا کا نام مٹا دیا جائے تو بھلا کون مٹا سکتا ہے۔

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا!
اے رضاؔ ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

"غوث اعظم دستگیر"

سیدنا امام ابوالحسن نورالدین بہجۃ الاسرار شریف میں سیدنا ابوالقاسم عمر بزار قدس سرہٗ سے روایت فرماتے ہیں، میں نے اپنے مولی حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو بارہا فرماتے سنا کہ میرے بھائی حسین حلاج کا پاؤں پھسلا ان کے وقت میں کوئی ایسا نہ تھا کہ ان کی دستگیری کرتا اور اس وقت میں ہوتا تو ان کی دستگیری فرماتا اور میرے اصحاب اور میرے مریدوں اور مجھ سے محبت رکھنے والوں میں قیامت تک جس سے لغزش ہوگی میں اس کا دستگیر ہوں۔ والحمد للہ رب العالمین۔ تمام مسلمانوں کی زبانوں پر حضور کا لقب غوث اعظم ہے۔ یعنی سب سے بڑے فریادرس شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب درکنار خود اسمٰعیل دہلوی نے جا بجا حضور کو غوث اعظم یاد کیا ہے فریادرسی دستگیری نہیں تو کیا ہے۔ حضرت شیخ مجدد الف ثانی اپنے

مکتوبات میں فرماتے ہیں بعد از رحلت ارشاد پناہی روز عید بزیارت مزار ایشاں رفتہ بود در اثنائے توجہ مزار متبرک التفات تمام از روحانیت مقدسہ ایشاں ظاہر گشت واز کمال غریب نوازی نسبت خاصہ خود را کہ بحضرت خواجہ احرار منسوب بود مرحمت بودند۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فتاویٰ رضویہ، جلد نہم، صفحہ ۹۔ ۱۰

امام احمد رضا کے رسالہ تنزیہ المکانۃ الحیدریہ کا تجزیاتی مطالعہ

از:۔ محمد قمر الزماں مصباحی مظفرپوری،
رکن ادارہ اصحاب قلم، پٹنہ۔
خطیب نورانی مسجد والوڑی باناسا پونہ

عصر جدید کے امام، فقیہ الاسلام، شیخ الانام اعلیٰ حضرت احمد رضا قدس سرہٗ کی ذات اپنے علم و فضل، تفقہ فی الدین، امعان نظر، وسعت مطالعہ، ژرف نگاہی، استحضار ذہن اور علوم قدیمہ و جدیدہ پر کامل گرفت کی بنیاد پر ایک بحر بیکراں کی حیثیت رکھتی ہے جس کی تہہ سے موتی نکالنے میں بڑے سے بڑا غواص بھی ناکام ہے۔ ماہر رضویات ڈاکٹر مسعود احمد صاحب قبلہ زید مجدہٗ لکھتے ہیں :۔

امام احمد رضا کی شخصیت و فکر پر جو پردے پڑے تھے ان کو

اٹھانے کے لئے راقم نے ۱۹۸۰ء سے امام احمد رضا کو موضوع تحقیق بنایا اور امام احمد رضا کی تلاش میں چل پڑا۔ ایک منزل آتے ہی دوسری منزل نظر آنے لگتی ہے ——— شوق قلم کا رفیق سفر ہے رواں، دواں رکھتا ہے ——— اب تک نہ معلوم کتنی کتابیں لکھی جاچکی ہیں اور کتنے مقالے قلمبند کئے جاچکے ہیں مگر قلم کا سفر ہنوز جاری و ساری اور نہ معلوم کب تک جاری رہے۔ لے

اس پیراگراف سے قارئین اندازہ لگائیں کہ صرف پروفیسر موصوف کا قلم بیس سالوں سے نئی جہتوں کے سراغ میں مصروف ہے اس کے باوجود ایک منزل کو پانے سے پہلے اس پروقار علمی شخصیت کی ایک نئی دلفریبی نظروں کو دعوت فکر دینے لگتی ہے جب کہ پروفیسر صاحب کے علاوہ دنیا کے اکثر ممالک میں بہت سارے اہل قلم اور ریسرچ اسکالر یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا کی عبقریت کے نئے نئے گوشوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں مگر اب تک ہر گوشہ تشنۂ تکمیل ہے ——— اب آپ انصاف و دیانت کا خون کئے بغیر جواب دیجئے کہ جس کے دامن حیات سے فکر و فن کی اس قدر جگمگاہٹ اور علم و فضل کی بے پناہ دلفریبیاں وابستہ ہوں اس عظیم شخصیت کو تاریخ سے الگ کر دینا مسلکی عناد، ذاتی عصبیت اور مشربی بغض کا نتیجہ ہی تو ہو سکتا ہے ——— لیکن تاریخ کا یہ حسین موڑ نظروں میں رکھئے کہ جس دانشگاہ میں امام احمد رضا کا نام سننا گوارہ نہیں کرتے تھے آج ان دانشگاہوں میں ان پر تحقیق و ریسرچ کی بنیادیں رکھی جارہی ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ نصف صدی میں جس سرعت و تیزی کے ساتھ امام احمد رضا پر کام ہوا کسی دوسرے مذہبی و روحانی رہنما پر نہ ہوا اور اب بلا تفریق مسلک ہر دانشور اور اصحاب فکر ان کی بارگاہ علم و تحقیق اور شعور و آگہی

میں جبین نیاز و سر عقیدت خم کرنے پر مجبور ہے۔ الحق یعلو ولا یعلی۔

جریدہ پیغام رضا کا وجود مسعود اسی تحقیق و ریسرچ کا ایک نیا رخ ہے لائق تحسین اور قابل مبارکباد ہیں صدیق مخلص حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب صدیقی زید اخلاصہ جو نشریاتی و اشاعتی پروگرام کا مستحکم جذبہ لے کر میدان میں اتر پڑے ہیں اس عزم صالح کے ساتھ کہ پیغام رضا کو وادی، وادی صحرا صحرا، پربت پربت پہنچا کر ہی دم لینا ہے اگر یہی ذوق جنوں، پاکیزہ نیت اور اخلاص کی چاندنی رفیق سفر رہی تو منزل از خود قدموں میں سمٹ آئے گی۔ دعا ہے کہ خدائے قدیر مولانا کے حوصلوں میں بالیدگی اور بازوؤں میں قوت سکندری بخشے (آمین)

اس عالمی تحقیقات کی مسلم الثبوت شخصیت پر مجھ جیسا فرومایہ کم علم کیا لکھ سکتا ہے تاہم اسی کے فیضان کرم کا سہارا لے کر تنزیہ المکانۃ الحیدریہ کا ایک تجزیاتی مطالعہ قارئین کی خدمت میں حاضر ہے جو مصنف علیہ الرحمہ کے وفور علم، دقت نظر، فقہی جزئیات پہ عمیق نگاہی اور ان کے علمی شاہکار و تحقیقی زرتار کا بین ثبوت ہے تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عہد الجاھلیۃ یہ مقدس رسالہ حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی بت پرستی، اصنام دوستی اور مشرکانہ رسوم سے برأت کے سلسلے میں نہایت جامع اور مفصل ہے جو اپنے دامن میں علم و تحقیق کے تو لو و مرجان سجائے ہوئے ہے۔ —— مجدد دین وملت امام اہلسنت کی بارگاہ میں یہ استفتاء کیا گیا کہ زید کہتا ہے کہ جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ چوں کہ قبل از بلوغ ایمان لائے اور نہ آپ بت پرستی اور شرک وکفر میں مبتلا ہوئے نیز بلحاظ حدیث شریف کل مولود یولد علی فطرۃ الخ۔ یہ کہنا کہ آپ پہلے کافر تھے بعد ازاں مسلمان ہوئے صحیح نہیں۔ اور جملہ مذکور

بہ نسبت آپ کے سوئے ادب میں داخل ہے عمرو کہتا ہے چوں کہ اطفال تابع والدین کے ہوتے ہیں اور والدین آپ کے حالت کفر پہ تھے لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ پہلے علی مرتضیٰ کافر تھے بعد ازاں مسلمان ہوئے، اس صورت میں زید کا قول درست ہے یا عمرو کا۔

اب ذرا ایمان کی نگاہیں کھولیے چشم حیرت وا کیجیے اور احساس و شعور کی بھرپور توانائی کے ساتھ جواب ملاحظہ کیجیے۔ پہلے نہایت ہی فصیح و بلیغ خطبہ تحریر فرمایا ہے خدائے سبوح قدوس کی حمد لا محدود کے بعد مولائے کائنات کی شان ارفع میں ایسا لفظ استعمال فرمایا ہے کہ جہاں عمرو کے فاسد عقیدہ اور کاسد خیال کا رد ہو جاتا ہے وہیں، عربی ادب کی دلکشی اور لہجے کی دلفریبی بھی سجدہ ریز ہو گئی ہے لکھتے ہیں: الحمد اللہ الذی کرم وجہ علی ن المرتضیٰ فلم یزل لحظوظاً منہ بعین الرضیٰ۔ ساری تعریفیں اللہ کے لئے جس نے علی مرتضیٰ کے چہرے کو عزت و کرامت بخشی تو وہ ہمیشہ ہمیش اس کی رضا و خوشنودی سے بہرہ ور رہے ــــ ظاہر ہے کہ اپنے رب کی رضا و خوشنودی سے حیات کے ہر لمحے میں بہرہ ور رہا ہو اُسے بتان باطل اور مشرکانہ رسوم سے کیا سروکار!

اس کے بعد قرآن مقدس، حدیث مبارکہ، فقہ، اصول حدیث اور علم کلام کی روشنی میں ایسا تحقیقی اور شافی جواب رقم فرمایا کہ قبول حق کے لئے انصاف کی ایک ہلکی سی کرن بھی اگر موجود ہے تو وہ انشراح صدر کے ساتھ قبول کرے گا کہ حضرت مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی معبودان باطل اور کفر و شرک کی آلودگی سے ہمیشہ پاک و صاف رہی۔ لکھتے ہیں:۔

قول زید حق و صحیح اور قول عمرو باطل و قبیح ہے تو یہ ظاہر و معلوم و

ثابت ہے کہ حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضے
کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی وقت بعثت سراپا برکت حضور پرنور
سید المرسلین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فوراً مشرف بصدیق وایمان
ہوئے ــــــ اس وقت عمر مبارک حضرت مرتضوی آٹھ
دس سال تھی اور بالیقیں جو عاقل بچہ اسلام لائے حکم اسلام میں
مستقل بالذات ہے کہ پھر کسی تبعیت سے اس پر حکم دیگر حلال نہیں۔

پہلے تو زرقانی، مواہب لدنیہ عیون الاثر اور فتح القدیر کے حوالے سے
ثابت کیا کہ جس وقت مولیٰ علی ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے اس وقت راجح اور
صحیح قول کے مطابق ان کی عمر شریف آٹھ یا دس کی تھی ــــــ عمر شریف کے تعین سے
فراغت کے بعد آپ کی زندگی پاک کو تین حصّوں میں تقسیم کیا اور ہر حصہ پر مدلل گفتگو
فرمائی ہے ــــــ اول حصہ رحمت عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے
روز شہادت تک کا ہے۔ اس حصہ کی بنیاد پر کفر اس لیے ثابت نہیں ہو سکتا کہ بعد
بعثت فوراً آپ ایمان کی دولت سے مشرف ہو گئے، اور اس وقت آپ کی عمر مبارک
آٹھ دس سال کی تھی اور جو ہوشیار بچہ اسلام قبول کرے وہ مستقل بالذات اسلام
کے حکم میں ہے اس پر والدین کی تبعیت کا حکم صادق نہیں آتا۔ اس کے ثبوت میں
رد المحتار احکام الصغائر کتاب النکاح کی ایک عبارت نقل فرماتے ہیں کہ بچہ قبل بلوغ
دین میں اپنے والدین کے تابع ہوتا ہے جب خود مسلمان نہ ہوا ہو لیکن بالغ ہونے
یا اسلام لانے سے تبعیت ختم ہو جاتی ہے دوسرا حصہ بعثت سے چند سال قبل
کا ہے کہ جب قریش مبتلائے قحط ہوئے تو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

ابوطالب کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے حضرت مولائے کائنات کو اپنے پناہ میں لے لیا پھر تو مولائے کائنات نے رسول رحمت کے کنار اقدس میں پرورش پائی اور آنکھ کھلتے ہی آپ کے جمال جہاں آرا کا دیدار کیا۔ رب کو ایک ہی جانا ایک ہی مانا ظاہر ہے کہ جن کی زندگی کا ہر لمحہ نبی رحمت کے فیض بخش دامن تلے گزر رہا ہو پھر بتوں کی آلودگی میں کیوں کر ہو سکتے ہیں اس لئے لقب کریم "کرم اللہ وجہہ" ملا۔

تیسرا دور پیدائش سے چند سال کا ہے جو بالکل ناسمجھی کا ہوتا ہے جس میں بچہ نہ کچھ ادراک رکھتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے اس لئے اس عمر میں کوئی بچہ حقیقۃً کافر نہیں کہا جا سکتا ہے کیوں کہ کافر ثابت کرنے کے لئے کفر ضروری ہے اور کفر تکذیب کا نام ہے اور تکذیب بغیر ادراک و سمجھ کے ممکن نہیں بلکہ اس وقت کا ہر بچہ کا دین فطری اسلام ہے ——— ہاں جس کے والدین کافر ہوں اس پر ان کی تبعیت کا حکم کیا جا سکتا ہے جبکہ تبعیت مقصود بھی ہو ورنہ نہیں۔ جیسے وہ بچہ جسے دارالاسلام میں اسیر کر لائیں اور اس کے کافر ماں باپ دارالحرب میں رہیں تو اختلافِ دار کی وجہ سے والدین کی تبعیت ختم ہو گئی اور اب تبعیت دار کی وجہ مسلم کہا جائے گا۔

اس تمہید کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ مولائے کائنات رضی اللہ عنہ، پر چند سال ابتدائی زندگی میں تبعاً اور حکماً کفر ثابت کرنے کے لئے دو امر کا ثبوت ضروری ہے اول تو یہ کہ حضرت علی کے والدین میں سے دونوں اس وقت کافر تھے۔ دوم یہ کہ اس وقت بچہ کو کافر والدین کے تابع قرار دے کر کفر کا حکم لگانا صادق و ثابت تھا۔ اگر امر اول کا ثبوت مفقود ہو اور ان کے والدین میں سے کسی ایک کا موحد ہونا ثابت ہو گیا تو حضرت علی پر حکم کفر لگانا درست نہیں کیوں کہ کفر کے لئے والدین سے دونوں کا کافر ہونا ضروری ہے اگر

ان میں ایک بھی موحد ہے تو بچہ دین کے افضل ہونے کے اعتبار سے اسی کے تابع ہوگا جیسا کہ کتاب النکاح درمختار میں ہے الولد یتبع خیر الابوین دینا آن اتحدت الدار اھ۔ یعنی باعتبار دین ماں باپ میں سے جو بہتر ہو بچہ اسی کے تابع ہوتا ہے اگر دار ایک ہو ـــــــ اور اگر بالفرض یہ ثابت بھی ہو گیا کہ حضرت علی کے والدین کافر تھے تو دوسری وجہ کا ثبوت مشکل ہے۔ یعنی والدین کے تابع قرار دیکر بچہ پہ حکم کفر ثابت نہیں جیسا کہ درمختار کی عبارت گزری۔

مزید امر اول کی تنقیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رحمت کونین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کا زمانہ عہد فترت کہلاتا ہے جس میں اگلے انبیاء کرام کے دعوتی نظام کا سلسلہ یک دم منقطع ہو چکا تھا کسی قسم کی کوئی دعوت بندوں تک نہ پہونچی اور حضرت مولائے کائنات کی ولادت سے لیکر چند برس بعد والا زمانہ بھی بعثت نبوی سے پہلے کا ہے جو عہد فترت میں شامل ہے۔ لہٰذا حضرت علی کے والدین بھی عہد فترت والوں کے حکم میں آئیں گے اس لئے اب یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ زمانۂ فترت کے لوگ کیسے تھے ان کے کفر وایمان اور عقاب ونجات کے بموجب علماء اسلام اور ائمہ کرام کے اقوال مبارکہ کیا ہیں اس کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جنہیں انبیاء کرام کی دعوت نہ پہونچیں تین قسمیں ہیں اول موحد جنہیں ہدایت ازلی نے اس عالمگیر اندھیرے میں بھی راہ توحید دکھائی جیسے قس بن ساعدہ، زید بن عمرو بن نفیل، عامر بن انطرب عدوانی، زہیر بن ابی سلمٰی شاعر مشہور وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔ دوم مشرک کہ اپنی جہالتوں ضلالتوں سے غیر خدا کو پوجنے لگے جیسے کہ اکثر عرب ـــــــ سوم غافل کہ براہ سادگی یا انہماک فی الدنیا انہیں اس مسئلہ سے کوئی بحث نہ ہوئی بہائم کے مثل زندگی گزاری۔

اعتقادیات سے کوئی واسطہ ہی نہ رکھا یا نظر و فکر کی مہلت نہ پائی بہت سی عورتوں اور جنگل والوں کی نسبت یہی گمان ہے۔

جماہیر اشاعرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب تک بعثت اقدس حضور خاتم النبین صلے اللہ علیہ وسلم ہو کر دعوت الہیہ انہیں نہ پہونچے یہ سب فرقے ناجی اور غیر معذب تھے بقولہ تعالیٰ وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا۔ ہم عذاب فرمانے والے نہ تھے یہاں تک بھیج لیں رسول۔

ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ عنہم سے ائمہ بخارا وغیرہم بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام محقق کمال الدین ابن الہمام قدس سرہ نے اسی کو مختار رکھا۔ شرح فقہ اکبر میں ہے "قبل بعثت وجوب ایمان و حرمت کفر دونوں نہیں۔ حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار میں ہے" اہل فترت ناجی ہیں اگرچہ تغیر و تبدل کے مرتکب ہوں۔ اس پر اشاعرہ اور بعض محققین ماتریدیہ ہیں۔ کمال ابن ہمام تحریر میں ابن عبد الدولہ سے ناقل ہیں کہ یہی" مختار" ہے کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے" ہم عذاب فرمانے والے نہیں جب تک کوئی رسول نہ بھیج لیں۔

اس قول پر تو ظاہر ہے کہ اہل فترت کو تا زمان فترت کافر نہ کہا جائے گا کہ وہ ناجی ہیں، اور کافر ناجی نہیں تو شکل ثانی نے صاف نتیجہ دیا کہ وہ کافر نہیں۔ اس لیے ائمہ اشاعرہ میں کوئی انہیں مسلم کہتا کوئی بمعنیٔ مسلم میں قال الزرقانی ثم اختلف عبارۃ الاصحاب فیمن لم تبلغہ الدعوۃ فاحسنہا من قال انہ ناجٍ وایاھا اختیار السبکی ومنہم من قال علی الفترۃ ومنہم من قال مسلم قال الغزالی والتحقیق ان یقال فی معنی مسلم۔ ترجمہ:۔ زرقانی نے فرمایا اصحاب کی عبارتیں اس بارے میں مختلف ہوئیں جسے دعوت نہ پہونچی سب سے عمدہ عبارت اس کی ہے جس نے کہا کہ وہ ناجی

ہے اسی کو امام سبکی نے اختیار کیا۔ کسی نے کہا وہ فترت پر ہے کسی نے کہا وہ مسلم ہے۔ امام غزالی نے فرمایا کہ تحقیق یہ ہے کہ اُسے معنیٔ مسلم میں کہا جائے ــــــ اس طور تو خود ابو طالب پر حکم کفر اس وقت سے ہوا جب بعثت اقدس تسلیم و اسلام سے انکار کیا اور یہ وہ وقت تھا کہ حضرت مولیٰ کرم اللہ وجہہ الاسنیٰ خود اسلام لاکر تبعیت سے منزہ ہو چکے تھے۔

اشاعرہ سے امامین جلیلین نودی و رازی رحمہما کا قول ہے کہ اہل فترت کے مشرک معاقب اور موحد و غافل مطلقاً ناجی۔

جمہور ائمہ ماتریدیہ قدست اسرارھم کے نزدیک اہل فترت کے مشرک معاقب موحد ناجی اور غافلوں میں جس نے مہلت تامل نہ پائی وہ متفقہ طور پر ناجی ہیں اور قول آخر یعنی مہلت تامل کے باوجود ترک توحید پر حکم کفر ثابت ہوتا ہے لیکن مخالف کے پاس کیا دلیل ہے کہ زمانۂ فترت میں حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا موحدہ یا غافلہ نہ تھیں۔ حالانکہ بہت عورتوں کی بہ نسبت یہی گمان ہے جیساکہ علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں تحریر کیا ہے ــــــ ترجمہ:" کہ عورتیں اکثر احکام شرع سے بے خبر رہتی ہیں کیوں کہ علماء سے ان کا ربط اور وابستگی نہیں ــــــ مخالف جو دلیل رکھتا ہو پیش کرے اور جب یہ نہ پیش کر سکے تو اٹکل سے حکم تبعیت پر کیوں منہ کھول دیا کیا اطلاق کفر وہ بھی معاذ اللہ ایسی جگہ پر محض اپنے تراشیدہ اوہام سے ہو سکتا ہے؟ کیا یہ احتمال نہیں کہ وہ اس وقت بھی ان لوگوں میں ہوں جو بالاتفاق ناجی نہیں تو ولد انہیں کا تابع ہوگا۔

ثانیاً ائمہ اشاعرہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ حسن و قبح مطلقاً شرعی ہیں کہ قبل شرع

اچھائی برائی کچھ بھی نہیں۔ بعض ائمہ ماتریدیہ تممت انوارھم کے نزدیک اشیاء کا حسن و قبح عقلی ہے شرع پر موقوف نہیں یعنی اشیاء میں خود اچھائی برائی ہوتی ہے لیکن بندہ کے ذمہ نہ کچھ واجب نہ حرام ــــــ یہ حضرات بھی قبل شرع بندہ کو کسی حکم کا مکلف نہیں مانتے یہی مذہب امام ابن الہمام نے اختیار فرمایا اور فاضل محب اللہ بہاری نے بھی اسی کو مانا ہے۔

ان دونوں اقوال کی روشنی میں قبل حکم بالکل نہیں تو عصیان نہیں کہ نافرمانی مخالفت حکم کا نام ہے اسی لئے تو ابن الہمام نے فرمایا کہ امر و نہی وارد ہونے سے پہلے کسی طاعت یا معصیت کا تحقیق کیسے ؟ اور جب نافرمانی نہیں تو کفر بالا ولیٰ نہیں کہ وہ اخبث معاصی ہے اور انتفائے عام انتفائے خاص کو مستلزم ہے یوں بھی خود ابو طالب پر حکم کفر تا زمان فترت نہ تھا اور جب کفر کیا تو تبعیت کا بالکل محل نہ تھا کہ مستقل بالذات اسلام میں داخل ہو کر تبعیت سے نکل چکے تھے۔

جماہیر ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اشیاء کا حسن و قبح عقلی ہے یعنی اشیاء میں بذاتہ اچھائی برائی ہوتی ہے مگر عقل ساری چیزوں کے سمجھنے سے عاجز و قاصر ہے بعض ظاہر چیزیں جن کی اچھائی برائی کا ادراک عقل کر لیتی ہے تو ان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے ذمہ حکم متعلق ہوگا مگر ترک حکم پر یہ حضرات بھی آخرت میں عقاب کو واجب نہیں کہتے کیوں کہ عفو ممکن ہے لیکن قبل شریعت بھی توحید کی بجا آوری اور شرک سے بچنا ضروری ہے تو اس مذہب پر بھی وہی سوال ہوگا کہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا زمانۂ فترت میں ارتکاب شرک و اجتناب توحید ثابت کرو ــــــ اگر نہ ثابت کر سکے تو کیا مولی المسلمین ولی رب العالمین حبیب سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

پر ایسے شنیع لفظ کا اطلاق بے دلیل کر دیا جائے گا ؟

ثالثاً اگر علی سبیل التنزل یہ مان بھی لیا جائے کہ تا ظہور بعثت زن و شو دونوں ہی کفر پہ تھے لیکن اگر نظر انصاف سے کام لیں تو امر دوم یعنی حضرت علی پر حکم تبعیت لگانے کا ثبوت نہیں نا سمجھ بچے کو بہ تبعیت والدین یا دار کہنے کے ہرگز ہرگز یہ معنیٰ نہیں کہ وہ حقیقۃً کافر ہے کہ یہ تو بداہتہً باطل ۔ کیوں کہ وصف کفر سے متصف کرنے کے لئے تکذیب ضروری ہے اور تکذیب کے لئے ادراک لازم ۔ لہٰذا بغیر تمیز و ادراک کے تکذیب نہیں تو حقیقت کفر سے متصف کرنا بداہتہً باطل ہوگیا ۔ اس لئے یہ اطلاق صرف از روئے حکم ہے یعنی شرعاً اس پر وہ احکام میں جو اس کے باپ یا اہل دار پر ہیں وہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ صرف دنیوی اور جب یہ تبعیت صرف احکام دنیوی میں ہے تو اس کا ثبوت احکام دنیا کے وجود پر موقوف اگر دنیا میں کوئی حکم ہی نہ ہو تو تبعیت کس چیز میں ہوگی اور یہ ظاہر کہ قبل بعثت ان امور میں کوئی حکم شرعی اصلاً اجماعاً متحقق نہ تھا تو اس وقت کسی نا سمجھ بچے کا والدین کی تبعیت کی وجہ سے کافر قرار پانا ہرگز وجہ صحت نہیں رکھتا ———— اس تحقیق انیق سے بتوفیق اللہ تعالیٰ روشن ہوگیا کہ بحمدہٖ سبحٰنہ اتباعاً حکماً اسماً وھماً کسی طرح کسی نوع یہ لفظ شنیع حضرت مولیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ پر صادق نہ ہوا ۔ روز الست ۔ سے ابد آلاباد تک ان کا دامن ایمان مامون اس لوث سے اصلاً جزماً قطعاً مطلقاً پاک و صاف و منزہ رہا ۔ والحمد للہ رب العالمین ؕ

اسی فکری طمطراق ، علمی طنطنہ ، تحقیق غالی و تدقیق عالی سے متاثر ہو کر ڈاکٹر علامہ اقبال نے اس انقلاب آفریں شخصیت کو یوں خراج عقیدت پیش کیا کہ " مولانا احمد رضا ابو حنیفہ ثانی تھے " جانتے ہیں یہ تاثر دنیا کے اس عظیم مفکر کا ہے جو اپنی

ذات میں خود ایک حیرت جہاں تھا۔

قارئین کرام اندازہ لگائیں کہ ایک مسئلہ کی تنقیح و تشریح میں علم و فضل کی کس قدر جلوہ ریزیاں سمیٹ دی ہیں جو یقیناً امام احمد رضا قدس سرہٗ کا ہی حصّہ ہے سچ تو یہ ہے کہ آپ نے جس فن پہ قلم اٹھایا ایسا لگتا ہے کہ حکمت و دانائی کا نہ تھمنے والا سیلاب ہے جو روشنائی بن کر بہتا چلا جا رہا ہے۔

بلاشبہ قادر مطلق نے امام احمد رضا کی شکل میں شعور و آگہی، فہم و ادراک، فضل و کمال اور فراست و دانائی کا ایک گوہر گرانمایہ عطا کیا تھا جس پہ پوری دنیائے سنیت کو ناز ہے۔

فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

سب ان سے جلنے والوں کے گل ہو گئے چراغ

احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی!

دین و دانش کی جامعیت

اور امام احمد رضا

مولانا غلام مصطفیٰ رضوی نجم القادری

ربّ قدیر کی عنایتیں بھی کیسی نرالی اور انوکھی ہیں اس نے اپنے کرم کی جوت اور فضل کی روشنی سے اپنے بندوں کو کبھی محروم نہ رکھا۔ جب دیکھئے ایک نئی بہار جدھر دیکھئے جلووں کا انبار، جیسے دیکھئے مترنم نغموں کی بوچھار، گلستاں بجنا رسی نظر آتی ہے نبوت کا دروازہ بند ہوا، رسول رحمت قصر نبوت کی آخری اینٹ بنکر تشریف لے آئے، جب تک رسولوں کے یہ مقدس قافلے تطہیر فکر و عمل، اور تعمیر قوم و ملّت کے لئے تشریف لاتے رہے۔ اصلاح و ارشاد ان کے منصب کی ذمّہ داری رہی اور اس طرح ظلمات چھٹتے رہے۔ روشنی پھیلتی رہی، بدعات مٹتے رہے اور دین و دانش کی باد بہاری چلتی رہی ــــــ حضور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد وہی ذمہ داری علما پر عائد ہوئی اور وہی کام جو پہلے انبیاء و مرسلین علی انبینا و علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے ذریعہ انجام پاتا رہا۔ اب وارث انبیاء کے ذریعہ انجام پانے لگا۔ جب سے اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ اور نبوی ارشاد کی روشنی میں یوں ہی جاری رہے گا۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی اسی درخشندہ سلسلے کی ایک تابندہ کڑی ہیں رسول رحمت کے خصوصی اکرام و نوازشات نے آپ کو اصلاح و ارشاد تبلیغ و ہدایات علوم و فنون اور ان کی دینی تشریحات سے ایسا مزین فرمایا کہ دیکھتے ہی دیکھتے آفاق عالم پر جامعیت منقول و معقول کی گھنگھور گھٹا بن کر چھا گئے اور اصلاح و ارشاد کی موسلا دھار بارش بن کر کشت زار دین و دانش پر برسنے لگے۔ مرجھائی کلیوں میں نئی زندگی آئی کمہلائے پودوں سے نئی کونپلیں پھوٹیں اور خزاں رسیدہ چمن مژدہ نو بہار سنانے لگا دنیا کا وہ کون سا گوشہ ہے جہاں آپ کے فیض کا اجالا نہ پہنچا۔ اور وہ کونسا خطہ ہے جہاں آپ کے جلوؤں کی چاندنی نہیں ہے۔ علم کی ہر شاخ، فن کی ہر کڑی اور فکر کے ہر پہلو کو آپ نے توانائی بخشی ——— شبستان خیال جگمگ کرنے لگے۔ گلزار عقائد تازہ رنگ و بو پا کر کھلکھلا اٹھے۔ تصورات کی دنیا میں حسین انقلاب آیا۔ گردش ایام نے خوشگوار کروٹ لی۔ اور وادی وادی پربت پربت جھومنے لگے۔ خوشی کے گیت گانے لگے۔

امام احمد رضا فکر و نظر کا نقطۂ عروج بن کر ابھرے اور بزم کائنات نے حاشیے اور دائرے کی شکل میں اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ جیسے مہ کامل کو ستاروں نے ہالے کی شکل میں لے لیا ہو، ——— کیا سندھ، کیا ہند، کیا شرق، کیا غرب، کیا عجم کیا عرب جسے دیکھئے کھنچا چلا آرہا ہے ——— اگر عرب کی شمع پر عجم پروانہ وار نثار ہو جائے تو چنداں جائے تعجب نہیں ہے۔ اس کے لئے عرب اسلام کا نقطۂ آغاز عروج ہے۔ مرکز ایمان و یقین محور دانش و دین اور آرام گاہ سید العاشقین ہے جائے تعجب یہ ہے اور عقل اس وقت حیرت فروش ہو جاتی ہے۔ جب ہم ہند کی ایک شمع پر عرب کو منڈلاتا دیکھتے ہیں۔

یہ شمع جمال محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا کمال ہے کہ جو پروانہ اس ایک شمع کا سچا دیوانہ ہو جائے اپنی ہستی کو دیدار محبوب کی مستی میں فنا کر دے۔ دنیا سمجھتی ہے کہ وہ مٹ گیا، مگر اس شمع کی رحمت بھری کرن اسے مٹنے نہیں دیتی مٹتے مٹتے ایسا ایسا جاں نواز بنا دیتی ہے کہ کل تک جو خود پروانہ تھا آج شمع کا روپ دھار لیتا ہے اور اب دنیا اس کے گرد پروانہ وار نثار ہونے لگتی ہے۔ امام احمد رضا وہی پروانۂ شمع جمال محمدی ہیں جو ماہ رسالت کے لئے پروانہ اور محفل امت کے لئے شمع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کل کہتے تھے ؎

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

اور آج جبکہ مقدس مزار کے گنبد و مینار سے یہ پیغام نشر ہو رہا ہے کہ ؎

ہمارے درد جگر کی کوئی دوا نہ کرے
کمی ہو عشق نبی میں کبھی خدا نہ کرے

تیرہ ساڑھے تیرہ سال کا ایک نوجوان دین و دانش کے ہتھیار سے لیس ہو کر ہاتھ میں شریعت کا اصول لئے گلے میں طریقت کا پٹہ ڈالے۔ سر پہ عشق رسالت کا تاج سجائے آگے بڑھتا ہے اور اپنے فن کا وہ جوہر دکھاتا ہے۔ کہ نظریں خیرہ ہو جاتی ہیں، کیا اپنا کیا پرایا کیا بچہ کیا بوڑھا، کیا اجنبی کیا آشنا سب نے کہا کچھ بھی ہو وہ قلم کا بادشاہ ہے عشق رسول کا مجسمہ ہے، رحمت الٰہی کا فیضان ہے۔ اور جب اس نے صفحہ قرطاس پہ حقائق و معارف کے لعل و گہر لٹانے شروع کئے تو اس فیاضی سے لٹائے کہ آج پچھتر سے سال سے زیادہ کا عرصہ بیت گیا مگر ان کے فن کے ادا شناسوں کو یہ اعتراف کرنا پڑ رہا ہے

کہ اس دریا کا کوئی کنارہ نہیں ہے ــــ یہ تو اس بحر کے مہر اور اس کے دریا کے نہر کی باتیں ہیں، بعض جواہرات فکر وفن کی چمک، جلوؤں کا سویرا ہے ان کی شخصیت کی صحیح پہچان اور ان کی بیرت کا واقعی عرفان اسی وقت ہو سکتا ہے جب ان کی تمام تصانیف زیور طبع سے آراستہ ہو جائیں۔ ابھی تو نصف سے بھی کم ہی کو طباعت کی زینت نصیب ہوتی ہے ــــ وہ نابغہ دانشور اور دانشوروں کے جھرمٹ میں ممتاز دیدہ ور تھے ــــ دین و دانش کی ہر جہت پر بیک وقت ان کی نظر تھی۔ اس لئے انہوں نے صرف دین کی زلف پریشاں کی زیبائی نہیں کی بلکہ دانش کے بلجھے چہرے کو بھی رعنائی بخشی اور ایسا کیوں تھا اس لئے کہ حاذق فقیہ تھے۔ فقہ کی تمام باریکیاں اور فقیہ کی تمام خوبیاں ان میں موجود تھیں۔ پروفیسر مجید اللہ قادری فقہ اور فقیہ کے تعلق سے لکھتے ہیں۔

"تمام علوم میں فقہ وہ علم ہے جس کو تمام علوم و فنون کا مغز قرار دیا جا سکتا ہے اور ایک فقیہ کے اندر یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے کہ جب کبھی اس کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جائے وہ اس کا فوری حل پیش کر دے۔ کیونکہ ایک فقیہ نہ صرف علم قرآن وحدیث پر ہی عبور رکھتا ہے۔ بلکہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے تمام سمتوں میں اس کی گہری نظر ہوتی ہے۔

آپ اپنے دور کے وہ منفرد فاضل ہیں جن کی نظریں مسائل کی تہہ تک تعاقب کرتی تھیں۔ آپ کا سائل آپ سے مطمئن بھی ہوتا تھا۔ اور متاثر بھی اسی لئے ان سے استفادہ کرنے والوں میں خانقاہ کے سجادہ نشیں بھی ہیں اور درسگاہ کے مدرسین بھی، کالجوں

اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ بھی اور جامعات کے علماء و فضلاء بھی، مکاتب و مدارس کے نکتہ داں اور عدالت کے حکمراں بھی۔ جب ہر طرف سے مایوسی ہو جاتی، یا جواب تو ملتا مگر تشفی بخش نہیں ہوتی تو لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے، پھر کیا تھا۔ امام احمد رضا کا قلم چلتا اور دلائل و براہین کے انوار سے سائل کا دامنِ مراد بھر جاتا ــــ ان کی تحریر میں انقلاب، ان کی باتوں میں سحر آفرینی، ان کے افکار میں طوفان اور قوت تخیل میں ایسی غیر معمولی کشش کہ نظریں غبار راہ کا بوسہ لیتیں اور دل بچھ بچھ جاتے۔ اور غیر محسوس طور پر جبین عقیدت خراج محبت لٹانے لگتی۔

زبردست عالم، جلیل القدر فقیہ مولانا سراج احمد (متوفی ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء) آپ بیتی بیان فرماتے ہوئے گہر ریز ہیں۔

"رسالہ میراث کی تالیف کے وقت ایک مسئلہ میں الجھن پیدا ہو گئی۔ علمائے دہلی، دیوبند، سہارن پور کو لکھا مگر شافی جواب نہ ملا ناچار مولوی احمد رضا خاں صاحب کو بھی لکھا انہوں نے بڑا مدلل اور مشرح جواب عنایت فرمایا جس سے پوری تشفی ہو گئی اور شکوک و شبہات رفع ہو گئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس جواب کو دیکھنے کے بعد مولانا احمد رضا خاں قدس سرہٗ کے متعلق میرا اندازِ فکر یکسر بدل گیا اور ان کے متعلق ذہن میں جمائے ہوئے خیالات کے تار و پود بکھر گئے۔ ان کے رسائل اور دیگر تصانیف منگوا کر پڑھے تو مجھے یوں محسوس ہوا تو میرے سامنے سے غلط عقائد و نظریات کے سارے حجابات آہستہ آہستہ اٹھ رہے ہیں۔"

باوجود کہ اس چاند کو غبار آلود کرنے کی انتھک کوشش کی گئی، اس کی پھیلتی خوشبوؤں کو لوگوں نے مقید کرنا چاہا، اس کی آواز نہ سننے اور نہ سنانے کی قسمیں وعدے لئے گئے مگر روشنی پھیلتی رہی، خوشبو بکھرتی رہی ـــــ کھل کر نہ سہی تو دبے لب و لہجہ میں ہی سہی سب نے کہا کہ وہ کانٹوں میں ایک پھول ہے، بزم گیتی میں اس کی ذات ایک سوال ہے اور دنیا کے لاینحل سوالوں کا تنہا وہ ایک جواب ہے ـــــ احمد رضا سب کا دوست تھا چوں کہ سب کا حاجت روا تھا اور حاجت روا دشمن نہیں ہوتا ـــــ اسی لئے عقائد سے لے کر اعمال تک وہ سب کی اصلاح چاہتا تھا، بدعملی پر کڑھتا اور بدعقیدگی پر تڑپتا تھا، اپنے وجود کو خطرے میں ڈال کر بھی وہ کوشاں رہا کہ عقیدے کی تطہیر ہو جائے، ایمانی بنیادوں پر اعمال کی تعمیر ہو جائے ـــــ وہ سراپا درد تھا، پوری ملّت کا دردمند تھا، اور دلِ دردمند کا درماں تھا ـــــ اس کے یہاں اپنوں اور بیگانوں میں کوئی امتیاز نہیں تھا اس کے قلم کی زد پر جو بھی آتا گھائل ہو جاتا ـــــ گھائل ہو کر آتا تو احمد رضا پیار کا مرہم رکھتے محبت کی شبنم پاشی کرتے۔

وہ اپنے زمانے میں دین و دانش دونوں کا بیک وقت مرجع تھا مگر اپنی ذات کو اس نے ہر قسم کی آلائش سے ہمیشہ بے لوث رکھا ـــــ اس کے چمنستان جلوت و خلوت میں پھول ہی پھول ہیں، خوشبو ہی خوشبو ہے ـــــ اس کی وسعت علمی، پختہ فکری، کی دھمک حکومت کے ایوان تک جا پہنچتی تھی، جبھی تو فاضلِ جج محمد دین صاحب نے کامل تشفی بخش جواب کے لئے ایک مسئلہ میں آپ سے رجوع کیا تھا ـــــ آپ کے شاہکار مجموعۂ فتاویٰ رضویہ جلد دہم میں وصیت اور موصیٰ بہ بالزائد کے رد علیٰ احد الزوجین پر ترجیح کے بارے میں ایک نہایت ہی معرکۃ الآرا فتویٰ ہے جو صفحہ ۱۹۵ سے ۲۶۰ یعنی

پچھتر صفحات پر پھیلا ہوا ہے ـــــ اسی مسئلہ کے جواب میں دیگر آٹھ مفتیوں کے جوابات بھی ہیں جو ۲۱ صفحات پر مشتمل ہیں اور تنہا امام احمد رضا کا جواب ۵۴ صفحات پر محیط ہے، ـــــ خاص بات یہ کہ آٹھوں مفتیوں میں سے ہر ایک کے فتوی میں کچھ نہ کچھ اختلاف یا تضاد تھا، تو چیف کورٹ ریاست بھاولپور کے جج جناب محمد دین صاحب نے اس استفتاء اور تمام مفتیوں کے فتووں کو امام احمد رضا قدس سرہٗ کے پاس بھجوایا، اور ان الفاظ میں ہدایت کی۔ :

ـــــ " یہ سوالات جو ابھی تک تصفیہ طلب ہیں بقول فتاوی کے ساتھ مولانا مولوی احمد رضا خانصاحب بریلوی مرسل ہوں اور التماس کی جائے کہ ان تمام فتاوی کو ملاحظہ فرما کر اپنی رائے مع اسناد مرحمت فرمادیں۔ مبلغ ۵ روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیجوا دیئے جائیں۔" (۳)

اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے ان تمام فتاوی کو ملاحظہ کر کے فرمایا :-

ـــــ " الحمد للہ! یہاں فتوی پر فیس نہیں لی جاتی، ان اجری الا علی رب العالمین، منی آرڈر واپس کر دیا، سوالات اور اس کے متعلق آٹھ فتوے ملاحظہ ہوئے مفتیوں کے نام نہ لکھنا عجب نہ تھا کہ ایک فتوی میں دوسرے کا ذکر تھا، لکھ کر محو کر دیا گیا، یہاں اس سے کوئی بحث نہیں، بحمد اللہ! یہاں مسائل میں نہ کسی دوست کی رعایت ہے، نہ کسی مخالف سے ضد اور نفسانیت، مولی سبحانہ وتعالی نے لا یخافون

لومۃ لائم سے بہرہ وافر عطا فرمایا ہے وللہ الحمد۔ اسی بنا پر
افسوس سے گذارش کہ آٹھوں فتووں میں اصلاً ایک بھی صحیح نہیں
اکثر سراپا غلط، اور بعض مشتمل بر اغلاط۔" (۴)

"اعلیٰحضرت نے مسئلہ سے متعلق ۱۲ افادات تحریر فرمائے اور
یہ ایک افادے کے تحت مجموعی ۷۲ فائدے اور ۱۲۴ تفریعات ہیں،
تفریعات میں خاص خاص فتاوے کی اغلاط کی نشاندہی ہے پھر آخر
میں اصل استفتاء کا جواب پھر حکم اخیر کے عنوان سے تمام جوابات کے
اجمالی احکام ہیں۔" (۵)

کیا علمی استحضار، فقہی جامعیت، اور تنقیدی معیار ہے کہ آپ کی ہر تحریر تحریر آخر کا درجہ رکھتی ہے، اب اس کے بعد نہ مسائل کو کچھ کہنے کی گنجائش ہے نہ دیگر مستفسرین کو لب کشائی کی مجال گویا آپ کے فتاویٰ خاتم الفتاویٰ ہیں، مہر لگ گئی اب نہ جرأت گفتار کی اجازت ہے نہ جسارت تحریر کی ــــــ جہاں اوروں کے پرواز علم کی انتہا ہے وہاں سے آپ کی پرواز علم کی ابتدا ہوتی تھی۔ ان کے چہکتے فتووں، مہکتے تصنیفوں سے جیسے آواز آرہی ہے۔ ؏ ہے ابتدا ہماری تیری انتہا کے بعد

وہ اپنے معاصرین کا مذہبی نقاطِ نظر کی روشنی میں حساب رکھتے تھے اور احتساب کرتے تھے۔ اگر کسی سے فکری لغزش ہو گئی تو فوراً خط لکھ کر متنبہ کرتے غلطیوں کی نشاندہی فرماتے، جواب نہیں آتا تو جوابی رجسٹری بھیجتے، ٹیلیگرام کرتے، جواب آتا اور اس میں اگر ٹال مٹول، یا صفائی پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہوتی تو تفصیلی وضاحت طلب خط لکھتے اور جب ہر طرح سے مایوس ہو جاتے تو اطلاع دے کر شرعی حکم صادر فرما دیتے۔ (۶) وہ کیسے حساس،

متحرک اور مخلص تھے کہ غلطی کسی سے ہو نہیں ان کا دل ہوتا تھا اور اس وقت تک آپ کو قرار نہیں ملتا جب تک کہ اتمام حجت نہ فرما لیتے ——— اور اگر کوشش بار آور ثابت ہوئی تو پھر مت پوچھئے ان کی خوشی کا عالم جیسے گنجہائے گرانمایہ ہاتھ آگیا ہو، جیسے کھوئی ہوئی عزیز شئے مل گئی ہو، جیسے روٹھا ہوا محبوب تبسم ریز ہو گیا ہو، جیسے خزاں رسیدہ چمن پر بہاروں کی بارات اتر پڑی ہو ——— ان کی حیات و سوانح کا قاری جب ان کی سیرت کی ان کیفیتوں سے گذرتا ہے تو محسوس کرتا ہے جیسے موصوف کے جسم میں عالم انسانیت کا دل دھڑکتا تھا، ہر دینی کرب، مذہبی اضطراب کو وہ اپنا ہی درد سمجھتے تھے ——— اور بات مذہب کی ہو یا سیاست کی، منقولی ہو معقولی، دین کی ہو یا دانش کی وہ سب پر یکساں حاوی تھے، اور ہر ایک کے تعلق سے فکر صائب اور فہم فراواں رکھتے تھے، اسی لئے ان کی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی تصانیف میں موزونیت، معقولیت، اور معروضیت کی کارفرمائی ہے ——— کہیں پر بھی کسی بھی فن میں ان کا شہوار قلم تیز گام ہو کوئی بھول محسوس نہیں ہوتا، وہی انداز، وہی تگ و تاز جو ایک جگہ ہے۔ متنوع جلوؤں کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے، احقاق حق میں دوست اور دشمن سب بلا امتیاز۔ ———

حضرت مولانا عبدالباری لکھنوی بڑے مخلص دوست تھے، انہیں "فاضل اکمل" کے خطاب سے آپ یاد فرماتے لیکن جب خلافت کمیٹی اور اس کے لیڈروں کی حمایت میں مولانا نے قولاً، تحریراً خلافت شرع باتیں کہیں تو فاضل بریلوی نے بذریعہ مراسلت ان کو آگاہ فرمایا۔ پہلے خط کے ذریعہ اور پھر رسید طلب رجسٹری کے ذریعہ مسلسل یاد دہانی فرماتے رہے۔ اپنے عزیز شاگرد و خلیفہ مولانا محمد ظفر الدین کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :-

"مولوی عبدالباری کو تین رجسٹریاں رسید طلب گئیں ڈاک کی

رسیدیں آگئیں مگر ادھر شہر خموشاں ہے۔" (۷)

اور جب اس مکاتبت کا خاطر خواہ نتیجہ بر آمد ہوا۔ مولانا نے تحریری طور پر اپنے کفریہ کلمات سے توبہ کر لی تو پھر مولانا ظفر الدین کو اطلاعاً تحریر فرماتے ہیں :۔

"مبارک، مبارک، مبارک مولانا مولوی عبد الباری صاحب نے ایک سو ایک اور ان کے امثال سے توبہ چھاپ دی ملاحظہ ہو ہمدم، ۱۱ر رمضان المبارک روز جمعہ ۲۰ مئی ۱۹۲۱ء۔

پھر اس کے بعد مولانا موصوف کا توبہ نامہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"میں نے بہت گناہ دانستہ کیے اور بہت سے نادانستہ سب کی توبہ کرتا ہوں، اے اللہ میں نے امور قولاً و فعلاً تقریراً و تحریراً بھی کیے ہیں جن کو میں گناہ نہیں سمجھتا تھا۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ان کو کفر یا ضلال یا معصیت ٹھہرایا ان سب سے اور ان کے مانند امور سے جن میں میرے مرشدین اور مشائخ سے میرے لئے کوئی قدوہ نہیں ہے، محض مولوی صاحب موصوف پر اعتماد کر کے توبہ کرتا ہوں اے اللہ میری توبہ قبول کر۔"

"فقیر عبد الباری عفی عنہ"۔

اس کے بعد مولانا ظفر الدین صاحب کو خوشخبری دیتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"فقیر کی رائے میں فوراً ایک جلسہ تہنیت توبہ مولانا مولوی عبد الباری صاحب لکھنوی چھاپ کر اس کی تہنیت کا جلسہ وہاں بھی کیا جائے اور جلسے کی طرف سے اس کی مبارکبادی کا تار مولوی عبد الباری صاحب

کو دیا جائے۔" (۸)

اس واقعہ سے ایک طرف امام احمد رضا کی صلابت دینی، حق گوئی و بے باکی، جہد مسلسل اور صداقت کوشی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے تو دوسری طرف اس زمانے کے حق بیں، حق پسند علماء کی سیرت کا یہ پہلو بھی ابھر کر سامنے آتا ہے کہ وہ ذوات عالی صفات اپنی شخصیت عرفی، حیثیت مجموعی کی پرواہ کئے بغیر سماع قبول سے صدائے حق سنتے اور رضائے حق کے لئے لغزشوں پر نادم ہو جاتے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ کون کہہ رہا ہے بلکہ یہ دیکھتے کہ کیا کہہ رہا ہے، بات اگر وزنی ہے تو نہاں خانۂ دل سے ندامت کے چشمے پھوٹ پڑتے اور کوئے چشم سے آنسو بن کر بہنے لگتے۔ ــــــ رہنما اور رہ نورد دونوں قابل احترام اور داد آفریں کے مستحق ہیں۔

امام احمد رضا کے اس غیر جانبدارانہ، منصفانہ انداز پر انہیں بہت کچھ سننا اور سہنا پڑا ـــــ گالیوں اور نازیبا جملوں سے بھرے ہوئے خطوط بھی آئے ـــــ کچھ احباب نے اس طرف توجہ مبذول کرانے کی کوشش بھی کی مگر کیا مجال کہ اس مرد حق کی پیشانی پر کوئی ہلکا سا بل بھی آیا ہو، فرماتے کہ یہی سعادت میرے لئے کچھ کم نہیں ہے کہ حق کے لئے ڈھال اور تحفظ ناموس دین کے لئے میں سپر بن جاؤں۔" ـــــ تاہم اس جرأت مومنانہ نے اپنی اثر آفرینی بھی دکھائی، مومنوں کے قلوب کو آپ کی محبت کا فرش بنا دیا۔ عجم سے عرب تک چاہنے والوں کی قطار لگ گئی۔ پروانوں کی بھیڑ میں تنہا وہ ایسی شمع تھا کہ جو قریب آتا حبیب ہو جاتا، اس کی تیغ علم و عشق سے جسم بعد میں جان پہلے متاثر ہوتی تھی، کیوں نہ ہو وہ غیرت علم کی آبرو تھا، حمیت عشق کی تصویر تھا، اور تحفظ شان الوہیت و رسالت کے حوالے سے وہ پوری قوم و ملت کی تقدیر تھا، اس کی پیشانی کی سلوٹوں سے انوار باری جھلکتا تھا۔ شیخ صالح کمال مکی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی ہی ملاقات میں بغیر کسی سابقہ تعارف

کے کہا تھا انی لاجد نور اللہ فی ھٰذا الجبین میں اس پیشانی میں خدا کا نور دیکھ رہا ہوں۔ (الملفوظ)

دین و دانش کی مجلس میں جب بھی وہ جلوہ گر ہوا میر مجلس ہی رہا، ہر محفل علم و نور میں وہ حاصل محفل سمجھا گیا ــــ ماہر رضویات حضرت پروفیسر مسعود احمد مظہری رقمطراز ہیں:۔

"فاضل بریلوی کے پہلے سفر حج کے دوران علمائے حرمین کافی متاثر ہو چکے تھے، پھر جب علماء کے سامنے آپ کے فتوے پیش کیئے گئے تو ان کو آپ کے تبحر علمی اور قوت استدلال کا اندازہ ہوا، آپ کی عظمت کا سکہ ان کے دلوں پر بیٹھ گیا چنانچہ جب دوسری بار حج پر تشریف لے گئے تو غیر معمولی اعزاز و اکرام سے نوازا گیا۔ (۹)

آپ کا دوسرا سفر حج بیش بہا عجائب و غرائب، دلچسپ واقعات اور اچھوتے مشاہدات کا مرقع ہے جس کا ذکر آپ نے خود الملفوظ حصّہ دوئم میں کیا ہے اور جو ۲۸ صفحات پر بسیط ہے، ہم ان میں سے صرف دو تین نوادرات تبرکاً، ملخصاً نقل کریں گے۔ اپنے گھر میں تو سب کے منہ میں زبان ہوتی ہے، اپنے ماحول میں سب بولتے ہیں۔ دوست واحباب کی محفل میں گلستان خیال سجائے جاتے ہیں ــــ لیکن اپنے وطن سے دور بہت دور سمندر پار جا کر بولنا، اربابِ دین و دانش کی مجلس میں زبان کھولنا، جن کی طوطی بولتی ہو، سکے چلتے ہوں، فضل و کمال کے خطبے پڑھے جاتے ہوں ان کی بزم میں چہکنا، علمی مذاکرہ کرنا اور دلائل کے زور سے مسائل کو پانی پانی کر کے اصحاب زبان و بیان کو حیران و ششدر کر دینا اور حقائق کے اجالے میں لا کر انہیں اپنا والہ و شیدا کر لینا، اس سفر حج کا خلاصہ، اور یادگار ہیں ــــ اہل عرب آپ کی عربی دانی، طلاقت لسانی، سلاست زبان،

فصاحت بیان، اور حذاقت علم و برہان دیکھ کر عش عش کر اٹھے ــــــ دلائل کے ہجوم اور حوالوں کے ماہ و نجوم سے فکر و نظر کے ماتھے پر پسینہ آگیا، علم دوست، ادب نواز جھوم جھوم، اٹھے اور سب نے بڑھ کر آپ کی پذیرائی کی ــــــ سر برآوردہ جتنے مسائل پر علماء عرب تبادلہ خیال کر چکے تھے یا کرنے والے تھے بالاتفاق سب کا مرجع امام احمد رضا بن گئے۔

ــــــ وہ منظر کتنا روح پرور اور کیف آور ہوگا جب علم کے پہاڑوں، عمر کے بوڑھوں کے بیچ ایک ہندی نوجوان فاضل عقائد اہلسنت اور افکار قوم و ملت کی نمائندگی کر رہا ہوگا ــــــ اس زمانے کی دو شاہکار تصنیف آپ کی یادگار ہیں۔ ایک الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ ۱۳۲۳ھ اور دوسری کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم ۱۳۲۴ھ۔ (اول الذکر علم غیب مصطفےٰ پر تحقیقی شاہکار ہے جبکہ دوسری کرنسی نوٹ سے متعلق حرفِ آخر، جیسا کہ کتاب کا موضوع کتاب کے نام ہی سے ظاہر ہے، فاضل بریلوی کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ جہاں کتاب کے نام سے کتاب کے موضوع کا پتہ چلتا ہے وہیں سنہ تصنیف بھی مستخرج ہوتا ہے اور یہ خوبی ہزار کے قریب آپ کی تصنیفات میں سے معتدبہ کے ساتھ ہے۔) الدولۃ المکیہ کا پس منظر یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے شریف مکہ تک رسائی پیدا کی مسئلہ علم وغیب کو حکومت کی سطح سے اٹھانا چاہا اور اس کے متعلق کچھ سوالات علماء مکہ کی خدمت میں پیش کیا، پھر کیا ہوا تفصیل فاضلِ بریلوی کی زبانی سنئے :۔

> "۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کی تاریخ ہے بعد نماز عصر میں کتب خانہ کے زینے پر چڑھ رہا ہوں۔ پیچھے سے ایک آہٹ معلوم ہوئی، دیکھا تو حضرت مولانا شیخ صالح کمال ہیں، بعد

سلام و مصافحہ دفتر کتب خانہ میں جا کر بیٹھے، وہاں حضرت مولانا سیّد اسماعیل اور ان کے نوجوان سعید رشید بھائی سیّد مصطفیٰ اور ان کے والد ماجد مولانا سید خلیل اور بعض حضرات بھی تشریف فرما ہیں، حضرت مولانا صالح کمال نے جیب سے ایک پرچہ نکالا جس پر علم غیب سے متعلق ۵ سوالات تھے ...... مجھ سے فرمایا یہ سوال وہابیہ نے حضرت سیّدنا کے ذریعہ پیش کئے ہیں اور آپ سے جواب مقصود ہے .... کل سہ شنبہ ہے پرسوں چہار شنبہ ان دو روز میں ہو کر پنجشنبہ کو مجھے مل جائے کہ میں شریف کے سامنے پیش کر سکوں .... اس کا شہرہ مکہ معظمہ میں ہوا کہ وہابیہ نے فلاں کی طرف سوال متوجہ کیا ہے اور وہ جواب لکھ رہا ہے ...... فضل الٰہی اور عنایت رسالت پناہی صلّی اللہ علیہ وسلم نے کتاب کی تکمیل، تبییض سب پوری کرا دی۔ الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ اس کا تاریخی نام ہوا، اور پنجشنبہ کی صبح ہی کو حضرت مولانا شیخ صالح کمال کی خدمت میں پہنچا دی گئی، مولانا نے دن میں اسے کامل طور پر مطالعہ فرمایا اور شام کو شریف کے یہاں تشریف لے گئے ...... کتاب پیش کی اور علی الاعلان فرمایا اس شخص نے وہ علم ظاہر کیا جس کے انوار چمک اٹھے اور جو ہمارے خواب میں بھی نہ تھا ...... تمام مکہ معظمہ میں کتاب کا شہرہ ہوا .... بفضلہ تعالیٰ سب

لو ہے ٹھنڈے ہو گئے۔ (۱۰)

ماہر رضویات حضرت پروفیسر مسعود احمد مظہری نے تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:۔

"اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں مسئلہ علم غیب پر فاضلانہ بحث ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب ثابت کرتے ہوئے بڑے معقول اور دلنشیں انداز سے اپنا موقف بیان کیا ہے، دوسرے حصے میں دیگر چار سوالات ہیں، جب یہ کتاب علمائے عرب کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے بڑی پذیرائی کی اور تقریباً ۔ علماء نے اس اپنی تصدیقات لکھیں۔ (۱۱)

علامہ اقبال احمد فاروقی مدیر جہان رضا لاہور فرماتے ہیں:۔

"یہ وہ معرکۃ الآراکتاب ہے جس پر عالم اسلام نے بھرپور داد تحسین پیش کی۔ یہ کتاب حضور نبی کریم صاحب کوثر و تسنیم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم غیبیہ پر ایک شاندار مرقع ہے جسے پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور حضور کے کمالات سے قلب و ذہن فروغ پاتے ہیں۔ (۱۲)

اور آپ کے خلف اکبر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں جو اس سفر مبارک میں آپ کے ہمرکاب تھے اپنا مشاہدہ یوں بیان کرتے ہیں۔:

" در اصل رسالہ الدولۃ المکیہ نے حرمین شریفین میں آپ کا غلغلہ بپا کر دیا، یہ کتاب مجموعی طور پر دس گھنٹے سے کم میں تالیف فرمائی، اس رسالے سے وہاں کے علماء کو محسوس ہوا کہ،

مصنف مشاہیر علوم و منقول میں بلند درجہ رکھتے ہیں چنانچہ آپ
سے استفسارات کا سلسلہ شروع ہو گیا، اسی قبیل سے نوٹ سے
متعلق ۱۲ سوالات تھے۔ (۱۳)

الدولۃ المکیہ ایک دھماکہ خیز کتاب ثابت ہوئی اس نے خیالات کے دھالے موڑ دیئے اور ارباب علم و فکر کے قلوب و اذہان پر امام احمد رضا کی عظمت کا پرچم گاڑ دیا ـــــ سرعت تحریر اور احساس ذمہ داری کا عالم یہ کہ صرف آٹھ گھنٹے میں تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل تحقیقی مقالہ پر مغز معلومات اور بصیرت افروز انکشافات سے مرجع علماء کے حوالہ کر دیا، بخار کا تسلسل، لائبریری سے دوری، وقت بہت ہی کم، ملاقاتیوں کا ہجوم، لیکن آپ نے ثابت کر دیا کہ یہ سب اعذار احمد رضا کے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتے نہ یہ چیزیں میرے عزم کی راہ میں مانع ہو سکتی ہیں ـــــ کتاب کے اختتامیہ میں اوقات کی وضاحت فرماتے ہیں۔

ـــــ "الحمد للہ اس بندۂ ضعیف نے اس کتاب کا پہلا حصہ
سات گھنٹوں میں مکمل کر لیا تھا، پھر اسے مزید مفید بنانے کے لئے
نظر ششم کا اضافہ کیا اور بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود آج
ظہر کے بعد دوسرا حصہ بھی مکمل ہو گیا اس پر مجھے ایک گھنٹہ مزید
صرف کرنا پڑا۔ (۱۴)

عرض کیا جا چکا ہے کہ مقبولیت ایسی افزود ہوئی کہ ہر طرف سے استفسارات کا سلسلہ شروع ہو گیا، حرم کے دوسرے تحفے کفل الفقیہ سے متعلق فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں :۔

"محرم ۱۳۲۴ھ میں مکہ معظمہ کے دو علمائے کرام مولانا عبداحمد میر داد اور ان کے استاذ مولانا حامد احمد محمد جدادی نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائل فقہیہ کا سوال اس فقیر سے کیا جس کے جواب میں بفضل وہاب عز جلالہ ڈیڑھ دن سے کم میں رسالہ کفل الفقیہہ وہیں لکھ دیا۔ ...... مکہ معظمہ کے اجلہ علمائے کرام و مفتیان عظام نے کفل الفقیہہ کو ملاحظہ فرمایا، پڑھوا کر سنا اس کی نقلیں لیں اور بحمد للہ سب نے بیک زبان مدحیں کی، جیسے شیخ الائمہ، کبیر العلماء حضرت مولانا احمد ابوالخیر میر داد حنفی، عالم العلماء حضرت علامہ شیخ صالح کمال حنفی، حافظ کتب الحرم فاضل سید اسماعیل خلیل حنفی، حضرت مولانا مفتی حنفیہ عبداللہ صدیق ....

یہی سوال استاذ الاستاذ حضرت مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی سے ہوا تھا اور انہوں نے جواب دیا تھا کہ "علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے مجھے اس جزئیہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کچھ حکم دوں"۔ جب حضرت مولانا مفتی حنفیہ علامہ عبداللہ صدیق نے رسالہ کفل الفقیہہ کا مطالعہ کیا اور اس مقام پر پہونچے جہاں فتح القدیر سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے کہ "اگر کوئی شخص اپنے ایک کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے تو جائز ہے مکروہ نہیں"، تو پھڑک اٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے این جمال بن عبداللہ من ھذا النص الصریح جمال بن عبداللہ اس نص صریح

سے کہاں غافل رہے ہے۔ (۱۵)

ــــ انہوں نے فاضل مصنف سے ملاقات کی، گرمجوشی سے استقبال کیا اور دونوں شخصیتوں کے درمیان علمی مذاکرہ ہوا، جب آپ وطن لوٹے تو معلوم ہوا کہ "مولانا رشید احمد گنگوہی نے فتویٰ دیا ہے کہ نوٹ چیک ہیں انہیں ان کی مثل کے ساتھ بھی نہیں بیچا جا سکتا، چہ جائیکہ کم یا زیادہ رقم کے ساتھ سودا کیا جائے" آپ نے اپنی کتاب الذیل المنوط میں ۱۸ وجوہ سے ان کا رد کیا۔ (۱۶)

عقولِ انسانی کو ورطۂ حیرت میں ڈال دینے والی آپ کی دونوں کتاب دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ آپ کی ذات قدرت کا لاجواب انتخاب اور رسولِ رحمت کی کرم نوازیوں کا مہکتا گلاب تھی۔ ندرت خیال ہے کہ ورق ورق پر مچل رہی ہے، کثرت دلائل ہے کہ صفحہ گل و گلزار بنا ہوا ہے، جزئیات سلسلہ در سلسلہ، نکات موج در موج، حافظہ اتنا قوی کہ حوالہ جلد صفحہ، سطر کی قید کے ساتھ ہمیشہ ذہن میں کرن در کرن۔ الدولۃ المکیہ، اور کفل الفقیہ کا پس منظر دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ذہن نہیں ہے لائبریری ہے، دماغ نہیں ہے انسائیکلوپیڈیا ہے، علوم و فنون کی جامعیت دیکھ کر فضلائے روزگار انگشت بدنداں رہ گئے۔ فکر و خیال کی انجمن سجانے والے اور حقائق و معارف کے دریا بہانے والے شجرہ طوبیٰ سے خوشہ چینی کو سعادت بالائے سعادت سمجھ رہے ہیں۔ (آج اگر کاغذی نوٹوں کا آزادانہ استعمال ہو رہا ہے تو امام احمد رضا کے فتویٰ پر خاموش عمل ہے، ہند کے بعض علماء گومگو کی کیفیت میں تھے، بعض ناجائز کہہ چکے تھے علمائے عرب جزئیہ کی تلاش میں پریشان تھے کہ امام احمد رضا

کا فتویٰ منصہ شہود پر آیا۔) پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی کے مصداق بعد میں جس نے بھی لکھا اور جو کچھ لکھا ماخذ کفل الفقیہ ہی ہے، اولیت کا سہرا علمائے عرب اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے جب تک فاضل بریلوی وہاں رہے اکتساب فیض کرتے رہے اور جب بریلی واپس تشریف لے آئے تو شوق ملاقات اور ذوق علم کشاں کشاں بریلی لے آتا، کئی شخصیتیں ہیں جو حجاز اور مختلف دیار و امصار سے بریلی آئیں اور کئی کئی مہینے رہیں ـــــ انہیں آنے والوں میں حضرت مولانا سید حسین مدنی ابن حضرت مولانا سیّد عبدالقادر شامی، مدنی رحمۃ اللہ علیہا بھی ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے فاضل بریلوی لکھتے ہیں:۔

ـــــ چودہ مہینے فقیر خانہ پر قیام فرمایا اور علم اوفاق وتکسیر سیکھے، انہیں کے لئے میں نے اپنا رسالہ اطائب الاکسیر فی علم التکسیر زبان عربی میں املا کیا یعنی میں عبارت زبانی بولتا اور وہ لکھتے جاتے اور اسی لکھنے میں اسے سمجھتے جاتے۔ علم جفر میں اتنی دستگاہ ہو گئی تھی کہ ۵ سوالوں میں ۲ کا جواب صحیح نکال لیتے .... اگر چند مہینے اور رہتے تو امید تھی کہ سب جواب صحیح نکالنے لگتے میں نے جو جداول اس فن کی تکمیل جلیل کے لئے اپنی طبع زاد ایجاد کی تھیں رخصت کے وقت انہیں نذر کر دیں۔ (۱۷)

ان آنے والوں میں ایک مولانا عبدالغفار بخاری بھی ہیں جو آٹھ مہینہ بریلی شریف رہ کر دریائے علم سے موتی چنتے رہے، ان کے تعلق سے امام احمد رضا فرماتے ہیں ـــــ "ان کی محبت وصلاح وتقویٰ کے سبب اکثر ان کی یاد آجاتی ہے۔" (۱۸)

مکہ جو خود مرکزہ دائرہ کائنات ہے، مرکز دائرہ علوم ومعارف ہے، دین ودانش

اور عقائد و نظریات کے اولیں سوتے وہاں سے پھوٹے، مگر کیا کشش تھی اس مردِ خدا کی ذات میں اور ان کے قدموں سے لپٹنے والے بریلی کے ذرات میں کہ تشنہ کامانِ زمانہ عرب کا رخ کرتے ہیں اور تشنہ کامانِ عرب بریلی کا ـــــ حالانکہ بریلی شریف میں اس وقت نہ کوئی یونیورسیٹی تھی نہ کوئی جامع العلوم، نہ کوئی عظیم دانشکدہ تھی اور نہ بین الاقوامی تربیتی سینٹر، تن تنہا امام احمد رضا کی ذات ہے جو عصری دانشکدہ بھی تھی اور اسلامی درسگاہ بھی، دنیا بھر کے علوم و فنون کے نصاب پر مشتمل عالمی یونیورسیٹی بھی، اور تقاضائے وقت و ضرورت کے تحت دیدہ ور ڈھالنے والی ایشیاء کی سب سے بڑی فیکٹری بھی، وہ جتنے علوم و فنون پر مہارت رکھتے تھے آج بھی دنیا کی کسی ایک یونیورسیٹی میں اتنے علوم نہیں پڑھائے جاتے، مٹی کو سونا اور سونا کو کندن وہاں بنایا جاتا تھا، خام مال کو پگھلا کر کل پرزے کی تشکیل وہاں ہوتی تھی ـــــ ان کے قریبی دوستوں، حاشیہ نشینوں، شاگردوں، اور فیض یافتہ لوگوں کی جماعت پر آپ نظر ڈالیں تو حیرت ہوتی ہے ہمہ نوعی خوبیوں سے آراستہ ذوات عالیہ کی ٹیم نظر آتی ہے جو ذات سے لیکر کائنات تک چھا جانے والی صفتوں اور صلاحیتوں سے مزین ہیں، مثلاً صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین اور محدّث اعظم حضرت سیّد محمّد کچھوچھوی جیسا مفکر و مدبر، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا، اور مولانا وصی احمد سیلی بھیتی جیسا متبحر عالم، مولانا امجد علی اور مولانا شریف کوٹلوی جیسا فقیہہ و دانشور، مولانا دیدار علی اور مولانا عبد السّلام جیسا عارف کامل، مولانا عبد العلیم اور مولانا احمد مختار جیسا داعی و مبلغ، مولانا ظفر الدین اور مولانا عمر الدین جیسا مصنف و مولف، مولانا رحم الٰہی اور مولانا غلام جان جیسا مدرس، مولانا ابو الحسنات اور مولانا یار محمد جیسا سیاسی، مولانا ہدایت رسول اور مولانا حشمت علی

جیسا مناظر، مولانا حسن رضا اور مولانا سیّد ایوب علی جیسا ادیب و صحافی، مولانا عبد الاحد اور مولانا عبد الرشید جیسا حکیم، مولانا ابراہیم رضا اور مولانا حسنین رضا جیسا تابع و ناشر قاضی عبد الوحید اور حاجی لعل محمد جیسا معتقد، آخر ان جواہرات کا معدن کہاں ہے، یہ کس سیپ کے پروردہ گوہر ہیں، ان رنگ برنگے پھولوں کا چمن کون سا ہے، یہ کس تربیتی کیمپ کے آراستہ و پیراستہ افراد و اشخاص ہیں، تو جواب صرف ایک ہے امام احمد رضا کی ذات ــــــ ماہر رضویات کا صرف ایک جملہ پوری جہان رضویات کا ترجمان ہے جب انہوں نے یہ کہا ہے تو گویا سمندر کو کوزے میں سمو دیا ہے کہ

ــــــ "فیض رب قدیر سے کارگہ فکر میں انجم ڈھلتے تھے"۔ (۱۹)

ــــــ وہ بہت بڑے باپ کے بیٹا تھے، رئیسی کی گود میں انہوں نے آنکھیں کھولی تھیں، زمینداری کی فضا میں انہوں نے ہوش سنبھالا تھا، وہ شہزادہ تھے، پورے خاندان کے نور دیدہ تھے، وہ چاہتے تو پھولوں کی سیج پر سوتے مگر سہولیات کو تج کر انہوں نے مصروفیات کو اپنا لازمۂ حیات بنالیا، دین و مذہب کی اشاعت ان کا نصب العین بن گئی، قوم و ملت کی خدمت زندگی کا اٹوٹ حصّہ ہو گیا۔ اپنی صحت و تندرستی کی انہوں نے پرواہ نہیں کی، فکر تھی تو یہ تھی کہ ملّت صحت مند رہے، حسرت تھی تو یہ تھی کہ قوم آبرو مند رہے، تمنا تھی تو یہ تھی سنّت اور سنّیت کا بول بالا ہو، اسی درد میں وہ تڑپتے اور اسی آرزو میں مچلتے، طبیعت اچھی نہیں ہے طبیب نے کام بالکل منع کر دیا ہے مگر کام ہو رہا ہے، بخار ہے اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتے سینہ پر دوات رکھوا لیا ہے، (الملفوظ) اور لکھ رہے ہیں۔ پوری چودھویں صدی چھان ڈالئے، ہے کوئی ایسا بے لوث محسن، ہے کوئی ایسا مخلص ہمدرد، ہے کوئی ایسا جانثار و غم گسار ؟

خدمت دین و سنّت کی تو بات ہی الگ ہے۔ ملّی ہمدردی اور سیاسی خیر خواہی کی بنیاد پر بھی ان کے معاصرین میں کوئی ان کا نظیر نظر نہیں آتا ــــــ وہ اتنے بڑے قلم کار تھے کہ چاہتے تو ادب و صحافت کے حوالے سے دولت و ثروت قدموں کا بوسہ لیتی مگر انہوں نے قلم کی حرمت کو مجروح نہیں کیا، معراجِ عظمت عطا کیا، علم کا وقار اونچا کیا اور اونچا رکھنے کا حوصلہ بخشا، اپنی منقولہ جائداد کی آمدنی سے انہوں نے ۲۰۰ روپئے ماہانہ دینی امور پر خرچ کے لیے مختص کر رکھا تھا پھر بھی وہ ایسے فراخدست تھے کہ کبھی کبھی مہینہ ختم نہیں ہوتا اور روپیہ ختم ہو جاتا، پروفیسر مسعود احمد مظہری لکھتے ہیں :۔

> ــــــ "سخاوت کی یہ کیفیت تھی کہ کبھی کبھی تنگدستی کا عالم بھی گذرتا، ایسی حالت میں بے نفسی کے ساتھ مولانا بریلوی کا فتویٰ نویسی ان کے عالمانہ وقار اور فقیہانہ آن بان کو اور بلند کرتی ہے۔" (۲۰)

کسی مستفتی نے فتویٰ نویسی کی فیس کے بارے میں دریافت کیا تھا، امام احمد رضا جواب میں لکھتے ہیں :۔

> ــــــ یہاں بحمداللہ تعالیٰ فتویٰ پر کوئی فیس نہیں لی جاتی بفضلہ تعالیٰ ہندوستان و دیگر ممالک مثلاً چین، افریقہ، امریکہ، و خود عرب شریف و عراق سے استفتے آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں چار چار سو جمع ہو جاتے ہیں، بحمداللہ تعالیٰ حضرت جد امجد قدس سرہ العزیز کے وقت سے ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۸ء تک اس دروازے سے فتوے جاری ہوئے۔ اکانوے برس، اور خود اس فقیر غفرلہ کے قلم سے فتوے نکلتے ہوئے بعونہ تعالیٰ اکاون[۵۱]

برس ہونے کو آئے، اس صفر کی ۱۴ تاریخ کو پچاس برس چھ مہینے گذرے اس نوکم سو برس میں کتنے ہزار فتوے لکھے گئے ۱۲ مجلدات تو صرف اس فقیر کے فتاویٰ کے ہیں بحمدہ اللہ تعالیٰ یہاں کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا نہ لیا جائے گا۔ بعونہٖ تعالیٰ ولہ الحمد، معلوم نہیں کون لوگ ایسے پست فطرت، دنی ہمت ہیں جنہوں نے یہ صیغہ کسب کا اختیار کر رکھا ہے جس کے باعث دور دور کے ناواقف مسلمان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی ؟

بھائیو ! ما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علیٰ رب العالمین، (میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو سارے جہان کے پروردگار پر ہے۔") (۲۱)

فتاویٰ کی کثرت کا ذکر کرتے ہوئے ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"فقیر کے یہاں علاوہ دیگر مشاغل کثیرہ دینیہ کے کار فتویٰ اس درجہ وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد ہے، شہر و دیگر بلاد و امصار، جملہ اقطار ہندوستان، بنگال و پنجاب، ملی بار، برہما، ارکان، چین، غزنی، امریکہ و افریقہ، حتیٰ کہ سرکار حرمین محترمین سے استفتاء آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جاتے ہیں۔" (۲۲)

ان کے زمانے میں شاید ہی کوئی ایسا دارالافتاء عالم اسلام میں موجود ہو جہاں اس کثرت سے فتوے آتے ہوں (۲۳) بیک وقت چار چار پانچ پانچ سو فتووں کا جمع

ہو جانا، دس آدمیوں کے کام سے زائد کام کا انبار لگ جانا امصار ہند و اقطار عالم کا فاضل بریلوی سے رجوع کرنا کئی حقیقتوں کی نقاب کشائی کرتا ہے ـــــ مثلاً
پہلی بات تو یہ کہ ان کی علمی شہرت اور دینی بصیرت کا غلغلہ اطراف عالم میں تھا۔

(۲) علمی تحقیقی فضا میں ان کی جامعیت مسلم تھی اور وہ عالم اسلام ہی نہیں عالم دین و دانش کی نمائندگی کر رہے تھے۔

(۳) دس آدمیوں سے زائد کا کام وہ تنہا انجام دیتے تھے۔

(۴) چوں کہ ان کے یہاں اس وسیع خدمت پر کوئی فیس نہیں تھی اس لئے وہ دین کے سچے خادم اور دانش کے بے لاگ محسن تھے۔

(۵) دنیائے فکر و نظر کو آپ کے فتووں اور فیصلوں پر اعتماد تھا جبھی تو ادھر کا رخ کرتے تھے۔

(۶) دار الافتاء میں بیک وقت چار چار پانچ پانچ سو فتاوے جمع ہو جایا کرتے تھے، یہ شان "بین الاقوامی دار الافتاء" ہی کی ہو سکتی ہے۔ اس خدمت و جامعیت کی سطح سے امام احمد رضا کی سیرت و حیات کا ان کے معاصرین کی سیرت و حیات سے موازنہ کر لیجئے آپ بھی یہی کہیں گے کہ "احمد رضا" کا پلہ گراں ہے ـــــ جو سوچے تو حدیث و قرآن کے رموز و اسرار سوچے، جو بولے تو مسئلہ کی بات بن جائے، لکھے تو شریعت کی کتاب بن جائے، فیصلہ صادر کرے تو عدالت کا قانون ہو جائے، جلوت و خلوت سے سنت رسول کی خوشبو آئے، مجلس میں بیٹھ جائے تو علوم مصطفےٰ کے انوار برسائے، قول و فعل، گفتار و کردار دیکھئے تو سیرت رسول کی تصویر نظر آئے، جس کے ہاتھ میں قلم، نظر کے نشانے پر کاغذ اور دماغ مسائل کی گتھی سلجھانے میں لگا ہو، زبان نغمۂ عشق

الاپ رہی ہو اور دل جھوم رہا ہو جس کے کاشانے کا دروازہ ہر وقت آنے والوں کیلئے کھلا رہتا ہو اور جو ہر وقت خدمت قوم و ملت کیلئے تیار رہتا ہو اس کی سیرت کی انفرادیت اور شخصیت کی گہرائی کو کوئی جانچے تو کیسے جانچے ــــــ سوال ہوا نہیں کہ جواب کے بادل برسنے لگے، عقدہ کشائی ہونے لگی، دلائل جھڑنے لگے، مسائل ابھرنے لگے، آپ کے خلف اصغر حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا قادری یوں گوہر فشاں ہیں، ــــــ "شریعت و طریقت کے وہ باریک مسائل جن میں

مدتوں غور و خوض کامل کے بعد بھی ہماری کیا مجال بڑے بڑے سر پٹک کر رہ جائیں فکر کرتے کرتے تھکیں اور ہرگز نہ سمجھیں اور صاف انالاادری کا دم بھریں وہ یہاں ایک فقرے میں ایسے صاف فرما دیئے جائیں کہ ہر شخص سمجھ لے گویا اشکال ہی نہ تھا۔" (۲۴)

اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ رب کی قدرت کا ایک کرشمہ اور حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا ایک نمونہ تھے ــــــ قوم کی امانت اور وقت کی اہم ضرورت تھے ــــــ تاریخ کا صرف ایک ورق الٹیے، تو انیسویں صدی کا ہندوستان، طوائف الملوکی، افراتفری، قتل و خون اور غارتگری کا طلسم خانہ نظر آتا ہے، سیاست سے لے کر مذہب تک ہر سطح پر بیقراری اور اتھل پتھل مچی ہوئی تھی، فتنے بنائے بھی جاتے تھے اور مختلف تہذیب و معاشرت کے بطن سے جنم بھی لیتے تھے تحریک موالات، تحریک خلافت، تحریک آزادی، تحریک شدھی سنگھٹن، تحریک انڈین نیشنل کانگریس، غرض کہ قلبی سکون، اور ملکی اطمینان پر برق پاشی کے لئے یہی سب قیامتیں کیا کم تھیں کہ ایک اور مسئلے نے سر اٹھایا "ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب"، بھاری بھرکم

شخصیتیں بھی وقت کی بناضی کیا کرتیں کہ وقت کے دھالے میں بہہ گئیں۔ مضبوط و توانا قلم بھی اس چبھتے ہوئے مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے سے قاصر ہے، یا اگر پہنچے بھی تو زبان نے دل کی ترجمانی نہیں کی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ بن گیا، کسی نے کہا دار الاسلام ہے، کسی نے کہا دار الحرب ہے، کسی نے کہا بعض اعتبار سے دار الحرب ہے اور بعض اعتبار سے دار الاسلام، مثلاً مولانا قاسم نانوتوی کا خیال تھا،۔

> "ہندوستان کے دار الحرب ہونے میں شبہ ہے جیسا کہ منقولہ روایات سے آپ کو معلوم ہو گیا، اگرچہ اس ناچیز کے نزدیک راجح یہی ہے کہ ہندوستان دار الحرب ہے"۔ (۲۵)

مولوی محمود الحسن دہلوی کا نظریہ سمجھنے کے لئے مولوی محمود الحسن اور مسٹر برن کی گفتگو مولوی محمد حسین کی زبانی سنئے :۔

> "البتہ نئی بات اس نے دریافت کی اس نے کہا کہ ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام ؟ مولانا ...... نے فرمایا کہ علمائے نے اس میں آپس میں اختلاف کیا ہے، اس نے کہا آپ کی کیا رائے ہے ؟ مولانا نے فرمایا میرے نزدیک دونوں صحیح کہتے ہیں۔ اس نے تعجب سے کہا کہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے ؟ مولانا نے فرمایا کہ دار الحرب دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور حقیقت میں یہ دونوں اس کے درجات ہیں جن کے احکام جدا جدا ہیں، ایک معنیٰ کی حیثیت سے اس کو دار الحرب کہہ سکتے ہیں اور دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے نہیں کہہ سکتے۔" (۲۶)

مولوی نذیر حسین دہلوی کی رائے کیا تھی، ان کی سوانح عمری الحیات بعد الممات میں لکھا ہے کہ ـــــ "ہندوستان کو ہمیشہ میاں صاحب دار الامان فرماتے تھے دار الحرب کبھی نہ کہا۔" (۲۷)

مندرجہ بالا تینوں اقتباسات اپنے اپنے حلقے کی اہم شخصیات کے خیالات ہیں اور تینوں متضاد، عجب گومگو کی کیفیت ہے اس سے نہ مسئلہ کی حقیقت واضح ہوتی ہے اور نہ کوئی فیصلہ کن نتیجہ ہی برآمد ہوتا ہے، اسی مسئلہ سے متعلق فاضل بریلوی کا حقیقت پسندانہ، دوٹوک نظریہ جاننے کے لئے اسی مسئلہ پر ان کی فکر انگیز تصنیف اعلام الاعلام بان ھندوستان دار الاسلام، مسئلہ کی وضاحت ہی نہیں ہر گوشے سے قاری کو مطمئن کرتی ہے، یہاں اجمال نہیں ہر جزئیہ پر سیر حاصل بحث ہے۔ ہم صرف ایک اقتباس پر اکتفار کرتے ہیں، بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ـــــ الحاصل ہندوستان کے دار الاسلام ہونے میں شک نہیں، عجب ان سے جو تحلیل ربوٰ کیلئے جس کی حرمت نصوص قطعیہ قرآنیہ سے ثابت ہے، کیسی کیسی وعیدیں اس پر وارد ہیں اس ملک کو دار الحرب ٹھہرائیں اور باوجود قدرت واستطاعت ہجرت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ (۲۸)

ـــــ ہندوستان کو دار الحرب قرار دینے سے یہ بہت بڑی دشواری ہے کہ مسلمانوں کو اس جگہ شعائر اسلام کے اظہار پر پابندی قبول کرنا ہوگی اور بہت سے احکام شرعیہ کو مرفوع ماننا پڑے گا اور شرعی طور پر قیام ناجائز ہوگا، کیوں کہ دار الحرب سے ہجرت کرنا

ضروری اور قیام ناجائز ہے۔ (۲۹) البتہ سود کھانا جائز ہوجائیگا۔
فاضل بریلوی کے منصفانہ فیصلہ پر مولانا کوثر نیازی کا تبصرہ سنئے جو بڑا ہی حقیقت پسندانہ اور بصیرت افروز ہے، آپ لکھتے ہیں:۔

"عبرت ہے کہ جو لوگ انگریز کے زمانے میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے پر مصر تھے آج ہندو راج میں اسے دار الحرب قرار دینے کا لفظ منہ سے نہیں نکالتے، مطلب واضح ہے، انگریز کے سامنے ہندو پس پردہ ان فتووں کی تار ہلا رہے تھے جن میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جارہا تھا تاکہ مسلمان انگریز کے خلاف تلوار اٹھائیں، مرکھپ جائیں اور جو باقی بچیں وہ ہجرت کر کے اس سرزمین ہی کو چھوڑ جائیں، آج ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جائے تو ہندو سیکولرزم کا طلسم پاش پاش ہوتا ہے، مسلمان جہاد کے نام پر برسرپیکار رہوں یا ہجرت کریں، سیکولرزم کے غبارے سے ہوا نکل جاتی ہے۔ اس لئے آج! ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے والے مفتیان کرام کے وارث مہر بلب ہیں اور اس طرح اپنے عمل سے امام احمد رضا کے فتویٰ کی تائید کر رہے ہیں (۳۰)

امام احمد رضا ایک ایسے دیدہ ور تھے جو حالات کی دکھتی رگ نگاہ اولین ہی میں پہچان لیتے تھے، چوں کہ حکومت اور عملی سیاست کی گرد سے دامن پاک تھا اس لئے جو لکھا برجستہ لکھا نہ حکومت کی پرواہ کی، نہ سیاسی طوفان کی، بلکہ بڑے سے بڑے طوفان کا رخ قلم کی طاقت سے موڑ دینے کا وہ حوصلہ رکھتے تھے اور قلمی جہاد کے لئے ہمیشہ آمادہ، ان کے

قلم کا ہر وار مذہب کے افتخار کے لئے ہوتا تھا، جو کہتے وہی لکھتے، جو بولتے وہی دل میں بھی ہوتا، ان کی زبان ان کے دل کا ترجمان تھی اور ان کا دل شریعت حقّہ کا پاسبان، اسی لئے ان کے افکار میں صداقت کا عنصر غالب ہے، ان کے نظریات میں حقیقت کی جھلک نمایاں ہے انہوں نے جو کچھ کہا ہے کامل غور و خوض کے بعد کہا ہے اسی لئے ان کی باتوں میں غیر معمولی وزن ہے، ــــ آہستہ آہستہ غیر ارادی طور پر لوگ ان کے افکار کے قریب آرہے ہیں، ان کے فیصلہ کی تائید کر رہے ہیں یہ ان کے "عظیم" ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔

امام احمد رضا جس طرح درون خانہ مذہب پر اٹھنے والی ہر ٹیڑھی، ترچھی نظر پر نظر رکھتے تھے اور اس کے لئے تریاق فراہم کرتے، یونہی بیرون خانہ سے بھی اٹھنے والی مذہب دشمن ہر آندھی کا وہ تعاقب فرماتے اور اس کے مقابلہ میں سدِّ سکندری بن جاتے،

نہ صرف دینی علوم بلکہ عصری علوم و فنون کی تمام شاخوں پر بھی وہ ید طولیٰ رکھتے تھے اور نکتہ آفرینی میں ایسا ملکہ کہ آپ کی عقابی نظر جب مغربی باطل نظریات کے خرمن پر برقِ خاطف بن کر گرتی تو مزعومات کے نشیمن کی تیلیاں بکھر جاتیں، مظنونات کے گھروندے تارِ عنکبوت کی طرح پاش پاش ہو جاتے اور مصنوعی خیالات کے قصور و محلات کی نیویں ہل جاتیں ــــ اور یہ حقیقت کوئی ڈھکی چھپی نہیں تھی بلکہ پس پردہ لوگوں کو اعتراف تھا (قول سے نہ سہی تو خاموش عمل ہی سے سہی) اور بوڑھے آسمان کی نگاہوں نے، جھلملاتے چاند تاروں نے بارہا دیکھا کہ جب بھی ایسا کوئی موقع آیا تو فولادی ارادوں، آہنی دفاعی قوتوں کے ساتھ آپ سب سے آگے نظر آئے، دوسرے لوگ یا تو راہ تکتے رہے یا اس وقت پہنچے جب آپ فاتحانہ مسکراہٹوں کے ساتھ واپس آرہے تھے، بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں صرف آپ ہیں دوسرا کوئی نہیں ــــ

ایک مرتبہ امریکن مشہور ہیأۃ داں پروفیسر البرٹ الیف پورٹا نے ایک پیش گوئی کی کہ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو آفتاب کے سامنے بیک وقت کئی سیاروں کے جمع ہونے سے جذب و کشش کے نتیجے میں ممالک متحدہ میں زبردست تباہی مچے گی اور ایک قیامت صغریٰ برپا ہوگی، یہ خبر اخبار ایکسپریس بانکی پور پٹنہ میں شائع ہوئی ــــ اعلیٰحضرت کے پاس باہر سے خطوط آئے شہر میں لوگوں نے آآکر اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کو اس طرف توجہ دلائی، ملک العلماء مولانا ظفر الدین نے اخبار کا تراشہ حاضر کیا، اور اس پیش گوئی پر اظہار خیال کی درخواست کی، ــــــــــــ

ــــ فاضل بریلوی نے اس پیش گوئی کو لغو قرار دیا اور اس کے رد میں ایک علمی مقالہ "معین مبین" لکھا، پیش گوئی ۱۷ دسمبر سے متعلق تھی، فاضل بریلوی نے ۱۷ ہی دلائل سے اس کا رد کیا، بقیہ ماہر رضویات کی زبانی ــــ " اکتوبر ۱۹۱۹ء کو یہ پیش گوئی منظر عام پر آئی جو ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو واقع ہونی تھی جب وہ دن آیا دنیا کے ہیأۃ داں صبح سے شام تک دوربینیں لئے دیکھتے رہے۔ (بحوالہ نیویارک ٹائمز، نیویارک، شمارہ ۱۶، ۱۸، ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء) مگر وہ قیامت نہ آنی تھی نہ آئی، مغربی دنیا پر محدّث بریلوی کی یہ پہلی کامیابی تھی "، (۳۱)

۲ ــــ پروفیسر حاکم علی جو لاہور کالج میں سائنس کے پروفیسر تھے، سائنس کے بعض مسائل میں جب الجھن پیدا ہوئی، اور انہیں معلوم ہوا کہ مولانا احمد رضا سائنسی علوم میں مہارت رکھتے ہیں، تو چھٹی لے کر بریلی شریف آئے، ایک مہینہ قیام کیا، ہر روز کسی نہ کسی سائنسی مسئلہ پر وہ فاضل بریلوی سے تبادلہ خیال کرتے، نتیجہ، فاضل بریلوی کے شاگرد و خلیفہ حضرت مولانا حسنین رضا کے الفاظ میں

_____ "واپسی کے وقت اپنے اس سفر کی کامیابی پر بہت خوش تھے"۔ (۳۲)

۳_____ یورپ کے مشہور سائنس داں آئزک نیوٹن نے "حرکت زمین" پر ایک کتاب لکھی جو اسلامی عقیدہ "سکونِ زمین" کے خلاف تھی وہ ہندوستان کے کالجوں میں پڑھائی گئی، اعلیٰحضرت قبلہ کے پاس باہر سے خطوط آئے اور لوگوں نے خود بھی آآکر زبانی عرض کیا کہ اسے پڑھ کر مسلمان لڑکوں کے خیالات بگڑ رہے ہیں آپ توجّہ فرمائیں، آپ نے اس کے رد میں دو کتابیں لکھیں ایک کا تاریخی نام "فوزِ مبین در ردِّ حرکتِ زمین" رکھا، سائنس دانوں کے افکار وخیالات کا محاسبہ کیا اور ایک سو پانچ ۱۰۵ دلائل سے نظریہ حرکت زمین کو باطل قرار دیا_____ پروفیسر مسعود احمد مظہری نے یوں تجزیہ کیا ہے۔

_____ "ان تمام دلائل میں ۹۰ دلائل فاضل بریلوی کی طبعزاد ہیں۔" (۳۳)

علی الترتیب پیش کردہ تینوں واقعات، سائنسی علوم میں فاضل بریلوی کی دقت نظری اور وسعت فکری کے علمبردار ہیں اور ساتھ ہی اس بات کے گواہ بھی کہ وہ علوم جدیدہ پر مکمل گرفت کے ساتھ محاکمہ کی بھرپور صلاحیتوں سے بھی آراستہ تھے_____ اور جب ضرورت پڑی تو دلائل سے قدیم نظریات کی بیخ کنی کی اور اپنے نظریئے کی حمایت میں شواہد کے انبار لگا دیئے_____ اور اس خصوص میں بھی وہ اپنے معاصرین پر سبقت لے گئے۔

_____ پروفیسر البرٹ ایف پورٹا کی ہلاکت آفریں پیش گوئی سامنے آئے تو جواب کے لئے احمد رضا، آئزک نیوٹن کے نظریہ حرکت زمین سے عالمی تناظر میں بے چینی پیدا ہو تو جواب کے لئے احمد رضا، کوئی سائنس داں سائنس کے کسی مسئلہ میں الجھے تو گتھی سلجھانے کے لئے احمد رضا۔ سچ پوچھئے تو ۱۹ ویں صدی کے بین الاقوامی منظر نامے میں امام احمد رضا کی تصویر ہر زاویئے سے نمایاں معلوم ہوتی ہے۔

۴۔۔۔۔۔۔علم ریاضی سے متعلق ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کا واقعہ تواب بڑا مشہور چلا ہے، تاہم بات چوں کہ اپنے ملک کی ہے، واقعہ ایک عظیم یونیورسٹی کے دامن سے وابستہ ہے۔ مسئلہ سائنس کی ایک مضبوط شاخ کا ہے، سائل وہ ہے جس نے یورپ کی یونیورسیٹوں میں اپنی عمر کے ماہ وسال بتائے ہیں اور طرہ یہ کہ مجیب وہ ہے جس نے کسی یونیورسیٹی کا دروازہ نہیں دیکھا، اس لئے اس بحث کو ہم ذرا تفصیل سے چھیڑیں گے۔

سوانحیات رضا کے تین اولین ماخذ، حیات اعلحضرت، اکرام امام احمد رضا، اور سیرت اعلحضرت مع کرامات میں چار مستند راویوں سے یہ روایت منقول ہے، جن میں دو عینی شاہدین ہیں اور دو سماعی، عینی شاہدوں میں مولانا سید ایوب علی رضوی بریلوی، اور حضرت مولانا برہان الحق جبلپوری ہیں، اور سماعی راویوں میں حضرت مولانا حسنین رضا بریلوی اور مولوی محمد حسین میرٹھی، موجد طلسمی پریس ہیں، آخر الذکر نے اپنی روایت کی تصدیق ڈاکٹر سر ضیاء الدین سے کر لی تھی جب ایک موقع پر ڈاکٹر صاحب موصوف سے شملہ میں ملاقات ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔ غرضکہ روایت دو ہی ہے مگر روایت نگار چار۔۔۔۔۔۔

بعد میں جس قلم کار نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے اس نے انہیں ماخذ سے استفادہ کیا ہے، ہم صرف دونوں عینی شہادتوں سے بحث کریں گے اور اس سے اخذ نتائج کی کوشش!

ڈاکٹر سر ضیاء الدین کا اولین تعارف اعلحضرت امام احمد رضا سے کیسے ہوا؟ وہ کون سے اسباب ومحرکات تھے جن سے دو اجنبی دانشور ایک دوسرے کے قریب ہوئے؟ تفصیلات کے ساتھ ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری، شاگرد وخلیفہ حضرت

رضا بریلوی ۔

"میرے قیام بریلی شریف یعنی ۱۳۲۹ھ کے قبل ایک مرتبہ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب علم المربعات کا ایک سوال اخبار "دبدبۂ سکندری" رامپور میں شائع کیا کہ کوئی ریاضی داں صاحب اس کا جواب دیں، .... اعلحضرت نے جب اس سوال کو ملاحظہ فرمایا تو اس کا جواب تحریر فرمایا۔ اور ساتھ ہی اس فن کا ایک سوال جواب کے لئے تحریر فرمایا اور مجھے حکم ہوا کہ اس کی ایک نقل رکھ لی جائے .... جب وہ جواب اور پھر سوال اخبار میں چھپا اور ڈاکٹر صاحب موصوف کی نظر سے گذرا تو ان کو حیرت ہوئی کہ ایک عالم دین بھی اس علم کو جانتا ہے؟ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اس کا جواب اخبار "دبدبۂ سکندری" میں چھپوایا .... اعلحضرت نے اس کی تغلیط کی۔ متحیر تو ڈاکٹر صاحب پہلے ہی سے تھے اب ان کو سخت تعجب ہوا کہ ایک عالم دین صرف جانتا ہی نہیں بلکہ اس میں کمال رکھتا ہے! یہ دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کو اعلحضرت سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا اور علی گڈھ میں اپنے احباب کے حلقے میں اس کا تذکرہ کیا، لوگوں نے منع کیا کہ ہرگز مت جائیے وہ بہت سخت مولوی ہیں اور آپ ہیں علی گڈھی داڑھی منڈے لیکن انہوں نے اپنا ارادہ نہ بدلا اور جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری (کہ بڑے زبردست سنّی، اعلحضرت کے ہم خیال ...... اس زمانہ میں وہاں پروفیسر دینیات تھے) سے مشورہ

کیا...... انہوں نے بہت زور دیا اور کہا ضرور جائیے......
آپ ان سے مل کر بہت خوش ہوں گے..... اور ایک خط احتیاطاً
حضرت صاجزادۂ اکبر مولانا حامد رضا کے نام لکھ دیا کہ ——— "ڈاکٹر
سر ضیاء الدین صاحب ایک مسئلہ ریاضی کے سلسلے میں اعلحضرت کی
خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں ان کی حسب شان خاطر داری ہونی
چاہئے...... اس کے بعد ۱۳۲۹ھ میں...... میں شملہ چلا
گیا..... ڈاکٹر صاحب کب گئے اور کیا کیا باتیں ہوئیں اس کے
متعلق جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان قابل اعتبار ہے۔" (۳۴)

حضرت ملک العلماء مولانا ظفر الدین علیہ الرحمہ کے اس تعارفی نوٹ کے تجزیہ سے
کئی باتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں جن میں سے اہم چند نکات یہ ہیں۔

(۱) ڈاکٹر سر ضیاء الدین اور اعلحضرت امام احمد رضا کا تعارف ۱۳۲۹ھ کے قبل اخبار دبدبۂ سکندری کے ذریعہ ہوا۔

(۲) یہ پہلا اتفاق تھا کہ اخباری وساطت سے اعلحضرت نے ان کی عقدہ کشائی فرمائی،

(۳) علم ریاضی میں تبحر دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کے دل میں امام احمد رضا سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا اور یہ اشتیاق دو آتشہ اس وقت ہو گیا جب ڈاکٹر صاحب کسی مسئلہ ریاضی میں الجھے۔

(۴) مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے مولانا حامد رضا خاں کے نام خط لکھا جسمیں حسب شان خاطر داری کی گذارش کی،

(۵) بعد کے واقعات کے لئے ملک العلماء کے نزدیک مولانا سید ایوب علی صاحب کا

بیان قابل اعتبار ہے اور مولانا سیّد ایوب علی صاحب کے بیان کے مطابق ڈاکٹر صاحب بریلی شریف تشریف لائے، نواب ضمیر احمد صاحب کے بنگلہ پر قیام ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے نواب صاحب کے بنگلہ سے اطلاع دی کہ میں پانچ بجے حاضر خدمت ہوں گا چنانچہ وقت مقررہ پر وہ تشریف لائے، پھر کیا ہوا سیّد ایوب علی صاحب بیان فرماتے ہیں "ہم دونوں (سیّد ایوب علی اور سیّد قناعت علی)

اس وقت موجود تھے ڈاکٹر صاحب کو اندر بلالیا گیا ...... نماز عصر ہونے والی تھی ڈاکٹر صاحب نے بھی وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا مگر نماز پڑھنے کے وقت موزے اتار ڈالے۔ لہٰذا اعلیٰحضرت نے ان سے پھر پیروں کو دھلوایا، بعد نماز کچھ باہمی گفتگو رہی، حضور نے اپنا ایک قلمی رسالہ جس میں اکثر اشکال مثلث اور دوائر کے بنے تھے ڈاکٹر صاحب کو دکھایا ہم لوگوں نے دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب نہایت حیرت و استعجاب سے اسے دیکھ رہے تھے اور بالآخر فرمایا میں نے اس علم کے حاصل کرنے میں غیر ممالک کے اکثر سفر کیے مگر یہ باتیں کہیں بھی حاصل نہ ہوئیں میں تو اپنے آپ کو بالکل طفل مکتب سمجھ رہا ہوں۔ مولانا یہ تو فرمائیے آپ کا اس فن میں استاد کون ہے، حضور نے ارشاد فرمایا میرا کوئی استاد نہیں ہے میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ سے صرف چار قاعدے جمع، تفریق، ضرب، تقسیم محض اس لئے سیکھے تھے کہ ترکہ کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے ...... چنانچہ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں مکان کی چار دیواری کے اندر بیٹھا خود ہی کرتا رہتا ہوں، یہ سب سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم ہے ...... پھر ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا کہ حضور کیا سبب ہے کہ آفتاب حقیقتہً طلوع نہیں ہوا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طلوع ہو گیا، اس کا جواب علمی اصطلاحات میں حضور نے دیا جسے فقیر بیان

کرنے سے قاصر ہے (۳۵)، ہاں جو مثال بیان فرمائی وہ یہ تھی کہ کسی بند کمرے میں
جھرونکوں سے اگر روشنی پہنچتی ہو تو باہر کے چلنے پھرنے والوں کو سایہ الٹا نظر آتا ہے یعنی
سر نیچے پاؤں اوپر، اس کے علاوہ اور مشاہدہ کیجیے، حاجی کفایت اللہ صاحب سے
فرمایا حاجی صاحب ایک طشت میں تھوڑا سا پانی ڈال کر ایک روپیہ اس میں ڈال دو
انہوں نے فوراً تعمیل کی، اب حضور نے ڈاکٹر صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا آپ
کھڑے ہو کر دیکھئے کہ برتن میں روپیہ نظر آرہا ہے یا نہیں۔ انہوں نے کچھ فاصلے سے دیکھ
کر عرض کیا یاں نظر آرہا ہے، فرمایا ذرا اور پیچھے ہٹ آئیے وہ کچھ پیچھے ہٹ آئے اور
فرمایا اب دکھائی نہیں دیتا ہے۔ حضور نے حاجی صاحب کو اشارہ کیا انہوں نے تھوڑا
سا پانی برتن میں ڈال دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا اب نظر آنے لگا، فرمایا اور دو قدم پیچھے
کو آجائیے پھر روپیہ نظر سے غائب تھا، حاجی صاحب نے اور پانی ڈالا، روپیہ پھر نمایاں تھا
بعدہٗ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا افسوس یہ ہے کہ میں عربی سے ناواقف ہوں اور آپ انگریزی
سے، کیا اچھا ہوتا کہ عربی کتب کا ترجمہ اردو میں ہو جاتا پھر میں انگریزی کر کے شائع کر دیتا،
اور فرمایا میرے یہاں کالج کی لائبریری میں ایک کتاب عربی میں ہے، جس کا وجود دنیا
میں معدودے چند نسخوں پر ہے، ...... میں چاہتا ہوں کہ اس کا ترجمہ ہو جاتا،
لہٰذا اگر حضور فرمائیں تو میں ایک مولوی صاحب کو وہ کتاب دے کر خدمت والا میں بھیج
دوں، تاکہ وہ حضور سے آکر سمجھ لیں پھر ان سے میں سمجھ لوں گا، حضور نے فرمایا بہتر ہے، اس
کے بعد ڈاکٹر صاحب تشریف لے گئے، حضور نے کچھ مٹھائی تازہ موٹر میں رکھوا دی، یہ چند روز
کے بعد ڈاکٹر صاحب کے فرستادہ مولوی صاحب وہ کتاب لے کر آئے اور حضور سے پڑھنا
شروع کیا، ہماری آنکھیں شاہد ہیں کہ حضور اس کمیاب بلکہ نایاب کتاب کو بغیر دیکھے بے تکلف

مولوی صاحب کو اس طرح سمجھاتے جیسے کہ حضور نے اس کو بار ہا پڑھا ہے۔" (۳۶)

ڈاکٹر صاحب کے آنے، استفادہ کرنے، اور مطمئن لوٹنے پر فاضل بریلوی نے اپنا تاثر یوں بیان فرمایا —— " ڈاکٹر صاحب کے آنے سے پہلے ایک قسم کا خیال آتا تھا، کہ انہوں نے اس علم کے حصول میں اپنی زندگی صرف کر دی ہے نہ معلوم کیا کیا سوالات کریں گے بخلاف اس کے یہاں تو صدہا مصروفیتیں ہیں، خدا جانے میں جواب بھی دے سکوں گا یا نہیں، مگر بحمد اللہ پروردگار عالم نے ان کی پوری تشفی کرادی اور وہ بہت مسرور گئے۔" (۳۷)

اس روایت کی جو چند خاص باتیں ہیں یہ ہیں۔

(۱) ڈاکٹر صاحب کی اعلیٰحضرت سے ملاقات کے وقت سید ایوب علی، سید قناعت علی، اور حاجی کفایت علی بھی موجود تھے۔

(۲) اعلیٰحضرت کی ریاضی دانی دیکھ کر ڈاکٹر صاحب اپنے آپ کو طفل مکتب سمجھنے لگے۔

(۳) اس فن میں اعلیٰحضرت کا کوئی استاد نہیں یہ محض سرکار رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان تھا۔

(۴) دونوں دانشوروں کے بیچ خالص علمی اصطلاح میں خیالات کا لین دین ہوا جس کو حاضرین سمجھنے سے قاصر رہے۔

(۵) ڈاکٹر صاحب نے فن ریاضی میں کسی عربی کتاب کا جو کالج کی لائبریری میں تھی پتہ دیا اور اسے سمجھ کر انگریزی کرنے کی تجویز پیش کی جسے اعلیٰحضرت نے منظور فرمالی۔

(۶) فرستادہ مولوی صاحب آئے اور چند روز رہ کر انہوں نے اعلیٰحضرت سے اس کتاب کو سمجھا۔

(۷) دونوں دانشوروں کی یہ پہلی بالمشافہ ملاقات تھی۔

(۸) پروفیسر سلیمان اشرف صاحب نے صرف رہنمائی کی، خط لکھ دیا اور ڈاکٹر صاحب تنہا ہی تشریف لائے۔

(۹) ڈاکٹر صاحب بہت مطمئن لوٹے اور ان کے مطمئن لوٹنے پر فاضل بریلوی بھی بہت مسرور تھے۔

ڈاکٹر صاحب کی بریلی تشریف آمد، ملاقات اور استفادہ کے دوسرے چشم دید گواہ حضرت مولانا برہان الحق جبلپوری ہیں، آپ کی روایت اور سیّد ایوب علی صاحب کی روایت میں مابہ الافتراق جو چیزیں ہیں جن سے ان دونوں روایتوں کا دو الگ وقتوں میں واقع ہونا آشکار ہوتا ہے، ہم بعد میں بیان کریں گے، پہلے روایت!

۵ ——— "ایک دن دار الافتاء میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ ایک شکرم (ایک قسم کی چار پہیوں کی گاڑی) پھاٹک کے سامنے رکی، ایک مولوی صاحب اور ایک صاحب کوٹ پتلون پہنے، ننگے سر اتر کر ہماری طرف آئے ان کے ساتھ جو مولوی صاحب تھے وہ مولانا سیّد سلیمان اشرف صاحب تھے، پھاٹک کے اندر آئے، اور مجھ سے مولانا سیّد سلیمان اشرف صاحب نے دریافت فرمایا حضرت کہاں ہیں؟ میں نے کہا تشریف رکھیئے، خبر بھیجتا ہوں دونوں بیٹھ گئے اور ایک کارڈ نکال کر دونوں کے نام لکھ کر مجھے دیا، میں نے کارڈ اندر پہنچا دیا، اندر سے لڑکا آیا کہ حضرت بلا رہے ہیں، جب دونوں اندر جانے لگے میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا، مولانا سیّد سلیمان اشرف صاحب نے ڈاکٹر ضیاء الدین سے کہا کہ حضرت کے پاس چل رہے ہو اور ننگے سر؟ ان دنوں مَیں ترکی ٹوپی لگاتا تھا ڈاکٹر صاحب نے میری ٹوپی میرے سر سے اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی، مَیں نے اپنے سر پر رومال لپیٹ لیا اور اندر حضرت کی خدمت میں پہنچے، حضرت کچھ تحریر فرما رہے تھے، فرمایا تشریف لائیے .....

حضرت نے خیریت پرسی فرمائی، ڈاکٹر صاحب نے جیب سے نوٹ بک نکالی اور ایک سادہ کاغذ پر ریاضی کی ایک شکل انگریزی حروف لگا کر بنائی اور پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ اس شکل کے حل کے سلسلے میں مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے آپ سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا اس لیے میں نے آپ کو تکلیف دی، اور حضرت کو کاغذ دیا، حضرت نے کاغذ دیکھ کر فرمایا، انگریزی حروف میں کیا سمجھوں؟ ڈاکٹر صاحب نے دوسرے سادہ کاغذ پر وہ اشکال ابجد حروف لگا کر پیش کی اور پنسل کا اشارہ کرتے ہوئے حضرت سے کچھ عرض کیا، حضرت نے بھی جواب میں کچھ فرمایا، چند منٹ کی گفتگو ہی کے بعد ڈاکٹر صاحب حیرت زدہ حضرت کی طرف دیکھ رہے تھے، ادھر حضرت پیش کردہ اشکال پر غور فرما کر ایک سادے کاغذ پر خود کچھ شکلیں بناتے، کاٹتے، سدھارتے رہے، اور ادھر ڈاکٹر صاحب کی نظر حضرت کی قلم پر جمی رہی، ۵ منٹ کے بعد ایک صاف کاغذ پر اشکال کو حل فرما کر ڈاکٹر صاحب کو دے دیا گیا، ڈاکٹر صاحب نے دوسرے کاغذ پر اعلیٰ حضرت کی حل کردہ اشکال کو اپنے طور پر انگریزی نشانات لگا کر نقل کیا اور خوب غور کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت کے دست اقدس کو بوسہ دے کر عرض کیا ——— "حضور نے یہ مسئلہ کتنی آسانی سے ۵ منٹ میں حل فرما دیا جسے میں ہفتوں غور کے بعد بھی حل نہ کر سکا اور اس کے حل کے لیے جرمنی یا انگلینڈ جانے والا تھا کہ مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے میری صحیح رہنمائی فرمائی، مولانا کا بہت ممنون ہوں، اللہ تعالیٰ آپ جیسے بزرگوں اور علماء کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔" ——— ڈاکٹر صاحب کچھ دیر بیٹھے پھر اجازت لے کر رخصت ہوئے، کاغذات لپیٹ کر پتلون کی جیب میں رکھے، میں بھی ساتھ چلا صحن پار کرنے کے بعد میری ٹوپی واپس کرتے ہوئے بولے "میاں! بڑے خوش نصیب ہو، خوب خدمت کرو اور جتنا بھی فیض حاصل کر سکو

کر لو، باہر آکر پھاٹک میں کرسی پر بیٹھ کر ڈاکٹر صاحب نے مولانا سید سلیمان اشرف سے کہا ـــــ "یار! اتنا زبردست محقق عالم اس وقت شاید ہی ہو۔ اللہ نے ایسا علم دیا ہے کہ عقل حیران ہے، دینی، مذہبی، اسلامی علوم کے ساتھ، ریاضی، اقلیدس، جبر و مقابلہ، توقیت وغیرہا میں اتنی زبردست قابلیت اور مہارت کہ میری عقل جس ریاضی، کے مسئلے کو ہفتوں غور و فکر کے بعد بھی حل نہ کر سکی، حضرت نے چند منٹ میں حل کر کے رکھ دیا، صحیح معنٰی میں یہ ہستی "نوبل پرائز" کی مستحق ہے مگر گوشہ نشینی، ریا اور نام و نمود سے پاک، شہرت کی طلب نہیں، اللہ تعالیٰ ان کا سایہ قائم رکھے، اور ان کا فیض عام ہو، مولانا میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے میری مشکل حل کر دی اور مجھے بڑی زحمت سے بچا لیا۔" ـــــ میں نے کہا ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ، ڈاکٹر سر ضیاء الدین اور مولانا سید سلیمان اشرف مجھ سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گئے۔" (۳۸)

اس روایت کے جو قابل توجہ اجزاء ہیں یہ ہیں۔

(۱) ڈاکٹر صاحب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب کے ساتھ تشریف لائے۔

(۲) مولانا برہان الحق کے خبر دینے پر اجازت آئی اور تینوں حضرات اندر تشریف لے گئے۔

(۳) ڈاکٹر صاحب نے انگریزی حروف لگا کر ریاضی کی ایک شکل بنائی اور پیش کرتے ہوئے

(۴) آمد پر مولانا سلیمان اشرف کا حوالہ دیا،

(۵) چند منٹ ہی کی گفتگو کے بعد ڈاکٹر صاحب حیرت زدہ رہ گئے۔

(۶) ۵ ہی منٹ میں اعلیٰ حضرت نے مسئلہ حل فرما دیا اور ڈاکٹر صاحب نے انگریزی نشانات لگا کر نقل کیا۔

(۷) فرطِ مسرت وحیرت میں ڈاکٹر صاحب نے دست بوسی کی، اپنے عجز اور اعلیٰحضرت کی قدرت کا اعتراف کرتے ہوئے سلامتی کی دعا کی اور مولانا سلیمان اشرف کا شکریہ ادا کیا۔

(۸) باہر پھاٹک میں بیٹھ کر ایک بار پھر اعلیٰ حضرت کی مہارت وقابلیت کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا کہ "یہ ہستی نوبل پرائز کی مستحق ہے"۔

(۹) آمد سے لیکر رخصت تک مولانا برہان الحق موجود رہے۔

ان دونوں روایات کے تجزیاتی مطالعے اور تقابلی جائزے سے درج ذیل مابہ الامتیاز اشارات سامنے آتے ہیں۔

(۱) پہلی بار ڈاکٹر صاحب اکیلے ہی تشریف لائے جبکہ دوسری بار مولانا سیّد سلیمان اشرف بھی ساتھ میں تھے۔

(۲) پہلی بار کی تشریف آوری کے موقع پر، سیّد ایوب علی، قناعت علی، اور حاجی کفایت علی موجود تھے، جب کہ دوسری بار کی حاضری پر صرف مولانا برہان الحق جبلپوری۔

(۳) پہلی ہی ملاقات میں ڈاکٹر صاحب کافی متاثر ہو چکے تھے جبکہ دوسری ملاقات میں "نوبل پرائز" کا حقدار بھی تسلیم کیا۔

تاہم دونوں راویوں میں سے کسی نے بھی تاریخ وسنہ کی تعین نہیں کی ہے کہ ہر دو واقعہ کب، کس تاریخ اور سنہ میں واقع ہوا۔ نیز بعض داخلی عناصر بھی قاری کی الجھن کا سبب بنتے رہے ہیں۔ مثلاً جب ڈاکٹر صاحب اعلیٰ حضرت کی علم ریاضی میں مہارت سے متاثر، قابلیت کے معترف تھے اور بالمشافہ تبادلۂ خیال بھی کر چکے تھے تو اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود بھی جب پھر کسی مسئلہ ریاضی میں الجھے تو جرمن جانے کا پروگرام

کیوں بنایا؟ اس سلسلے میں کوئی ٹھوس حقائق نہیں ملتے۔ البتہ حضرت مولانا حسنین رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ کی یہ ایک بات کسی حد تک تسکین بخشتی ہے کہ ـــــ "اعلیٰ حضرت قبلہ کی ریاضی میں جب ان تک شہرت پہنچی تو انہیں یقین نہ ہوا وہ یہی کہتے رہے کہ علماء اسلام ریاضی کیا جانیں۔ (۳۹)

رہی بات سنوں کے تعین کی تو ڈاکٹر صاحب کے اعلیٰ حضرت سے متعارف ہونے کی تفصیل ملک العلماء کے بیان کی روشنی میں گذری کہ ۱۳۲۹ھ کے قبل اخبار دبدبۂ سکندری کے ذریعہ دونوں شخصیتیں ایک دوسرے سے متعارف ہوئیں، ڈاکٹر صاحب نے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا اور کچھ لوگوں کے روکنے پر بھی نہ رکے، ڈاکٹر صاحب کے مزاج اور فطرت میں یہ بات تھی کہ جس چیز کو حاصل کرنے کا ارادہ کر لیتے تا دم تحصیل انہیں چین نہیں آتا تھا چنانچہ جناب مبارک شاہ تحریر فرماتے ہیں ـــــ "ان کی قوت ارادی حد کمال کو پہونچی ہوئی تھی جس بات کا ارادہ کر لیتے اسے پورا کر کے ہی چھوڑتے۔ (۴۰)

جس شخص کی قوت ارادی حد کمال کو پہونچی ہوئی ہو اور شوق ملاقات معراج کمال کو اس سے اسی بات کی امید قرین قیاس ہے کہ تعارف کے فوراً بعد وہ بریلی شریف حاضر ہوئے ہوں گے اور تعارف ۱۳۲۹ھ کے قبل ہوا۔ ملک العلماء مولانا ظفر الدین نے ۱۳۲۹ھ ہی میں بریلی سے شملہ چلے آئے ان کے زمانۂ قیام تک ڈاکٹر صاحب نہیں آئے تھے تو ممکن ہے کہ ۱۳۲۹ھ کے بقیہ ماہ ہی میں یا متصلاً ڈاکٹر صاحب تشریف لائے ہوں اور یہی ان کے مزاج کا مقتضا بھی ہے!

دوسری بار مولانا سلیمان اشرف کے ساتھ تشریف لائے جس کے راوی مولانا برہان الحق جبلپوری ہیں۔ اس زمانے میں مولانا موصوف وہاں زیر تعلیم تھے چنانچہ اپنے زمانہ

طالب علمی کے تعلق سے فرماتے ہیں ـــــــ "شوال ۱۳۳۲ھ کے دوسرے ہفتے میں بریلی شریف حاضر ہوگیا...... اعلیٰ حضرت کی خدمت میں کم و بیش تین سال فیض حاصل کرتا رہا۔ (۴۱)

ماہر رضویات حضرت پروفیسر مسعود احمد مظہری تحریر فرماتے ہیں ـــــــ "یہ واقعہ اندازاً ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء اور ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء میں واقع ہوا۔ (۴۲)

نیز دونوں روایتوں کا مرکزی خیال اور پلاٹ گرچہ متحد ہے تاہم نقطۂ آغاز، کردار، اور نقطۂ انجام جدا جدا اس سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ جذبہ ایک ہی ہے اور وہ ہے ریاضی کا الجھا ہوا مسئلہ۔ جب جب یہ جذبہ سلگا تو اس کی تسکین کے لئے بریلی شریف حاضر ہوئے۔ دونوں روایتوں میں کردار و آغاز و انجام کی تفریق دو بار آنے کی ضمانت دیتی ہے، مولانا اقبال احمد اختر القادری تحریر فرماتے ہیں ـــــــ "ان دونوں روایتوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں واقعات الگ الگ وقت میں ہوئے۔ (۴۳)

حاصل کلام یہ ہے کہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین صاحب اعلیٰ حضرت سے تین بار مستفید ہوئے ایک بار اخبار دبدبۂ سکندری کے ذریعہ ۱۳۲۹ھ کے قبل، دوسری مرتبہ بریلی شریف حاضر ہوکر ۱۳۲۹ھ میں یا اس سے متصلاً بعد، تیسری مرتبہ پھر بریلی شریف حاضر ہوکر ۱۳۳۲ھ تا ۱۳۳۵ھ کے درمیان، اعلیٰ حضرت کے کمال علم و جمال عمل سے ڈاکٹر صاحب نے اتنا اثر قبول کیا کہ بریلی شریف سے واپس ہونے پر انہوں نے داڑھی رکھ لی اور نماز کے پابند ہوگئے۔ (۴۴)

جب کبھی ضرورت پڑی اعلحضرت کی خوبیوں کا برملا اظہار بھی کیا، چنانچہ ایک

مرتبہ سہارن پور میں ڈاکٹر صاحب کو چائے کی دعوت دی گئی، اس میں سپاسنامہ پڑھا گیا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب ریاضی میں یگانۂ روزگار ہیں۔ انہوں نے جوابی تقریر میں کہا کہ ان الفاظ کے مستحق مولانا احمد رضا خاں بریلوی ہیں وہ واقعی اپنا جواب نہیں رکھتے، ایسا ہی انہوں نے قنوج میں بھی ایک موقع پر کہا۔ (۴۵)

یہ تو مشتے نمونہ از خروارے رضویات کے ذخائر سے چند نمونے ہیں حقیقت یہ ہے کہ نوادرات دین و دانش سے جہان رضا آباد ہے، سائنسی علوم سے لے کر مذہبی علوم تک جملہ شعبہ ہائے شعر و حکمت، فکر و تحقیق میں آپ کا شبدیز فکر یکساں یکہ تاز ہے، جس موضوع پر آپ نے قلم اٹھایا ہے حق یہ ہے کہ حق ادا کر دیا ہے، جس عنوان پر بحث کرتے ہیں اس کے تاجدار معلوم ہوتے ہیں۔ جس مسئلہ کو آپ کے نوک قلم نے چوم لیا تنقید مچل اٹھی، تحقیق جھوم جھوم گئی۔ جوں جوں حقائق کا اجالا پھیل رہا ہے آپ کی تخلیقات کی عظمت وافادیت نکھرتی جا رہی ہے اب تک ہم یہی جانتے تھے کہ فاضل بریلوی علوم جدیدہ و قدیمہ کی ۵۵ شاخوں پر نہ صرف یہ کہ ید طولیٰ رکھتے تھے بلکہ آپ کی تصانیف موجود ہیں، عظیم محقق پروفیسر مجید اللہ قادری نے ذخائر رضویات میں اپنی تحقیق سے ۱۶ کا اور اضافہ کیا ہے، اس طرح اب تک کی تحقیق کے مطابق علوم قدیمہ وجدیدہ میں ۷۱ علوم و فنون پر آپ کو مہارت حاصل تھی۔

ان ۷۱ علوم و فنون میں ۳۰ کا تعلق جدید سائنسی علوم سے ہے جن میں سے درج ذیل ۱۴ کا ذکر خود فاضل بریلوی نے کیا ہے۔

(۱) ارثماطیقی (۲) جبر و مقابلہ (۳) حساب سینی (۴) لوغارثمات (۵) علم التوقیت (۶) مناظر و مرایا (۷) علم الاکر (۸) زیجات (۹) مثلث کروی (۱۰) مثلث مسطح، (۱۱) ہیئت جدیدہ (۱۲) مربعات (۱۳) جفر (۱۴) زائرچہ۔

اور جن ۱۶ علوم کا اضافہ پروفیسر مجید اللہ قادری نے کیا ہے وہ یہ ہیں :-

(۱) علم طبیعات (۲) علم حیوانات (۳) علم تجربیات (۴) علم کیمیا (۵) علم طب، (۶) علم الادویہ (۷) علم معاشیات (۸) علم اقتصادیات (۹) علم تجارت (۱۰) علم شماریات، (۱۱) علم ارضیات (۱۲) علم جغرافیہ (۱۳) علم سیاسیات (۱۴) علم بین الاقوامی امور (۱۵) علم معدنیات (۱۶) علم اخلاقیات ۔—— چنانچہ پروفیسر موصوف اس تعلق سے تحریر فرماتے ہیں —— " راقم الحروف نے علوم جدیدہ کے حوالے سے جو کتب و رسائل اور فقہی مسائل بیں جدید علوم کے جزئیات مطالعہ کئے ہیں اس سے مزید...... علوم و فنون کی شاخوں کا اضافہ ہوا ہے اس طرح آپ کے علوم و فنون کی تعداد ۷۰ تک جا پہونچتی ہے ۔ (۴۶)

موصوف نے ان ۳۰ علوم جدیدہ میں امام احمد رضا کی ۱۰۷ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف کی فہرست بھی پیش فرمائی ہے ۔ (۴۷) اسی لئے رضویات کے ایک ژرف نگاہ مخلص محمد زبیر قادری امام احمد رضا کی علمی وسعت وہمہ گیری پر یوں اظہار رائے فرماتے ہیں ——

" ان کی تحقیقات و نگارشات پڑھ کر ہر کوئی انہیں مسلمانوں کا آخری سائنس داں کہہ سکتا ہے ۔ (۴۸)

امام احمد رضا کی وہ علمی ضو پاشیاں اور فنی گلریزیاں جن کی چند جھلکیاں گذشتہ سطور میں گذریں اور دانشور و مفکرین کے وہ زریں خیالات و تبصرے جن کا موقع محل پر ذکر کیا گیا اس حقیقت کو متواد بینے کے لئے کافی ہیں ۔ امام احمد رضا نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ بین الاقوامی علمی قوت ، متنوع فنون ، جامع کمالات اور فکری و فنی درخشاں سرمایہ حیات و کائنات کی عظیم شخصیت کا نام ہے ، اس ایک نام کے زبان پر آتے ہی دینی و دنیوی مسائل و دلائل کی ایک دنیا خراج تحسین پیش کرنے لگتی ہے ، شعر و ادب جھومتے

اور فکر و تحقیق وجد کرتے معلوم ہوتے ہیں۔ ـــــ آپ کی انہیں گوناگوں خوبیاں اور ہمہ نوعی بوقلمونیاں دیکھ کر عرب وعجم کے مفکرین نے عظیم سے عظیم القاب و آداب استعمال کر کے بھی حسن عقیدت کی تشنگی محسوس کی، عظیم عبقری، دیدہ ور، دانشور، مجدد دین وملت، امام اہلسنت، دین ودانش کا ہمالہ وغیرہ وغیرہ کہہ کر بھی یہ کہنے پر مجبور نظر آتے ہیں کہ ع

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جن کی عظمت کی خوشبو انجمن در انجمن ہو، جن کی انفرادیت کی روشنی سے خانقاہ ودانشگاہ جگمگا رہے ہوں، جن کے ذکر وتذکرہ کی گونج ایوان حکومت میں بھی سنی جارہی ہو، جن کی جامعیت نے عالمی جامعات کو متوجہ کر دیا ہو، جن کی گہرائی وگیرائی پر مفکرین حیران ہوں اور جن کی شہرت ومقبولیت کا آفتاب روز افزوں ترقیات کے زینے طے کر رہا ہو الفاظ ومعانی بھی ان کی شخصی تصویر کشی اور صفاتی خدو خال کی ترجمانی سے عاجز ودرماں معلوم ہوتے ہیں ۔ سائنسی چمک دمک دیکھ کر مرعوب ہو جانے والی نئی نسل کے نوجوانوں کے لئے امام احمد رضا کی ذات مشعل نور وہدایت ہے، یہاں مذہبی تجلی اور سائنسی روشنی کا امتزاج ہے، یہاں عصری علوم کی خوشبو اور دینی شعور کی نکہت کا سنگم ہے۔ شمع دین مصطفوی پر اگر سائنسی نظریات کو پروانہ کی طرح منڈلاتا دیکھنا چاہتے ہوں تو رضویات کا مطالعہ کیجئے ـــــ وہ جب تک ہماری ظاہری نگاہوں کے سامنے رہے مذہب و سائنس کی توجہات کا مرکز رہے ہی حیرت یہ ہے کہ آج نظروں سے اوجھل ہیں مگر پھر بھی دین ودانش کی ہر انجمن کی روشنی بنے ہوئے ہیں، آپ کی ہزار سے زیادہ نادر تصانیف اچھوتے انداز تحریر، دل لبھاتا شعور تحقیق عالمی سطح پر مختلف انداز سے روشنی پھیلا رہے ہیں اور ارباب فکر ونظر لپک لپک کر خیر مقدم کر رہے ہیں گویا وہ کل کی طرح آج بھی دین ودانش

کی خدمات میں مصروف ہیں جیسے مرقدِ رضا سے آواز آرہی ہو ع

ہم پرورشِ لوح و قلم کرتے رہیں گے

حواشی اور حوالے

	تصنیف	صفحہ	مُصنّف
(۱)	فقیہِ اسلام بحیثیت شاعر و ادیب۔	ص ۵،	پروفیسر مجید اللہ قادری۔
(۲)	فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں۔	ص ۲۰،	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری۔
	بحوالہ سوانح سراج الفقہا۔	ص ۳۳،	ڈاکٹر صاحب موصوف علوم اسلامیہ کے جامع اور جدید اسلوب نگارش میں عالم اسلام میں مقبول ہیں آپ کا ہر مقالہ تحقیقی شہ پارہ ہوتا ہے، ماہر رضویات کے لقب سے مشہور ہیں۔
(۳)	فتاویٰ رضویہ، جلد دہم۔	ص ۱۹۵۔	امام احمد رضا
(۴)	ایضاً	ص ۲۱۴۔	"
(۵)	ایضاً، مقدمہ	ص ۱۱	"

(۶) خطوط شخصیت کے جلوت و خلوت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ

امام احمد رضا کو ان کے مکاتیب کے آئینے میں دیکھا جائے، اس تعلق سے مطالعہ بے حد مفید ثابت ہوگا۔

تصنیف ———— صفحہ ———— مصنّف

(۷) حیات اعلیٰحضرت، مکتوب بنام مولانا ظفر الدین، ص ۲۸۸ ج ۱، ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین۔

نوٹ:۔ مولانا محمد ظفر الدین فاضل بریلوی کے شاگرد و خلیفہ ہیں، فاضل بریلوی انہیں ولدی الاعز کے معزز لقب سے یاد فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو مکاتیب،

(۸) حیات اعلیٰحضرت ۔ ص ۳۰۲ ، ملک العلماء مولانا ظفر الدین۔

(۹) فاضل بریلی علمائے حجاز کی نظر میں۔ ص ۹۸ ، پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری۔

(۱۰) الملفوظ حصّہ دوئم ۔ ص ۸ تا ۱۲ ملخصاً ، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا قادری

نوٹ:۔ حضور مفتی اعظم ہند فاضل بریلوی کے خلف اصغر، اور عالم اسلام کے عظیم پیشوا کی حیثیت سے مسلم ہیں۔ آپ کے فتاویٰ میں فاضل بریلوی کے انداز تحریر کی جھلک چلتی پھرتی محسوس ہوتی ہے۔

(۱۱) افتتاحیہ، الدولۃ المکیۃ ۔ ص ۲۵ ، از پروفیسر مسعود احمد مظہری۔

(۱۲) ابتدائیہ، 〃 ص ۱۴ ، از علامہ اقبال احمد فاروقی۔

(۱۳) کرنسی نوٹ کے مسائل ۔ ص ۱۵ تا ۱۷، ملخصاً و مسہلاً۔ امام احمد رضا۔

〃 فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں۔ ص ۱۵۸، پروفیسر مسعود احمد مظہری۔

(۱۴) الدولۃ المکیۃ ۔ ص ۱۵۲ ، امام احمد رضا۔

نوٹ:۔ دلچسپ معلومات اور تفصیلی حالات کیلئے الملفوظ حصہ دوئم کا مطالعہ کریں وہاں بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جو آپ کو محو حیرت کر دیں گی اور جنکا ذکر ہم نے اختصار

کے تقاضے سے نہیں کیا ہے۔

تصنیف ——— صفحہ ——— مصنف

(۱۵) الملفوظ ۔ ص ۱۸، حصہ دوئم، حضور مفتی اعظم ہند

(۱۶) مقدمہ کرنسی نوٹ کے مسائل ۔ ص ۱۳ ۔ امام احمد رضا ۔

(۱۷) الملفوظ ۔ ص ۲۷، حصہ دوئم، حضور مفتی اعظم ہند۔

(۱۸) امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات، ص ۱۸، مولانا یٰسین اختر مصباحی۔

(۱۹) انتخاب حدائق بخشش ۔ ص ۲۹۴، پروفیسر مسعود احمد مظہری ۔

(۲۰) حیات مولانا احمد رضا ۔ ص ۱۲۳، 〃

(۲۱) فتاویٰ رضویہ، جلد سوئم ۔ ص ۲۳۰، امام احمد رضا ۔

(۲۲) 〃 〃 جلد چہارم ۔ ص ۱۴۹، 〃

(۲۳) حیات مولانا احمد رضا ۔ ص ۱۲۲، پروفیسر مسعود احمد مظہری ۔

(۲۴) مقدمہ الملفوظ ۔ ص ۵، حضور مفتی اعظم ہند۔

(۲۵) مکتوبات قاسم العلوم مترجم ۔ ص ۲۷۱، مولانا قاسم نانوتوی ۔

(۲۶) سفرنامہ شیخ الہند مولوی محمد حسین احمد مدنی، ص ۱۶۶

(۲۷) الحیات بعد الممات ۔ ص ۱۳۴، مولوی فضل حسین بہاری۔

(۲۸) اعلام الاعلام ۔ ص ۷، امام احمد رضا۔

(۲۹) ایک الزام کی حقیقت ۔ ص ۹، علامہ عبدالحکیم شرف قادری۔

(۳۰) امام احمد رضا خاں، ایک ہمہ جہت شخصیت، ص ۴۶، مولانا کوثر نیازی۔

(۳۱) محدث بریلوی ۔ ص ۱۰۹ ۔

تصنیف ـــــــــ صفحہ ـــــــــ مصنّف

(۳۲) سیرت اعلیٰحضرت مع کرامات ۔ ص ۷۵ ، مولانا حسنین رضا خاں قادری ۔

نوٹ :۔ مولانا حسنین رضا فاضل بریلوی کے برادر زادہ شاگرد و خلیفہ ، بہترین فاضل اور معتمد صحافی تھے ، فاضل بریلوی کی تصانیف کی طباعت و اشاعت میں اہم کردار نبھایا ، سفر و حضر میں فاضل بریلوی کی خدمت کا شرف حاصل کیا ۔ ۵ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ / ۱۴ دسمبر ۱۹۸۱ء کو وصال فرمایا ۔

(۳۳) محدث بریلوی ۔ ص ۱۱۱ ، پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری ۔

(۳۴) حیات اعلیٰحضرت ۔ ص ۱۵۵ تا ۱۵۷ ، ملک العلماء مولانا ظفر الدین ۔

(۳۵) " " ص ۱۵۳ " "

نوٹ :۔ حضرت ملک العلماء نے ڈاکٹر صاحب کے سوال کا اپنے طور پر جواب دینے کی کوشش کی ہے ملاحظہ ہو صفحہ نمبر بالا ۔

(۳۶) حیات اعلیٰ حضرت ۔ ص ۱۵۲ ، مولانا ظفر الدین

(۳۷) " " ص ۱۵۳ ، " "

(۳۸) اکرام امام احمد رضا ص ۵۸ تا ۶۰ ، مولانا برہان الحق جبلپوری ۔

نوٹ :۔ مولانا برہان الحق ، علوم عقلیہ و نقلیہ کے زبردست عالم ، ماہر حکیم ، تجربہ کار سیاسی اعلیٰ حضرت کے شاگرد و خلیفہ تھے ۔ تقریباً تین سال بریلی شریف رہ کر فاضل بریلوی سے اکتساب فیض کیا ، ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ کو آپ کا وصال ہوا ۔

(۳۹) سیرت اعلیٰحضرت مع کرامات ۔ ص ۷۳ ، مولانا حسنین رضا ۔

(۴۰) امام احمد رضا اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین ۔ ص ۲۶ ، مولانا اقبال احمد اختر القادری ۔

بحوالہ روزنامہ جنگ کراچی، ۲۶ دسمبر ۷۷ ۱۹ء۔

(۴۱) اکرام امام احمد رضا۔ ص ۶۰ ، مولانا برہان الحق

(۴۲) حاشیہ اکرام امام احمد رضا۔ ص ″ ″

(۴۳) امام احمد رضا اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین ص ۳۳ ، مولانا اقبال احمد اختر القادری۔

(۴۴) حیات اعلیٰحضرت۔ ص ۱۵۵ ، مولانا ظفر الدین۔

(۴۵) سیرت اعلیٰحضرت مع کرامات۔ ص ۴۷ ، مولانا حسنین رضا۔

(۴۶) قرآن، سائنس اور امام احمد رضا۔ ص ۱۷ ، پروفیسر مجید اللہ قادری۔

(۴۷) ″ ″ ″ ″ ص ۱۸ تا ۲۳ ، ″ ″

(۴۸) ″ ″ ″ ″ ص ۲ ، ″ ″

مآخذ و مراجع

تصنیف	مصنف	ناشر	سنہ اشاعت
(۱) فتاوی رضویہ ج سوئم، چہارم، دہم ،	امام احمد رضا ،	رضا اکیڈمی بمبئی ۳،	صفر ۱۴۱۵ھ / اگست ۹۵ء
(۲) الدولۃ المکیہ ،	″	مکتبہ نبویہ، لاہور ،	۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء
(۳) کرنسی نوٹ کے مسائل ،	″	ادارہ افکار حق پورنیہ بہار ،	۱۹۹۳ء
(۴) اعلام الاعلام ،	″	مکتبہ قادریہ، لاہور	
(۵) الملفوظ ،	حضور مفتی اعظم ہند ،	مکتبۃ الجیلانی، سنبھل مراد آباد ،	۱۳۸۲ھ

تصنیف	مصنف	ناشر	سنہ اشاعت
(۶) حیات اعلیٰ حضرت ،	مولانا ظفر الدین ،	مکتبہ رضویہ کراچی ،	
(۷) اکرلکم امام احمد رضا ،	مولانا برہان الحق ،	مجلس العلماء، مظفر پور ،	۱۹۹۰ء
(۸) سیرت اعلیٰ حضرت مع کرامات ،	مولانا حسنین رضا ،	سنی رضوی اکیڈمی افریقہ ،	۱۹۹۳ء
(۹) فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں ،	پروفیسر مسعود احمد مظہری ،	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ،	۱۹۸۸ء
(۱۰) حیات مولانا احمد رضا ،	〃 〃	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا بمبئی ،	۱۴۱۰ھ
(۱۱) محدث بریلوی ،	〃 〃	〃 〃 کراچی ،	۱۹۹۳ء
(۱۲) انتخاب حدائق بخشش ،	〃 〃	سرہند پبلی کیشنز ، کراچی ،	۱۹۹۵ء
(۱۳) ایک الزام کی حقیقت ،	علامہ عبد الحکیم شرف قادری ،	بزم رضویہ لاہور ،	۱۹۹۳ء
(۱۴) امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات ،	علامہ یٰسین اختر مصباحی ،	المجمع الاسلامی مبارکپور ،	۱۹۸۵ء
(۱۵) فقیہ اسلام بحیثیت شاعر اور ادیب ،	پروفیسر مجید اللہ قادری ،	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ،	۱۹۹۱ء
(۱۶) قرآن سائنس اور امام احمد رضا ،	〃 〃	تحریک فکر رضا ، بمبئی ،	۱۹۹۵ء
(۱۷) امام احمد رضا اور ڈاکٹر ضیاء الدین ،	مولانا اقبال احمد اختر القادری ،	مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ حیدرآباد	۱۹۹۳ء
(۱۸) مکتوبات قاسم العلوم ،	مولانا قاسم نانوتوی ،	ناشران قرآن ، لاہور ،	۱۹۷۴ء
(۱۹) سفرنامہ شیخ الہند ،	مولوی حسین احمد مدنی ،	مکتبہ محمودیہ لاہور ،	۱۹۷۴ء
(۲۰) الحیات بعد الممات ،	فضل حسین بہاری ،	مکتبہ سعودیہ ، کراچی ،	

غلام مصطفیٰ انجم القادری ،
ریسرچ اسکالر میسور یونیورسٹی میسور ، ۲ ربیع الاول شریف ۱۴۱۶ھ

امام احمد رضا

قوم وملت کا پاسبان

اقبال احمد اختر القادری، پاکستان۔

جب کہ ہندوستان پر انگریز قابض تھا اس وقت ہندوستان میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو کہ بظاہر تو مسلمان تھے لیکن ان کے عزائم بھی وہی تھے جو کہ انگریز کے تھے ـــــ یعنی مسلمانوں کے قلوب سے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع کو گل کر دیا جائے تاکہ مسلمان گمراہ ہو جائیں اور اپنی اصل راہ کو بھول جائیں۔۔۔۔ انگریز نے اپنے اس پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اپنے ایجنٹوں کی بے حد مالی مدد کی۔

چنانچہ ان ایجنٹوں نے اپنے انگریز آقا کے اشارے پر ہندوستان کے سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنے پر لوگوں کو اکسانے لگے ـــــ اپنی تقاریر اور لٹریچر کے ذریعہ لوگوں کو بہکانے لگے۔۔۔۔ ایسے میں سادہ لوح مسلمانوں کے گمراہ ہونے کا خطرہ یقینی تھا۔

ایسے میں ایک ایسی ہستی کی ضرورت تھی جو اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنے والوں کا محاسبہ کرتی ـــــ ایک ایسے مجاہد کی ضرورت تھی جو تلوار و خنجر کے بجائے اپنے وعظ و تقریر اور تحریر سے جہاد کر سکے ـــــ جو کہ بے کسی مسلمانوں کو شرک و بدعت کے طوفان سے نکال کر کنارے پر باحفاظت پہنچا سکے۔

چنانچہ رب کائنات کا سرزمین ہند پر خاص کرم ہوا ـــــ پھر جو غریبوں کے غم خوار، مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز سبز نورانی پیارے گنبد خضری تلے مدینے شریف میں ایک کروٹ لی تو اس نور مجسم کی کرن ہندوستان کی تاریکیوں میں بریلی شہر میں امام احمد رضا کی شکل میں نمودار ہوئی اور پھر اس کرن نے برصغیر کی تاریکیوں کو عشق رسول صلّی اللہ علیہ وسلم کی شمع سے روشن و منور کر دیا۔

امام احمد رضا نے ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ/ ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بوقت ظہر اس دنیائے فانی کو اپنے قدم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا ـــــ چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم فرمایا۔ چھ برس کی عمر میں ماہ ربیع الاول شریف میں عید میلاد النبی شریف کے موضوع پر ایک بہت بڑے مجمع سے خطاب فرمایا ـــــ صرف و نحو کی ابتدائی کتب مولانا غلام قادر بیگ سے پڑھیں، پھر تمام علوم و فنون اپنے والد ماجد سے گھر پر ہی حاصل کیے اور صرف تیرہ برس دس ماہ پانچ دن کی عمر میں جمیع علوم دینیہ کی تکمیل فرما کر ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء میں سند فراغت حاصل کی اور دستار فضیلت زیب سر فرمائی نیز اسی روز سب سے پہلا فتویٰ تحریر فرمایا۔

امام احمد رضا کو علوم درسیہ کے علاوہ علوم جدیدہ و قدیمہ پر بھی مکمل دسترس حاصل تھی، ـــــ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ان میں بعض علوم ایسے ہیں جن میں کسی استاد کی رہنمائی حاصل کیے بغیر اپنی خداداد صلاحیت و ذہانت سے کمال حاصل کیا ـــــ ایسے تمام علوم و فنون جن میں امام احمد رضا کو کمال حاصل تھا جدید تحقیق کے مطابق تقریباً اکھتر (۷۱)، ہے جن کی تفصیل راقم کی کتاب

"نادرزمن ہستی" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ ــــــ ان میں کئی علوم ایسے ہیں کہ دورِ جدید کے ماہرینِ علوم نے ان کے نام تک نہ سنے ہوں گے۔

علومِ ظاہری سے سرفراز ہونے کے بعد "علومِ باطنی" سے فیضیاب ہونے کے لئے امام احمد رضا اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں کے ساتھ ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء میں ہندوستان کے عظیم روحانی مرکز "خانقاہ عالیہ برکاتیہ" مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور قطبِ زماں حضرت سید شاہ آلِ رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کے ارادت مندوں میں شامل ہو گئے۔

امام احمد رضا عقائد و افکار میں متقدمین اور سلف وصالحین کے پیرو تھے ــــــ انہوں نے اپنے دور میں سیاست و مذہب میں تجدید و احیاء کر کے پاسبانیٔ ملّت کے اہم فرائض انجام دیئے غالباً اسی لئے بعض علماء عرب و عجم نے ان کو مجدد کہا.....

امام احمد رضا ہر کلمہ گو کو مسلمان قرار دیتے تھے مگر وہ روحِ اسلام کو اس کے قول و عمل میں جیتا جاگتا دیکھنا چاہتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ تاریخ کے تہذیبی و تمدنی عمل کے پیشِ نظر وہ اس حد تک چھوٹ دیتے تھے جس حد تک قول و عمل شریعت سے متصادم نہ ہوں۔ ــــــ وہ ہر اس شخص کو جو دین میں نئی نئی باتیں داخل کرتا ہے بدعتی قرار دیتے تھے ــــــ اور ہر اس شخص کا تعاقب کرتے جو ان کی نظر میں تجدید کے بہانے بے راہ روی اختیار کرتا تھا ــــــ

امام احمد رضا نے معاشرے کی خلافِ شرع عادات اور رسوم پر تنقید کی اور اس طرح تجدید و اصلاح کی ذمہ داری پوری کی ــــــ اسلامی معاشرے کے بعض لوگ فرائض و سنن کو چھوڑ کر مستحبات و مباحات کے پیچھے لگے رہتے ہیں ــــــ امام احمد رضا کی نظر میں ایسے لوگوں کی نیکیاں مردود ہیں۔ (اعز الاکتنافی رد صدقۃ مانع الزکوٰۃ۔ ص ۱۰) ــــــ

بعض لوگ شریعت و طریقت کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرتے ہیں ــــــ

امام احمد رضا اس تقسیم کا سختی سے رد کرتے ہیں اور طریقت کو عین شریعت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں ——— "شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآنِ عظیم باطل و مردود فرما چکا ہے۔" ———
(مقالہ العرفا، ص ۷)

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے اور مشہور ہے کہ جس کا کوئی پیر یا مرشد نہیں ..... اس کا پیر ابلیس و شیطان ہے ——— امام احمد رضا اس خیال کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں ——— " انجام کار رستگاری ..... کے واسطے صرف نبی کو مرشد جاننا بس ہے۔" (السنیۃ الانیقہ فی فتاویٰ افریقہ، ص ۱۲۴)

امام احمد رضا بیعت و مریدی کے خلاف بھی نہیں بلکہ اصلاح باطن کے لئے اس کو مفید قرار دیتے ہیں۔ (ایضاً ص ۱۴۱) خود امام احمد رضا ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں حضرت سید شاہ آلِ رسول مارہروی کے مرید ہوئے اور اجازت و خلافت حاصل کی ——— آپ کو ۱۳ سلاسل طریقت میں اجازت حاصل تھی جس کا ذکر " الاجازۃ الرضویہ لمبجل مکتہ البہیتہ" میں موجود ہے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ سادہ لوح مسلمان بزرگوں کے مزارات پر جاکر سجدے کرتے ہیں... امام احمد رضا نے غیر اللہ کے لئے سجدہ عبادت کو کفر و شرک اور سجدۂ تعظیمی کو حرام قرار دیا ہے ——— چنانچہ فرماتے ہیں :-

" سجدہ ——— حضرت عزّ و جلالہ کے سوا کسی کے لئے نہیں، اس کے غیر کو سجدہ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک مہین و کفر مبین اور سجدہ تحیت حرام و گناہ کبیرہ بالیقین۔" ———
(الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیہ، ص ۵)

آج کل تعلیم یافتہ گھرانوں میں تصویریں لگانا اور مجسّمے سجانے کا عام رواج پڑ گیا ہے..... بعض لوگ تبرکاً براق ..... "حضور غوث پاک" اور دیگر بزرگوں کی فرضی و حقیقی تصاویر بھی

لگاتے ہیں ..... امام احمد رضا نے اس کی سختی سے ممانعت کی ہے ___ تصویر کے عدم جواز پر آپ نے ایک مستقل رسالہ "العطایا القدیر فی حکم التصویر" بھی تحریر فرمایا۔

مسلمانوں میں فاتحہ، سوم، چہلم اور برسی کا عام رواج ہے امام احمد رضا اس کی روح کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن اس میں غیر ضروری لوازمات کو بے اصل قرار دیتے ہیں ..... وہ تعیین یوم کو آسانی کے لئے جائز سمجھتے ہیں مگر اس تصور کو غلط خیال کرتے ہیں کہ متعین ایام میں زیادہ ثواب ملتا ہے ___ وہ میت کی فاتحہ وایصال ثواب میں غربا کو فوقیت دیتے ہیں اور اس کے سخت خلاف ہیں کہ امیروں اور برادری کے لوگوں کو بلا کر انہیں اہتمام سے کھانا کھلایا جائے۔

دور جدید کی بدعات میں عورتوں کا بے حجابانہ گھومنا پھرنا، زیارت قبور کے لئے مزارات پر جانا اور نامحرم پیروں کو محرم جان کر ان کے سامنے بے پردہ آنا جانا عام ہے۔ امام احمد رضا ان بدعات کی مخالفت کرتے ہیں ___ وہ قبروں پر چراغ، لوبان اور اگربتی جلانے کو مال کا اسراف اور اضاعت مال قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میت صالح کو خوشبو کی کوئی ضرورت نہیں، وہ اگربتی اور لوبان سے غنی ہے، قبر پر چراغ جلانا صرف اس صورت میں جائز قرار دیتے ہیں کہ قبر مسجد میں ہو اور سرراہ ہو کہ چراغ سے نمازیوں اور مسافروں کو فائدہ پہونچے گا۔ امام احمد رضا کے نزدیک جو کام دینی فائدے اور جائز دنیوی نفع دونوں سے خالی ہو وہ عبث اور بیکار ہے اور عبث خود مکروہ ہے اور اس میں مال صرف کرنا اسراف، اور اسراف حرام ہے ___ (احکام شریعت ص ۳۸) ___

امام احمد رضا آلات موسیقی کے ساتھ قوالیوں کو ناجائز فرماتے ہیں حتیٰ کہ ایسے اعراس کے ومحافل جہاں مزامیر کے ساتھ قوالی کا اہتمام ہو شرکت کی ممانعت فرماتے ہیں۔ وہ اعراس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں مگر شرعی قیود کا خیال بے حد ضروری ہے ..... امام احمد رضا نے ہر مرحلے پر ملت اسلامیہ کو اسراف سے روکا ہے، اسراف جس نے ملت کی اقتصادی حالت تباہ کر دی۔

وہ بدعات کو مذہب و معاشرت دونوں کے لئے مضر سمجھتے ہیں ــــــ اس کی وجہ سے انسان میں نیکی کی طرف رغبت کی صلاحیت نہیں رہتی ــــــ امام احمد رضا ایک جگہ فرماتے ہیں :-

"قلب جب تک صاف ہے، خیر کی طرف بلاتا ہے اور معاذاللہ معاصی اور خصوصاً کثرت بدعات سے اندھا کر دیا جاتا ہے۔ اب اس میں حق کو دیکھنے، سمجھنے، غور کرنے کی قابلیت نہیں رہتی، مگر ابھی حق سننے کی استعداد باقی رہتی ہے۔" (الملفوظ حصہ سوم ص ۵۴)

امام احمد رضا نے نہ صرف معاشرے کی اصلاح کی بلکہ سیاست میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ آپ کے افکار سے میدان سیاست کے شہسواروں نے فیض حاصل کیا۔ آپ نے سب سے پہلے ۱۸۹۳ء اور ۱۹۰۰ء میں پٹنہ کے آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اجلاس میں اس وقت دو قومی نظریہ کا پرچار کیا جب قائداعظم اور ڈاکٹر اقبال بھی متحدہ قومیت کے حامی تھے ــــــ چنانچہ پاکستان کے مشہور صحافی و ادیب اور سیاست داں مولانا کوثر نیازی صاحب اپنے مشہور اخباری کالم "مشاہدات و تاثرات" میں لکھتے ہیں کہ ــــــ "انہوں نے متحدہ قومیت کے خلاف اس وقت آواز اٹھائی جب ڈاکٹر اقبال اور قائداعظم بھی اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر تھے" ــــــ دیکھا جائے تو "دو قومی نظریہ" کے عقیدے میں امام احمد رضا مقتدا ہیں اور یہ دونوں حضرات مقتدی۔" ــــــ پاکستان کی تحریک کو کبھی فروغ حاصل نہ ہوتا اگر امام احمد رضا سالوں پہلے مسلمانوں کو ہندؤں کی چالوں سے باخبر نہ کرتے۔ ــــــ

(روزنامہ "جنگ" راولپنڈی ۳ اکتوبر ۱۹۹۰ء)

امام احمد رضا کے سیاسی افکار کو سمجھنے کے لئے آپ کی درج ذیل تصانیف کا مطالعہ ضروری ہے۔ (۱) انفس الفکر فی قربان البقر۔

(۲) اعلام الاعلام بان ہندستان دارالاسلام۔

(۳)، تدبیرِ فلاح ونجات واصلاح

(۴)، دوام العیش فی الائمۃ من القریش

(۵)، المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ

(۶)، الطاری الداری لہفوات عبد الباری

امام احمد رضا فقاہت وسیاست کے علاوہ ادب وشاعری میں بھی کمال رکھتے تھے حضور تاجدارِ مدینہ سرورِ قلب وسینہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شعرا رکرام نے اپنی اپنی حسنِ نیت اور توفیق الٰہی کے باعث "سلام" کا ہدیۂ عقیدت پیش کیا ہے مگر امام احمد رضا کے سلام کو ایسا قبولِ عام نصیب ہوا کہ ایک صدی گذر جانے کے باوجود آج بھی برصغیر اور بلاد اسلام میں فضائیں اس کی والہانہ آواز سے گونج رہی ہیں ؎

مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ ، لاکھوں سلام

فتاویٰ رضویہ جلد نہم ...... موضوعاتی جائزہ

پروفیسر مجید اللہ قادری

فتاویٰ رضویہ جلد نہم ۱۹۹۰ء میں انڈیا سے مکتبہ رضا بیسلپور سے پہلی دفعہ چھپی جب کہ ۱۹۹۲ء میں کراچی سے ہی مکتبہ رضویہ نے اس کو شائع کر دیا۔ یہ جلد ابھی نامکمل ہے، اور ۳۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی اس جلد کا ۶۰ فیصد حصّہ باقی ہے، اس جلد میں کل ۳۲۴ مسئلے ہیں، جلد نہم میں مسائل کلامیہ کے علاوہ کتاب الشتی اور کتاب الفرائض شامل ہیں، جبکہ اس جلد میں مندرجہ ذیل ۶ رسائل بھی شامل کیے گئے ہیں۔

(۱) طرد الافاعی عن حمی ھاد رفع الرفاعی (۱۳۳۶ھ)
سیّدنا احمد کبیر رفاعی اور سیّدنا غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے فضائل پر مشتمل رسالہ۔

(۲) نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان (۱۳۳۹ھ)
زمین و آسمان کی سکونت سے متعلق علم ہیئت پر مشتمل رسالہ۔

(۳) المقصد النافع فی عصوبۃ النصف الرابع (۱۳۱۵ھ)

عصبات کی چاروں اقسام پر بحث علم فرائض سے متعلق ۔

(۴) طیب الامعان فی تعداد الجہات والابدان (۱۳۱۷ھ)

وراثت میں جب کئی رشتے وارثوں کے آپس میں ہوں اس وقت وراثت کی تقسیم کی بحث ۔

(۵) تجلیۃ السلم فی مسائل من نصف العلم (۱۳۲۱ھ)

علم وراثت کے ایک پیچیدہ مسئلہ پر بحث، اس میں اس مسئلے کے سلسلے میں مولوی عبدالحئی کے دیئے ہوئے فیصلہ کا رد بھی ہے۔

(۶) رد الرفضۃ (۱۳۲۰ھ)

روافض سے ہر طرح قطع تعلقی کے بیان میں ۔

امام احمد رضا کی علمی گہرائی اور گیرائی کا آج ہر طبقہ معترف ہے۔ اور علم فقہ میں آپ ایک انفرادی مقام پر فائز ہیں۔ آپ کے تبحر کے اپنے اور غیر سب معترف ہیں۔ اس جلد میں امام احمد رضا کی ایک اور انفرادیت سامنے آئی کہ مولانا کے پاس فارسی نظم میں ایک استفتا آیا تو آپ نے اس کا فارسی ہی نظم میں جواب دیا۔ اہل ذوق حضرات کی توجہ کے لئے اس کو یہاں نقل کیا جا رہا ہے ۔

مولوی محمد افضل کابلی صاحب نے ۱۳۲۶ھ میں مدرسہ منظر اسلام بریلی کے طالب علم کی حیثیت سے فارسی نظم میں امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کو ایک استفتا بھیجا جو کہ مندرجہ ذیل ہے ۔

سزا ایم برگنا ہم لازم آمد
پس آنکہ رحمتش نہ با ہم آمد

بگو مفتی خطائے یا صوابم
بسا اسرار اینجا باہم آمد

الجواب :-

مسلماں را سزا لازم کہ کردست
کہ قول اعتزالی ظالم آمد
وگر یا بد سزا کامل نیا بد
کہ عفوش بہر مومن لازم آمد
وگر بالفرض از وچیز نہ بخشد
زنقصاں رحمتش خود سالم آمد
کہ یرحم من یشاء لاکل فرد
یعذب من یشاء ہم قائم آمد
بدنیا رحمتش برجملہ عام ست
بعقبیٰ خاص حظ مسلم آمد
ثوابش بہر مومن منتہی نیست
عذابش بہر کافر دائم آمد
برائے ہر صفت مظہر بکار ست
کہ از او انتقام و راحم آمد

اس جلد میں اعلیٰ حضرت نے منظوم فارسی فتویٰ کے علاوہ ۱۸ فتوے فارسی زبان میں جواب دیئے ہیں جب کہ اسی جلد میں عربی زبان میں بھی پانچ فتوے موجود ہیں۔ اس جلد میں

جن معروف علماء اور مشائخ نے استفتا بھیجے ہیں ان میں سے چند کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مولانا شفیع احمد قادری بیسلپوری تلمیذ، مرید و خلیفہ، خطاب امین الفتویٰ۔

(۲) مولانا حشمت علی خاں خلیفہ، تلمیذ خاص، ملقب بہ شیر بیشۂ اہل سنت و مظہر اعلیٰ حضرت (المتوفی ۱۹۶۱ء)

(۳) مولانا محمد رکن الدین الوری ہم عصر شیخ طریقت، عالم دین، مصنف رکن الدین۔

(۴) مولوی سید محمد آصف قادری کانپوری۔

(۵) مولوی عبد اللہ بہاری۔

(۶) مولانا محمد ظفر الدین بہاری تلمیذ و خلیفہ و مرید ملقب بہ ملک العلماء (مصنف صحیح البہاری)

(۷) پروفیسر مولوی حاکم علی ہم عصر سائنسداں، ریاضی داں، (پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور) (المتوفی ۱۹۴۴ء۔)

یہاں اب جلد نہم سے چند عبارات نقل کی جاتی ہیں، تاکہ قاری بخوبی اس بات کا اندازہ لگا سکے کہ "امام وقت" "فقیہ اسلام" کا خطاب حقیقتاً آپ ہی کو زیب دیتا ہے۔ بقول شیخ الحدیث مولانا مفتی نصر اللہ خاں افغانی (سابق چیف جسٹس آف شریعت کورٹ عبوری حکومت افغانستان) کہ "مولانا عبد العلی، بحر العلوم کے بعد اگر کوئی فقیہ اس برصغیر پاک و ہند میں گزرا ہے تو وہ امام احمد رضا خاں قادری ہیں۔" لہذا چند مقامات سے خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

مسائل کلامیہ:- حضرات اولیاء اللہ کے وصال کے بعد زندہ رہنے یا نہ رہنے کے

سلسلے میں جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"حیات شہداء قرآن عظیم سے ثابت ہے اور شہداء سے علماء افضل، حدیث میں ہے۔ روز قیامت شہداء کا خون اور علماء کے دوات کی سیاہی تولے جائیں گے، علماء کے دوات کی سیاہی شہداء کے خون پر غالب آئے گی اور علماء سے اولیاء افضل ہیں۔ تو جب شہداء زندہ ہیں اور فرمایا کہ انہیں مردہ نہ کہو تو اولیاء کہ بدرجہا ان سے افضل ہیں ضرور ان سے بہتر ابدی ہیں۔ قرآن عظیم کے ایجازات میں یہ بھی ہے کہ امر ارشاد فرماتے ہیں اور اس سے اس کے امثال اور اس سے امثل پر دلالت فرمادیتے ہیں جیسے " لا تقل لھما اف ولا تنھرھما" ماں باپ کو ہوں کہنے سے ممانعت فرمائی جو کچھ اس سے زیادہ ہو وہ خود ہی منع ہوگیا اور یہیں دیکھئے حیات شہداء کی تصریح فرمائی اور حیات انبیاء کا ذکر نہیں کہ اعلیٰ خود ہی مفہوم ہوجائیگا۔ اس دلالۃ النص میں اولیاء بلاشبہ داخل ہیں" (ص ۹)

اعلیٰ حضرت عقائد اور تقلید کے اصول بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

جس طرح فقہ میں چار اصول ہیں اسی طرح عقائد میں بھی چار اصول ہیں۔

فقہ

کتاب	سنت	اجماع	قیاس

عقائد

کتاب	سنت	سواد اعظم	عقل صحیح

اعلیٰ حضرت نبوت وولایت سے متعلق ایک اہم نکتہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ جس میں آپ نے اس مسئلہ کو واضح کیا کہ آیا ولایت مطلقہ افضل ہے نبوت خاص سے یا نبوت خاص افضل ہے ولایت سے۔

"نبوت مطلقاً ہر ولی غیر نبی کی ولایت سے ہزاروں درجے افضل ہے۔ کیسے ہی اعظم مرتبہ کا ولی ہو۔ ہاں اس میں اختلاف ہے کہ نبی کی نبوت خود اس کی اپنی ولایت سے افضل ہے یا اس کی اپنی ولایت اس کی نبوت سے۔ اور اس اختلاف میں خوض کی کوئی حاجت نہیں۔" (۳۶) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف کے سلسلے میں لکھتے ہیں :۔

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اجازت ہے کہ آسمان و زمین کی سلطنت الٰہی میں تصرف فرمانے کے لئے اپنے مزارات طیبہ سے باہر تشریف لے جائیں۔ امام احمد قسطلانی نے مواہب شریفہ میں جا بجا تصریح فرمائی ہے۔ امام ابن حجر مکی فتاوی کبریٰ باب الجنائز میں فرماتے ہیں :۔

"روح نبینا صلی اللہ علیہ وسلم راحا تظہر فی سبعین الف صورۃ"

"ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس بارہا ستر ہزار صورتوں میں جلوہ گر ہوتی ہے آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

"حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا مجالس طیبہ میں تشریف لانا بایں معنی نہیں کہ نہ تھے، اور تشریف لائے کہ وہ تو ہر وقت مسلمانوں کے گھروں میں تشریف فرما ہیں۔" ملا علی قاری شرح شفا شریف میں فرماتے ہیں :۔

"لان روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم حاضرۃ فی بیوت اهل الاسلام۔"

"یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس ہر مسلمان کے گھر میں تشریف فرما ہے۔ بلکہ یہ معنی کہ مجلس مبارک میں تجلی خاص فرماتے ہیں یہ ان کے کرم پر ہے ہر جگہ ضروری نہیں اور جس ذلیل سے ذلیل بندے کو نوازیں کچھ دور نہیں۔" (ص ۴۸)

ایمان کی تعریف اور اس کے کامل ہونے کے سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں :۔

" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر بات میں سچا جانے، حضور کی حقانیت کو صدق دل سے ماننا ایمان ہے۔ جو اس کا ہوا اس کو مسلمان جانیں گے جب کہ اس قول یا فعل یا حال میں اللہ و رسول عز و جل صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار یا تکذیب یا توہین نہ پائی جائے اور جس کے دل میں اللہ و رسول جل جلالہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علاقہ تمام علاقوں پر غالب ہو، ائمہ و رسول کے محبوبوں سے محبت رکھے اگرچہ اپنے دشمن ہوں اور اللہ و رسول کے مخالفوں بدگویوں سے عداوت رکھے اگرچہ اپنے جگر کے ٹکڑے ہوں، جو کچھ دے اللہ کے لئے دے، جو کچھ روکے اللہ کے لیے روکے، سو اس کا ایمان کامل ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ منع للہ فقد استکمل الایمان واللہ تعالیٰ اعلم (ص ۴۶)

علم کے مختلف اسباب بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :۔

" علم کے اسباب تین ہیں ۔ (۱) عقل (۲) حواس (۳) خبر صادق ۔ حواس پانچ ہیں جن میں دیکھنا صرف ایک سے متعلق ہے۔ تو علم کے سات ذریعے ہوئے۔ جو اندھا کہے کہ بے دیکھے نہ مانیں گے وہ سات میں سے چھ ذریعہ علم کو باطل کر چکا اور اگر ظاہر کا بھی اندھا ہو تو ساتواں بھی گیا۔" (ص ۵۶)

کتاب الشتی :۔

ایک سوال کے جواب میں کہ کون کون سی کتابیں معتبر ہیں؟ لکھتے ہیں :۔

"ہمارے یہاں قرآن عظیم کے بعد حدیث میں صحیحین اور سنن اربعہ، مسانید امام اعظم، مؤطا و کتاب الآثار، امام محمد، کتاب الخراج امام ابو یوسف، کتاب الحج امام عیسیٰ بن ابان، شرح معانی الآثار امام طحاوی، مشکلات الآثار امام طحاوی، عقائد میں فقہ اکبر، وصایا امام اعظم، عقائد امام مفتی الانس والجن عمر نسفی، فقہ میں ہدایہ، بدائع، مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر، خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، غرر، درر، تنویر الابصار، در مختار، غنیہ حلیہ اور ہزارہا کتب بے شمار۔" (ص ۱۰۵)

خوابوں کی اقسام بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

"خواب چار قسم ہے۔ ایک حدیث نفس کہ دن میں جو خیالات قلب پر غالب ہے، جب سویا اور اس طرف سے حواس معطل ہوئے عالم مثال بقدر استعداد منکشف ہوا، انہیں تخلیات کی شکلیں سامنے آئیں یہ خواب مہمل و بے معنی ہے۔"

"دوسرا خواب القائے شیطان ہے اور وہ اکثر وحشت ناک ہوتا ہے شیطان آدمی کو ڈراتا یا خواب میں اس سے کھیلتا ہے اس کو فرمایا کسی سے ذکر نہ کرو کہ تمہیں ضرر نہ دیگا ایسا خواب دیکھے تو بائیں طرف تین بار تھوک دے اور اعوذ پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھے۔"

"تیسرا خواب القا فرشتہ ہے اس سے گذشتہ و موجودہ و آئندہ غیب ظاہر ہوتے ہیں، مگر اکثر پردہ تاویل قریب یا بعید میں ولہذا محتاج تعبیر ہوتا ہے۔"

"چوتھا خواب کہ رب العزت القا فرمائے وہ صاف صریح ہوتا ہے اور محتاج و تعبیر سے بری۔" (ص ۱۱۹)

اللہ عزوجل اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اسمار مبارکہ کی تفصیل بیان

کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"اللہ عزوجل کے ناموں کا شمار نہیں کہ اس کی شانیں غیر محدود ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اسمائے پاک بھی بکثرت ہیں کہ کثرت اسماء شرف مسمی سے ناشی ہے۔ آٹھ سو سے زائد مواہب وشرح مواہب میں ہیں اور فقیر نے تقریباً ۱۴۰۰ پائے اور حصہ ناممکن۔"

(ص ۱۰۴) ــــــ پیر و مرشد ہونے کے لئے کیا شرائط دیکھنا ضروری ہیں۔ تنبیہہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

"پیر میں چار شرطیں لازم ہیں۔ (۱) اول سنی صحیح العقیدہ (۲) اتنا علم رکھتا ہو کہ اپنی ضروریات کے مسائل کتاب سے خود نکال سکے (۳) فاسق معلن نہ ہو (۴) اس کا سلسلہ نبی پاک صلے اللہ تعالی علیہ وسلم تک متصل ہو۔"

"جس میں چاروں شرطیں جمع ہوں اس کے ہاتھ پر بیعت جائز ہے۔" (ص ۱۰۷)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے مولوی حاکم علی (المتوفی ۱۹۴۴ء) کے استفتا کے جواب میں جو انہوں نے زمین و آسمان کی حرکت سے متعلق تحریر کیا تھا ایک مدلل رسالہ بعنوان "نزول آیات قرآن سکون زمین و آسمان" ۱۳۳۹ھ میں تصنیف فرمایا، جس میں قرآن و حدیث و اقوال صحابہ کرام سے یہ ثابت کیا کہ زمین و آسمان دونوں ساکن ہیں، اپنے خطبہ میں اس کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

"الحمد اللہ الذی بامرہ قامت السماء والارض والصلوۃ والسلام علی شفیع یوم العرض والہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین (آمین)

ایک مقام پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

"آفتاب کی طرح روشن دلائل ہیں کہ زمین ساکن محض ہے بدیہی ہے اور خود مخالفین کو

تسلیم کہ طلوع وغروب وزوال نہیں مگر حرکت یومیہ سے تو جس کے یہ احوال ہیں حرکت یومیہ اس کی حرکت ہے تو قرآن عظیم واحادیث متواتر واجماع امت سے ثابت کہ حرکت یومیہ حرکت شمس ہے نہ کہ حرکت زمین ۔ لیکن اگر زمین حرکت محوری کرتی ہے تو حرکت یومیہ اسی کی حرکت ہوتی ہے جیسا کہ مزعوم مخالفین ہے تو روشن ہوا کہ زعم سائنس باطل ومردود ہے پھر شمس کی حرکت یومیہ جس سے طلوع وغروب وزوال ہے نہ ہوگی مگر یوں کہ وہ گرد زمین دورہ کرتا ہے تو قرآن وحدیث واجماع امت سے ثابت ہوا کہ آفتاب حول ارض دائرہ ہے لاجرم زمین مدار شمس کے جوف میں ہے تو ناممکن ہے کہ زمین گرد شمس دورہ کرے اور آفتاب مدار زمین کے جوف میں ہو تو بحمد اللہ تعالیٰ آیات متکاثرہ واحادیث متواترہ واجماع امت طاہرہ سے واضح ہوا کہ زمین کی حرکت محوری مداری دونوں باطل ہیں۔" (ص ۱۸۸)

آخر میں اعلیٰ حضرت مستفتی کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

"محب فقیر، سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات ونصوص میں تاویلات دور از کار کر کے سائنس کے مطابق کر لیا جائے ۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس کو قبول کی نہ کہ سائنس نے اسلام ـــــــ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے اختلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے دلائل سائنس کو مردود وپامال کر دیا جائے جا بجا سائنس ہی کے اقوال سے اسلامی مسائل کا اثبات ہو۔ سائنس کا ابطال واسکات ہو۔ یوں قابو میں آئے گی اور یہ آپ جیسے فہیم سائنس داں کو باذنہٖ تعالیٰ دشوار نہیں۔" (ص ۱۹۰)

امام احمد رضا کی سخن ہائے گفتنی کی حقیقت!

محمد ادریس رضوی (ایم اے)
جامع مسجد پیڑی پل کلیان،
پن کوڈ:- ۴۲۱۳۰۶

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

مولانا احمد رضا خاں بریلوی متوفی ۱۹۲۱ء م ۱۳۴۰ھ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ "حدائق بخشش ۱۳۲۵ھ کی ایک نعت" رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم" جو عوام وخواص میں کافی معروف ہے کہ مذکورہ مقطع کے شعر کو خودستائی اور شاعرانہ تعلی پر محمول کر کے ان پر طنز

کیا جاتا رہا ہے۔ علم و ادب پر دسترس رکھنے والی بعض شخصیتیں تحقیق کی زحمت اٹھانے اور معترض کو راست جواب دینے کے بجائے سنی سنائی بات کو دہرا کر تسلی دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ مولانا کے برادر حقیقی حسن رضا داغ دہلوی کے شاگرد تھے۔ ایک بار وہ ان کے سامنے مولانا کی ایک نعت کے مطلع کا شعر ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

پڑھا تو داغ دہلوی عش عش کر اٹھے اور کہا کہ مولوی ہو کر اتنے اچھے شعر کہتا ہے اور

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

کہہ کر مولانا احمد رضا کی سخن دانی کی داد دی۔

حقیقت سے بعید تذکرہ کو سند کا درجہ دے کر کے اس کو لکھا جاتا، چھاپا جاتا اور بولا جاتا ہے۔ استاذ زمن حضرت حسن اپنے بھائی مولانا احمد رضا کا کلام داغ دہلوی کو سنایا اور داغ کلام سن کر عش عش کر اٹھے اور کہا مولوی ہو کر اتنے اچھے شعر کہتا ہے کا ثبوت تاریخ و ادب کی کتابوں میں ملتا ہے۔ مگر! ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم الخ کو داغ دہلوی کی طرف منسوب کرنا لغو اور احمد رضا پر بہتان باندھنا ہے۔ اگر سچ مان لیا جائے تو احمد رضا کے سر سرقہ خوئی کا الزام اور ان کی سخن فہمی پر داغ لگتا ہے کہ داغ دہلوی نے شعر پڑھا اور حسن رضا نے اس کو قلمبند کر کے مولانا احمد رضا کی خدمت میں پیش کر دیا اور مولانا مفت ہاتھ لگنے والی دولت کو اپنے دیوان میں شامل کر لیا۔ سقم کے باب کو وا کرتا ہے کہ مولانا احمد رضا اپنے ہم عصر علماء میں سب سے ممتاز اور منفرد ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ جس فن میں

قلم اٹھایا اس کو تمام کر کے ہی دم لیا۔ لاینحل مسائل کو دم کے دم میں سلجھانے والا۔ معدوم ہونے والے علوم کو از سر نو تازہ کر کے ان میں کثیر تصانیف چھوڑنے والا۔ جس کی ذات گوناگوں خوبیوں کا مرقع تھی۔ جس کی ذہانت وفطانت، طباعی وذکاوت کو دیکھ کر استاد نے کہا تھا "صاحبزادے سچ سچ بتادو میں کسی سے کہوں گا نہیں، تم انسان ہو یا جن ہو۔" (۱)

قوت حافظہ کا عالم یہ تھا کہ تیس دن میں پورا قرآن پاک حفظ کر لیا۔ علم قرآن میں "کنز الایمان" کی شکل میں بیش بہا ترجمہ موجود ہے۔ "واعظ ومقرر ایسا کہ محب الرسول مولینا شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عرس شریف میں بدایوں تشریف لے گئے وہاں ۹ بجے صبح سے ۳ بجے تک کامل چھ گھنٹے سورہ والضحیٰ پر تقریر فرمائی۔ مفسر ایسا کہ اسی "والضحیٰ" سورہ مبارکہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ کچھ آیات کریمہ کی تفسیر میں اسّی جز رقم فرما کر چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اتنا وقت کہاں سے لاؤں کہ پورے کلام پاک کی تفسیر لکھ سکوں۔ (۲)

علم حدیث کا ایسا ماہر کہ شیخ یسین احمد الخیاری المدنی نے علم حدیث میں مولانا بریلوی کے تبحر کو سراہتے ہوئے لکھا ہے۔ "وہ محدثین کے امام ہیں۔" (۳)۔ علم فقہ کا ایسا فاضل کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے فتاوی رضویہ کی بارہ جلدیں شاہد ہیں منجم ایسا کہ امریکی منجم پروفیسر البرٹ کی پیشن گوئی کو دلائل کی روشنی میں غلط ثابت کر دیا۔ علم ریاضی سے واقفیت کے بارے میں ڈاکٹر ضیاء الدین کہتے ہیں۔ "میرے سوال کا جواب بہت مشکل اور لاحل تھا ایسا فی البدیہہ جواب دیا گویا اس مسئلے پر

---

(۱) حیات اعلیٰ حضرت ص۲۴ ج ۱۔ از ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری۔

(۲) 〃 〃 〃 〃 ص۹۷ ج ۱۔ 〃 〃 〃 〃

(۳) حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی ص۱۵۔ ڈاکٹر مسعود احمد۔

عرصہ سے ریسرچ کیا ہے اب ہندوستان میں کوئی جاننے والا نہیں۔ (۴)

شعر و ادب کے متعلق ادیب و شاعر اور محقق کالی داس گپتا رقمطراز ہیں: ۔ نہیں معلوم کہ انہوں نے کسی سے باقاعدہ اصلاح لی تھی کہ نہیں تاہم ان کے کلام سے ان کے کامل صاحب فن اور مسلم الثبوت شاعر ہونے میں شبہ نہیں اور ان کی نعتیہ غزلیں تو مجتہدانہ درجہ رکھتی ہیں۔ کہیں تشبیہ ہے کہیں خیال گوئی، عاشقانہ رنگ جو تغزل کی جان ہے، اس رتبہ کا ہے کہ اگر نعت کے مخصوص رنگ کے اشعار الگ کر دیئے جائیں تو بقیہ اشعار ایک بہترین غزل کی شان کے حامل ہوں گے۔" (۵)

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں سندھ یونیورسٹی حیدر آباد سندھ رقم کرتے ہیں۔ " اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ اپنے دور کے بے مثل علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے فضل وکمال و فطانت طباعی و درّاکی کے سامنے بڑے بڑے علماء فضلاء، یونیورسٹیوں کے اساتذہ، محققین مشرقین نظروں میں نہیں جچتے۔ مختصر یہ کہ وہ کون سا علم ہے جو انہیں نہیں آتا تھا، وہ کون سا فن ہے جس سے وہ واقف نہیں تھے؟ شعر و ادب میں بھی ان کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔ اگر صرف محاورات، مصطلحات ضرب الامثال اور بیان بدیع سے تمام الفاظ ان کی جملہ تصانیف سے یک جا کر لیئے جائیں تو ایک ضخیم لغت تیار ہو سکتی ہے۔" (۶)

---

(۴) حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی ص۱۵۱ ڈاکٹر مسعود احمد

(۵) ماہنامہ قاری دہلی ص۴۵۶۔ اپریل ۱۹۸۹ء۔

(۶) حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی ص۱۵۱ ۔ ڈاکٹر مسعود احمد۔

ڈاکٹر حامد علی خاں لیکچرار شعبہ عربی علی گڈھ مسلم یونیورسیٹی تحریر کرتے ہیں:۔" علامہ رضا کی شاعری وہبی تھی۔ شاعری میں آپ کو کسی کا تلمذ نہیں تھا۔ خلاق عالم نے آپ کی طبیعت میں ایسی موزونیت ودیعت فرمائی تھی کہ آپ سخن فہمی، سخن سنجی، اور سخن گوئی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ اس لئے آپ کے کلام میں آمد ہی آمد ہے آورد کا نام نہیں۔ (۷)

امام احمد رضا نے فن سخن کی مختلف اصناف حمد، نعت، منقبت، قطعات، قصیدہ غزل، مثنوی، رباعیات کے علاوہ مستزاد صنعت اتصال تربیعی صنعت تجنیس، تجنیس مماثل، تجنیس مستوی صنعت تلمیع صنعت طباق وتضاد، لف ونشر اور تنسیق الصفات وغیرہ میں طبع آزمائی کرکے ید طولیٰ حاصل کیا تھا۔ داغ دہلوی کے ایک شعر پر کیوں کر فریفتہ ہو گئے؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو مقطع کے شعر کو خودستائی اور شاعرانہ تعلی پر محمول کر کے لوگ اپنا دامن بچانے اور خجالت مٹانے کے لئے افسانہ گڑھتے ہیں۔ اس سے چاہے علامہ رضا کی شخصیت مجروح کیوں نہ ہو جائے۔ حقیقت کی تلاش میں نکلنا اور جہد کرنا شرط ہے جب سراغ مل جائے گا تو لوگ خود کہہ اٹھیں گے کہ مذکورہ شعر کو داغ دہلوی کی طرف منسوب کرنا، امام احمد رضا کی شخصیت پر داغ لگانا ہے۔ مقطع میں تعلی یا تحدیث نعمت کے طور پر جو کچھ کہا گیا ہے اس کو خودستائی سمجھ کر لوگ شک میں پڑ جاتے ہیں کہ یہ انداز اپنے منہ میاں مٹھو بننے کا ہے۔ امام احمد رضا اپنے تئیں ایسا نہیں کہہ سکتے۔ لہذا اس مقطع کا خالق داغ دہلوی ہے جو علامہ رضا بریلوی کے اشعار سے محظوظ ہو کر بطور خراج عقیدت ان کی شان میں کہا تھا اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ مقطع

---

(۷) ماہنامہ قاری دہلی ص۴۳۴، اپریل ۱۹۸۹ء۔

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں !
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ مجھے شوخی طبع رضا کی قسم (۱)

کو کس جانب منسوب کیا جائے ؟ کیوں کہ اس شعر میں علامہ رضا بریلوی نے اپنے تئیں کہا ہے کہ ہند میں ان کے جیسا جادو بیاں واصف کوئی اور دوسرا نہیں ہے ایک مقطع اور دیکھئے ؎

جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیوں کر آئے
لا اُسے پیش جلوہ زمزمہ رضا کہ یوں !! (۲)

" لا اسے پیش جلوہ" کس بات کا پتہ دیتا ہے ؟

علامہ رضا بریلوی اپنی بے مثالی کے متعلق خود اپنی زبان سے یوں کہتے ہیں۔

مشہور جہاں دانی و عالی میں ہے
کیا شبہ رضا کی بے مثالی میں ہے (۳)

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب تحریر کرتے ہیں کہ شاعری میں مولانا بریلوی شہید جنگ آزادی مولانا کفایت علی کافی سے بہت متاثر تھے۔ چنانچہ غلام رسول مہر نے لکھا ہے " کافی کی غزلیں بہت پسند کرتے تھے۔ ان کو سلطان نعت کہتے تھے"۔ مولانا بریلوی کے دیوان حدائق بخشش " حصہ سوم " میں یہ رباعی ملتی ہے۔ ؎

مہکا ہے میرے بوئے دہن سے عالم ؞ یاں نغمۂ شیریں نہیں تلخی سے بہم
کافی سلطان نعت گویاں ہے رضا ؞ ان شاء اللہ میں وزیر اعظم (۴)

---

(۱) حدائق بخشش حصہ اول (۲) حدائق بخشش حصہ اول (۳) حدائق بخشش حصہ دوم۔

(۴) حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی ص ۱۵۲-۱۵۳

رباعی کے پہلے اور چوتھے بند میں علامہ رضا بریلوی نے جن باتوں کا اظہار کیا ہے ان کا خلاصہ ہے کہ ان کی نعت گوئی کی خوشبو سے پوری دنیا مہک اٹھی اور وہ اس فن کے وزیرِ اعظم ہیں ان اشعار کو ہم خوشی سے قبول کر لیتے ہیں تو پھر

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

کو تسلیم کرنے میں لیت ولعل کیوں ؟

امام احمد رضا فاضل بریلوی کو بسیار جہتی پر مکمل عبور اور زبان و بیان پر ملکہ حاصل تھا۔ آپ کے فن نعت گوئی اور شاعرانہ کمال کا اعتراف اہل علم اور اساتذۂ فن نے کیا ہے اس کے پیشِ نظر اگر وہ ملکِ سخن کی مسلّم سلطانی اور زبان دانی کے سکّے بٹھانے کی بات کہتے ہیں تو یہ شاعرانہ تعلّی نہیں بلکہ حقیقتِ واقعہ کا عکاس ہے اور اردو زبان میں تو اس کی ابتدا ہی سے شاعروں نے اپنی انفرادیت جتانے، ملکِ سخن آباد کرنے، زمینِ سخن کو آسماں کر دینے، خموشی کو زباں بخش دینے، زبانِ سخن کو بانکپن دینے اور اپنے شعر وسخن کے نہ مٹنے کا دعویٰ کرتے رہے ہیں۔ آیئے چند شاعروں کے کچھ اشعار کا مطالعہ کرتے ہیں۔

اسد اللہ وجہی نے قطب شاہی دور کے کئی بادشاہوں کا دور دیکھا۔ محمد قلی قطب شاہ کا دور وجہی کے عروج کا زمانہ تھا۔ اس دور میں وہ ملک الشعراء کہلایا۔ وجہی اپنے کمالِ فن کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ؎

ترا شعر سُن جی پگھلتا ہے یوں ؞ کہ پانی نے ابلوچ[1] گلتا ہے جیوں
تو وجہی کیا شعر کئی دہات[2] کا ؞ ہوا زیا سنت تج نے مزا بات کا

---

[1] برق۔ [2] طرز۔ مانند

وجہی کی مثنوی "قطب مشتری"، سن تالیف ۱۰۱۸ھ، اردو کی پہلی طبع زاد مثنوی سمجھا جاتا ہے۔ اپنی انفرادیت سے متعلق ایک جگہ اور کہتا ہے ؎

نہ پہنچے نہ پہنچا ہے گن گیان میں ؞ سو طوطی منج ایسا ہندوستان میں
جتے شاعراں شاعر ہو آئیں گے ؞ سو منج نے طرز شعر کا پائیں گے

محمد نصرت نصرتی متوفی ۱۰۸۵ھ علی عادل شاہ ثانی کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔ نصرتی کا "علی نامہ" عظیم ادبی تخلیقی شاہکار ہے۔ وہ اپنے قلم کی خوبیوں کے بارے میں کہتا ہے ؎

قلم ہے مرا مست ہاتی تے چڑھ[1] ؞ جدھر رخ کیا فتح کیتا[2] گکر[3]!
نشان آج منج طرز ہے بے مثال ؞ صفاں میں سخن کے تہی پر کی ڈھال
دیوے[4] شعر منج دل کوں مرداں کے جوش ؞ کہ ہر حرف ہے رستم زرہ پوش

ان اشعار پر اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر جمیلہ بیگم نیرؔ رقم طراز ہیں :۔ "یہ صرف شاعرانہ تعلی نہیں بلکہ اس کی شاعری کی وہ قوت اور اس کا وہ حقیقی معیار ہے جو اس نے علی نامہ میں پیش کیا ہے۔ نصرتی کا قلم ایسی روانی اور چابکدستی سے خیال و جذبہ کو اظہار کے سانچے میں ڈھالتا ہے۔ اس کا تخیل فضا اور موضوع کو اس طور پر سمیٹتا ہے کہ میدان جنگ کے نقشے، فوجوں کی معرکہ آرائی، قلعوں کے محاصرے، تلواروں کی تیزی، تیروں کی یورش، گھوڑوں کی چستی، فوجوں کا دبدبہ اور ساری کیفیات و مناظر کی جیتی جاگتی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ علی نامہ میں نصرتی تاثر کا صور پھونک کر خشک تاریخی واقعات میں

---

[1] چیرنا [2] زبان [3] کہہ کر [4] چراغ۔

اثر آفرینی کا عنصر شامل کر دیا ہے اور یہی تخلیقی عمل اس کی حقیقی عظمت کا ضامن ہے"۔(۵)

نصرتی کے چند اور اشعار کو پڑھئے۔ ؎

عجیب فن کی بولیا ہوں یہ مثنوی

کہ کئی بھانت ہے اس ہنر میں لوی

"یہ مثنوی میں نے عجیب وغریب لکھی ہے اور اس صنف میں یہ کئی لحاظ سے نئی ہے"

سنواریاں ہوں کئی بزم کے انجمن ؎ کھلایا ہوں خوش رزم کے پھول بن

نئے طرز کوں جو میں تزئین دیا ؎ کیتک بر محل وو ہچ تضمین کیا

"میں نے جدید طرز کو زینت دی ہے اور اسے برمحل استعمال کیا ہے"۔

کہ کیوں میں پکڑ آج بھانت ایک لوی

زبوں بات کوں کر دکھایا قوی!

"کہ میں نے کس طرح آج ایک نئے طرز کو اپنا کر ایک ادنی سی بات کو اعلیٰ کر دکھایا ہے"۔

نصرتی کو اپنی شاعرانہ صلاحیتوں اور فن کارانہ قابلیتوں پر بڑا فخر ہے۔ اس بات کا اظہار اس نے اپنی مثنوی میں کئی جگہ کیا ہے۔ ؎

کیا میں بچن بیل کر یوں بڈی

بڈی سو فلک کا ہچ منڈوا چڑی

"میں نے سخن کی بیل کو اس قدر اور یہاں تک بڑھایا وہ فلک کے منڈوے تک جا پہنچی"۔

---

(۵) نصرتی کا فن شاعری علی نامہ کی روشنی میں۔ داخل نصاب ایم اے، میسور یونیورسٹی میسور۔ Guide line No.136

چندر اور ستارے رہے دیکھ بھول
مضامین معنیاں کے مجھ پھل پھول!

چاند اور ستارے میرے مضامین و معانی کے پھل اور پھول کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

کسی کا بی ناہات اپڑ لشکر
رکھیا ہوں بی طاق گردوں پر

میں نے اپنا معیارِ سخن اس قدر بلند کیا ہے کہ اسے آسمان پر پہنچا دیا ہے تاکہ وہاں تک کسی کی رسائی نہ ہو سکے۔ (۶)

میر تقی میر متولد ۱۷۲۲ء کے کلام کو ان کی زندگی میں ہی شہرت حاصل ہوگئی تھی چنانچہ وہ اپنے شورِ سخن کے نہ جانے اور اپنے دیوان کو حشر تک باقی رہنے کا دعویٰ کیا ہے۔

جانے کا نہیں شورِ سخن کا میرے ہرگز
تا حشر جہاں میں میرا دیوان رہے گا

اسد اللہ خاں غالب متولد ۱۷۹۶ء م ۱۲۱۲ھ کی ترنگ اور شوخی ملاحظہ فرمائیے۔

ما نہ بودیم بریں مرتبہ راضی غالب
شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فن ما

ترجمہ :۔ یعنی میں شاعر بننے کے لئے راضی نہ تھا، بلکہ فن شاعری نے خود مجھ سے استدعا کی کہ مجھے اپنا فن بنا لیجئے۔

---

(۶) ڈاکٹر جمیلہ بیگم نیرہ۔ نصرتی کا فن شاعری، علی نامہ کی روشنی میں۔ داخل نصاب ایم اے میسور یونیورسٹی میسور۔ Guide line. No. 136

غالب کو اپنی سخن دانی پر پورا بھروسہ تھا اس لئے وہ اپنے ہم عصروں کو یہ کہہ کر دعوت دیتے ہیں ؎

برآورید گر ایں جا بود سخن دانے
غریب شہر ہائے گفتنی دارد

ترجمہ :۔ اگر کوئی اس شہر میں سخن ور ہے تو اس کو میرے سامنے لاؤ کیوں کہ مجھے بھی کچھ کہنا ہے۔

کسی قدیم شاعر کے قدم پر اگر قدم پڑ گیا تو فرماتے تھے کہ میرے شعر میں توارد نہیں ہوا ہے۔ بلکہ اس قدیم شاعر نے ازل میں میری متاع چرالی تھی ۔

مبر گمان توارد، بہ شعر من کہ دُزد
متاع من ز نہاں خانہ ازل بردست

"غالب اور تصوف" از محمد مصطفے صابری۔

غالب کی ایک غزل اور ایک سہرا کا مقطع کافی مشہور ہے جس میں انہوں نے اپنی سخن فہمی کی خوبیوں کا تذکرہ کیا ہے ۔ ؎

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

دیوان غالب۔ باب ر،ر

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں !
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

دیوان غالب ۔ بیان مصنف۔

میر انیس ۱۸۰۳ء م ۱۲۱۸ھ میں تولد ہوئے۔ انہوں نے مرثیہ نگاری کو کمال معراج عطا کیا۔ ان کی مراثی کا نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ سوز وگداز اور تاثیر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ میں نے زمین سخن کو آسمان کر دیا ہے۔ ؎

سبک ہو چلی تھی ترازوئے سخن ∴ مگر میں نے پلہ گراں کر دیا
میری قدر کر اے زمین سخن ∴ تجھے بات میں آسماں کر دیا

جگر مراد آبادی اپنی برتری کا اظہار یوں کرتے ہیں :۔ ؎

(۱) سب کو مارا جگر کے شعروں نے ∴ اور جگر کو شراب نے مارا
(۲) تیرا دیوانہ غریب جگر ∴ فخر ہندوستاں ہے پیارے
(۳) عالم مرا تمام ثنا خواں ہوا جگر ∴ میں آپ اپنے شعر کا جب قدرداں ہوا
(۴) میرا کمال شعر بس اتنا ہے اے جگر ∴ وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

کلیات جگر مراد آبادی ص ۶-۷۸-۱۲۲
آتش گل 〃 〃 ص ۲

عدم دعویٰ کرتے ہیں ۔ ؎

تیرے اندازِ تغزل میں وہ بجلی ہے عدم
جو کسی دوسرے محمل میں شرربار نہیں

سرو وسمن ص ۱۰۳

ناصر رضا کاظمی تخلص ناصر ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ غزل گوئی میں اپنا منفرد مقام رکھتے تھے۔ کہتے ہیں ؎ ہم نے آباد کیا ملک سخن
کیا سنسان سماں تھا پہلے

ہم نے بخشی ہے خموشی کو زباں
درد مجبورِ فغاں تھا پہلے!

اور کہتے ہیں کہ میرے مرنے کے بعد: ؎

زباں سخن کو سخن بانکپن کو ترسے گا
سخن کدہ میری طرزِ سخن کو ترسے گا

شعرائے قدیم وجدید کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعرانہ تعلّی یا حقیقت واقعہ کی عکاسی میں علامہ احمد رضا خاں بریلوی کا خیال جدید یا اس اختراع کے وہ تنہا موجد نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ ایک قافلہ ہے۔
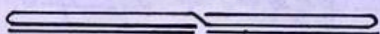
اگلوں نے بھی لکھا ہے بہت علم دین پر!

جو کچھ ہے اس صدی میں وہ تنہا رضا کا ہے

از: ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی

دہلی

حامدِ غفار ہے احمد رضا	واصفِ سرکار ہے احمد رضا
حمدِ باری نعتِ سرور کے طفیل	چیدۂ ابرار ہے احمد رضا
حمد کے لائق ہے ذات کردگار	مدح کا حقدار ہے احمد رضا
نعت ہے شایانِ شانِ مصطفیٰ	جس کا پیرو کار ہے احمد رضا

زبدۃ الآثار ہے احمد رضا	بہجۃ الاسرار ہے احمد رضا
کاشف الاستار ہے احمد رضا	عمدۃ الاخیار ہے احمد رضا
حیدرِ کرار ہیں صہرِ رسول	حیدری کردار ہے احمد رضا
قصرِ دینِ پاک ہے ذاتِ حسین	اور پہرے دار ہے احمد رضا
عابدِ بیمار ہیں ابنِ حسین	آپ کا بیمار ہے احمد رضا

ذاتِ باقر علم کی بنیان ہے — علم کا مینار ہے احمد رضا
غوثِ اعظم شاہِ پیران پیر کا — ظلِّ سایہ دار ہے احمد رضا
مرحبانِ دورِ حاضر کے لیۓ — حیدری تلوار ہے احمد رضا
گردنِ اعداۓ دیں کے واسطے — خنجرِ خونخوار ہے احمد رضا
نجدیت کے فرقِ باطل کے لیۓ — تیر ہے تلوار ہے احمد رضا
جو رسولِ پاک کے گستاخ ہیں — انکو رب کی مار ہے احمد رضا
حق سے جن کے نہ اترا قولِ حق — انکو سم الفار ہے احمد رضا
دیدہ حق بیں نہیں جن کو نصیب — ان کو نوکِ خار ہے احمد رضا
دافع و ناصب سب انکے ہیچ ہیں — سب کو حرفِ جار ہے احمد رضا

اہلسنت کی صیانت کے لیۓ — آہنی دیوار ہے احمد رضا
سنیت کا اہلسنت کے لیۓ — کامل المعیار ہے احمد رضا
مرکزیت ہے بریلی کو نصیب — نقطۂ پرکار ہے احمد رضا
اچھے اچھوں سے بھی اچھا کیوں نہ ہو — غوث کا بیمار ہے احمد رضا
ایک میخانہ ہے مارہرہ شریف — ایک بادہ خوار ہے احمد رضا
جو گیا مستِ مۓ ھو ہو گیا — خانۂ خمّار ہے احمد رضا
ایک مۓ دو کیفیت یعنی کبھی : — بیخود و سرشار ہے احمد رضا
اور اسی جامِ تولّا سے کبھی — آگہہ و ہشیار ہے احمد رضا
اچھے پیارے کا چہیتا کیوں نہ ہو — خود بھی خوش اطوار ہے احمد رضا

زاہدِ خم ریز ہیں آلِ رسول ، صوفی میخوار ہے احمد رضا

غوثیت کی شان ہیں آلِ رسول غوثیت اظہار ہے احمد رضا

مخزنِ برکات ہیں آلِ رسول محرمِ اسرار ہے احمد رضا

سید السادات ہیں آلِ رسول سید سالار ہے احمد رضا

ہمدم و ہمراز ہیں آلِ رسول مونس و غمخوار ہے احمد رضا

عالم ذیجاہ ہیں آلِ رسول زینتِ دستار ہے احمد رضا

حسن کی سرکار ہیں آلِ رسول عشق کا دربار ہے احمد رضا

مہر عالمتاب ہیں آلِ رسول پرتوِ انوار ہے احمد رضا

دیدنی ہے چہرۂ آلِ رسول آئینہ رخسار ہے احمد رضا

احمدِ نوری کے فیضِ نور سے مطلع انوار ہے احمد رضا

نوریوں میں پل کے نورانی ہوا چاند سا ضوبار ہے احمد رضا

آگے پیچھے نوریوں کی بھیڑ ہے مجمع الانوار ہے احمد رضا

جلوہ حق آشکارا کیوں نہ ہو آئینہ بردار ہے احمد رضا

ہر متاعِ دین و دانش ہے یہاں مصطفےٰ بازار ہے احمد رضا

دور کا ہے اپنے یکتائے کمال رائس ہر سردار ہے احمد رضا

علم قرآن وحدیث وفقہ میں بے سہیم کار ہے احمد رضا

فن معقولات ونحو وصرف میں مثل سے بیزار ہے احمد رضا

بے عدیل و بے مثیل و بے بدیل شاعر و نثار ہے احمد رضا

بحرِ ہست و بود و کانِ جود کا   گوہرِ شہوار ہے احمد رضا

کون سمجھے گا خدا کے بھید کو   عالمِ اسرار ہے احمد رضا

رب جسے توفیق دے اس پر فقط   ظاہر آں مقدار ہے احمد رضا

کارواں ہے جانبِ منزل رواں   قافلہ سالار ہے احمد رضا

شدّتِ رنج و محن کی دھوپ میں   سایۂ دیوار ہے احمد رضا

بیکسی اپنا ٹھکانہ ڈھونڈ لے   بیکسوں کا یار ہے احمد رضا

ہر نفس وقفِ درود پاک ہے   روز و شب بیدار ہے احمد رضا

علم جس کی ناز برداری کرے   وہ ترا کردار ہے احمد رضا

قدر جس کی قدر افزائی کرے   وہ تری سرکار ہے احمد رضا

فضل جس جا جلوہ آرائی کرے   وہ ترا دربار ہے احمد رضا

مرتبت جس کی پذیرائی کرے   وہ ترا گھر بار ہے احمد رضا

ہم گراں خوابانِ امّت کے لئے   دولتِ بیدار ہے احمد رضا

ہم گنہ گاروں کی جانب سے شررؔ
بہرِ استغفار ہے احمد رضا

منقبت در شانِ امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ

مولانا سید اولاد رسول قدسی مصباحی، ایم اے (انگلش)
مہتمم مدرسہ جامع العلوم، شریف جلال پور،
ضلع سیوان، (بہار)

اسلام کے اصول کی نوری کتاب ہو
ایماں کی عظمتوں کے ضیا بار باب ہو

مرہون ہے زمانہ تمہارے فیوض کا
مردہ دلوں کے واسطے تم ماہتاب ہو

ایثار، عشق، علم، ولایت، قلم، جہاد
اوصاف کی بہار، چمکتے شہاب ہو

ماحول میں فساد ہے آجاؤ تم اگر
موت آئے مفسدوں کو تو شر آب آب ہو

ا　انجان ہم سبھی تھے وہابی کے مکر سے
اک اک سے باخبر کیا، حق کے خطاب ہو

ح　حاصل ہوئی ہے تم سے حقیقت کی روشنی
حامل ہو مدحتوں کے تقدس مآب ہو

م　مسرورِ زندگی ہے معطر مشامِ جاں
مہرِ کرم! سنن کے مہکتے گلاب ہو

د　داخل نجات میں ہیں تمہاری محبتیں
دعویٰ کی خود دلیل مکمل جواب ہو

ر　راہِ عمل کے واسطے مخزن ہو نور کے
رحمت کے مستحق ہو سراپا ثواب ہو

ض　ضیغم ہو شاہِ کون و مکاں کے کچھار کے
ضامن ہو سنیت کے حسیں آفتاب ہو

ا　اعداءِ دیں کے واسطے سیفِ ادق ہو تم
اپنوں کے سر پہ فیضِ مسلسل سحاب ہو

خ

خوگرِ فنا کے شمع ہو راہِ سلوک کی
خیرِ بقا میں بخت کے لبِّ لباب ہو

ا

آثارِ ارتقا میں ثریا کے ہو مثیل
انوارِ چرخ خلق کی قسمت کے خواب ہو

ن

نخلِ حیاتِ دیں کے ہو تابندہ اک ثمر
نااہل کے لئے تو فقط اک سراب ہو

قدسی تمہارے مسلکِ حق کا ہے اک امیں
گرنے نہ پائے یہ کبھی ایسا عقاب ہو

فتاویٰ رضویہ کا علمی مقام

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
صدر شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی،
لاہور، پاکستان۔

اسلام میں فتویٰ نویسی ایک دینی فریضہ بھی ہے اور ایک مہتم بالشان فن بھی، لیکن یہ فریضہ جتنا نازک اور اہم ہے، یہ فن اسی قدر مشکل اور پیچیدہ ہے۔ کتاب اللہ میں افتاء کے منصب کی نسبت اللہ رب العزت سے بیان ہوئی ہے۔

(قل اللہ یفتیکم)

یہ بات بھی اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ فتویٰ، افتاء اور مفتی کے الفاظ زبان نبوت پر بھی جاری ہوئے۔ اسی طرح عہد نبوی کے ساتھ ساتھ خلفائے راشدین کے عہد مبارک میں عطائے فتویٰ یا افتاء کا منصب بہت اہم اور اونچا منصب تھا۔ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں فتویٰ نویسی یا افتاء اور مفتی کا منصب ہمیشہ نہایت اہم اور بلند متصور ہوتا رہا ہے لیکن

یہ سب باتیں ایک اہم موضوع اور دلچسپ مطالعہ سہی مگر ان باتوں کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ، تاہم اس بات کی طرف ایک مختصر اشارہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا کہ گذشتہ بارہ تیرہ صدیوں کے دوران میں برعظیم پاکستان وہندوستان کے علمائے کرام نے فتویٰ نویسی کے میدان میں جو عظیم خدمات انجام دی ہیں اور منصب افتاء نے ملت اسلامیہ کو جو رہنمائی مہیا کی ہے وہ جہاں قابل قدر ہے ، وہاں باعث فخر بھی ہے ۔

برعظیم پاک وہند ان اسلامی خطوں میں شامل رہا ہے جہاں امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کا دور دورہ رہا ، یہاں کے علمائے حنفیہ نے فقہ اسلامی کی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے ۔ سیرت نبوی کی طرح علوم شریعت بھی اس خطے کے اہل علم کے نزدیک ایک مہتم بالشان اور نہایت مرغوب موضوع رہا ہے ۔ یہاں کے علماء نے علوم فقہیہ یعنی فقہ ، اصول فقہ اور فتوے نویسی کے علاوہ شرعی علوم کے دیگر بے شمار پہلوؤں کو اپنے مطالعہ وتوجہ کا مرکز بنائے رکھا ۔ عربی ، فارسی ، اردو اور دیگر علاقائی زبانوں میں شرعی علوم کا اتنا وسیع ذخیرہ تیار کیا ہے جو ملت کا نہایت قیمتی سرمایہ ہے اور اس کا احاطہ کرنا کسی مؤرخ کے لئے آسان نہیں ہوگا ۔ برعظیم پاک وہند کے اکابر اصناف کے اس عظیم القدر علمی وفقہی سرمایہ فخر میں امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" جو فتاویٰ رضویہ کے نام سے مشہور ومتداول ہیں بلاشبہ ایک منفرد اور قیمتی سرمایہ ہے ۔

برعظیم جنوبی ایشیاء یا پاک وہند کے علمائے اسلام نے فقہ اسلامی کے فتاویٰ کا جو عظیم القدر ذخیرہ عربی زبان میں مرتب کیا ہے اس کی فہرست بہت طویل ہے اور اس میں تعدد وتنوع بھی ہے اور اس میں حسن وخوبی کے عناصر بھی موجود ہیں ، اسی طرح اسلامی ہند کی سرکاری زبان فارسی ہونے کے باعث اس زبان میں بھی لاتعداد چھوٹے بڑے فتاویٰ مرتب ہوئے جن میں سے بہت سے ابھی

تک زیورِ طباعت سے آراستہ بھی نہیں ہو سکے۔ یہی حال ان فتاویٰ کا بھی ہے جو اردو، عربی یا اردو فارسی کا امتزاج پیش کرتے ہیں۔ یہ ہماری بہت بڑی بدقسمتی ہے اور افسوسناک کوتاہی کہ ہم اپنے بزرگوں کی میراث کو بھی نہیں سنبھال سکے۔ سب سے زیادہ افسوس اہلِ دولت و ثروت مسلمانوں پر ہے جو اپنی دولت کا حقیر سا حصّہ بھی کارِ ثواب سمجھ کر ہی وقف کرنے سے قاصر ہیں۔ مگر اس سے کہیں زیادہ افسوس ان اہلِ علم پر ہے جو ابتدائی قدم اٹھانے یا عملی تحریک کرنے سے بھی عاجز ہیں۔ علم کو سنبھالنے اور علمی میراث کو محفوظ کرنے کا اصل کام آخر مسلمان علماء کا ہے یہ حضرات نہ صرف یہ کہ اس علمی ورثے کی نوک پلک درست کر کے مسلمان اہلِ دولت و ثروت کو سرمایہ خرچ کرنے کی تحریک بھی کر سکتے ہیں بلکہ وہ ان علمی کاوشوں پر اضافے اور ترقی کا کام بھی انجام دے سکتے ہیں۔ اس کی روشن مثال ہمارے دوست و کرم فرما حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی کی ہے۔ آپ بعض احباب کے مشورے اور تعاون سے لاہور میں " رضا فاؤنڈیشن " جیسا عظیم الشان ادارہ قائم کرنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں جو " فتاویٰ رضویہ " کی جدید طباعت و اشاعت کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ میں صمیمِ قلب سے حضرت مولانا کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے ان کی کامیابی کے لئے دعا گو ہوں مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے اس نیک مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ انشاء اللہ۔

" فتاویٰ رضویہ " کی جو مجلدات رضا فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام شائع ہوئیں اور میری نظر سے گزری ہیں ان میں صحت و حسنِ طباعت کے اہتمام کے ساتھ ساتھ مولانا فاضل بریلوی کے فقہی افکار و معارف کو آسان سے آسان تر بنانے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ یہ کوشش یقیناً سعی مشکور کے ضمن میں آتی ہے اور ہم سب کی طرف سے تحسین و تبریک کے ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی اور قدر دانی کی بھی مستحق ہے یوں تو اس کارِ خیر میں حضرت مولانا ہزاروی سے تعاون کرنے والوں اور ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے والوں میں بہت سے نیک نام ہیں مگر ان میں سے قیامِ رضا فاؤنڈیشن کے

محرک مولانا احمد نثار بیگ، علامہ سید شجاعت علی قادری مرحوم و مغفور، مولانا عبدالحکیم شرف قادری، مولانا نذیر احمد سعیدی اور مولانا عبدالستار سعیدی کے نام خصوصی تذکرے کے مستحق ہیں جہد و تعاون کا یہ سلسلہ جاری رہا تو امام احمد رضا بریلوی کا یہ عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا بہت جلد مکمل طور پر منظر عام پر آجائے گا۔ میری رائے میں امام اہل سنت کی خدمت اقدس روحانی میں اس سے بہتر اور کوئی خراج عقیدت پیش نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی یہ جلیل القدر اور عظیم الفائدہ علمی کاوش افادۂ عامہ و خاصہ کے لئے پیش کی جاسکے۔

فتاویٰ رضویہ کی مطبوعہ مجلدات پر ایک اجمالی نظر ڈالنے سے جو مجموعی تاثر ملتا ہے وہ یہ ہے کہ فاضل بریلوی دیگر مفتیان برعظیم پاک و ہند میں ایک نہایت بلند اور منفرد مقام رکھتے ہیں اور ان کے یہ فتاویٰ اپنی عظیم تر، افادیت کے ساتھ ساتھ ایک ایسی انفرادیت بھی رکھتے ہیں جو تنوع، ایجاز، جامعیت اور باریک بینی کے علاوہ ایک مصنف کے کمال حسن، وسعت نظر، عمق بصیرت، ظرافت طبع، اور جزئیات میں کلیات، اور کلیات میں جزئیات کو ایک خاص رنگ میں پیش کرنے کی فقیہانہ مہارت سے قاری کی قوت فیصلہ اور قلب و روح کو متاثر کرتی نظر آتی ہے۔ یہ وہ انفرادیت اور امتیاز ہے جو برعظیم پاک و ہند کے مفتیان عظام کے حصے میں بہت کم کم آیا ہے مگر فتاویٰ رضویہ کے مصنف کے ہاں کثرت و مقدار وافر کے ساتھ میسر ہے۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے فتاویٰ کے مختلف الواب فقہیہ میں سے بعض موضوعات منتخب فرمائے ہیں۔ اور ان میں سے ہر موضوع پر ایک الگ اور مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے یہ رسائل جہاں بلند درجہ تحقیق و تدقیق کے آئینہ دار ہیں وہاں تمام متداول فقہی مصادر و ماخذ کا نچوڑ بھی پیش کرتے ہیں۔ مصنف کی یہ کوشش لائق تحسین ہے کہ وہ ان مختلف متنوع مصادر کی مختصر ترین عبارات بلکہ جملوں کو منتخب کرتے ہیں،

اور انہیں کمال مہارت سے یکجا کر کے یوں جوڑ دیتے ہیں کہ وہ ایک مسلسل عبارت بن جاتی ہے یوں لگتا ہے جیسے یہ عبارات کے ٹکڑے یا جملے مختلف مصنفین نے اسی غرض سے تخلیق کیے تھے کہ وہ ان فقہی موضوعات پر مشتمل رسائل کی عبارات کی زینت بنیں۔ یہ کام جہاں دقت نظر اور کمال ادراک و انتخاب کا متقضی ہے وہاں قوت حافظہ اور زبان پر کامل عبور کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ ان مختصر مگر جامع رسائل کا ایک انفرادی امتیاز یہ بھی ہے کہ فاضل بریلوی نے ان کے تسمیہ میں بڑے تفنن طبع اور فقیہانہ بصیرت سے کام لیا ہے۔ کتابوں کے تسمیہ میں نزاکت و ظرافت کی یہ روش برعظیم کے علمائے اسلام کا طرۂ امتیاز رہا ہے اور مولانا احمد رضا بریلوی اس میدان میں امامت و مہارت کا شرف رکھتے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ کی ایک انفرادیت یہ بھی ہے کہ ان کا فاضل مصنف کوئی عام عالم دین یا محض مفتی و فقیہہ نہیں بلکہ ایک کثیر الجوانب عبقری یعنی ورسٹائل جینیئس (verstile genious) ہے۔ اس لئے نہ تو ان کی نظر محض فقہی پہلو پر محدود و مرکوز رہتی ہے اور نہ ان کی بات میں کسی پہلو کی تشنگی یا اسے نظر انداز کرنے کا احساس ہوتا ہے، بلکہ ان کے انداز بیان سے منقولات اور معقولات کے ہر علم و فن کے تقاضوں کی تسکین ہوتی ہے۔ فاضل بریلوی ارشاد نبوی العلم علمان علم الادیان و علم الابدان کی حقیقت سے نہ صرف آگاہ تھے بلکہ اس پر عمل پیرا بھی تھے۔ وہ علم ادیان یعنی شرعی علوم اور علم ابدان یعنی سائنسی علوم پر یکساں عبور کے قائل تھے۔ شریعت کے علوم قرآن و حدیث سے شروع ہوئے اور عربی زبان و ادب کی جزئیات سے ہوتے ہوئے فقہہ و کلام اور جدل و مناظرہ تک پہنچے ہیں اسی طرح سائنسی علوم کا دائرہ بھی وسعت پذیر اور لا محدود ہے اس لئے شریعت ان مفید و نافع علوم سے اعراض نہیں سکھاتی بلکہ ان میں کمال پیدا کرنے کی دعوت و تلقین اس شریعت کا امتیاز ہے۔

وقت کی رفتار تغیر بڑی تیز ہے جو اس رفتار تغیر کا ساتھ نہ دے سکے اُسے وقت کی تلوار کاٹ

کررکھ دیتی ہے جو شریعت یا قانون وقت کی اس رفتار تغیر کا مقابلہ نہ کرسکے اس کا نابود ہونا یقینی ہے لیکن اسلامی شریعت تو زمان ومکان کی قید سے آزاد وماورا ہے اس لئے یہ شریعت ہر زمان وہر مکان کے لئے ہے۔ اسی حوالے سے اسلامی شریعت کے ماہر فقیہہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی فکری صلاحیتوں سے وقت کی رفتار تغیر کا صرف ساتھ ہی نہیں بلکہ اس کا مقابلہ بھی کرسکے۔ یہ فکری صلاحیتیں دو چیزوں کی محتاج ہوتی ہیں ان میں ایک خداداد عبقریت اور دوسرے علم ادیان کے ساتھ علم ابدان یعنی سائنسی علوم کا ماہر ہونا ہے۔ امام احمد رضا خاں بریلوی میں یہ دونوں صلاحیتیں بتمام وکمال موجود ہیں بلکہ ہر زمان ومکان کے فقیہہ ہیں۔ جس طرح اسلامی شریعت زمان ومکان کی قید سے آزاد ہے اسی طرح اس کا ماہر فقیہہ جو خداداد عبقریت اور سائنسی علوم خصوصاً طب وریاضی اور فلسفہ وہیئت کے بھی امام ہیں وہ بھی زمان ومکان کی قید سے آزاد ہیں وہ جدید زندگی کے مسائل کو اسلامی فقہ کی روشنی میں اس طرح حل کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔
"فتاوی رضویہ" اس دعویٰ پر شاہد عدل ہیں۔ تمام فصول اور ابواب میں وہ فقہی مسائل کو عصر حاضر کی زبان میں حل کرتے ہیں۔ ان کے تمام فتاوی عقلی ونقلی استدلال پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شریعت نہ صرف یہ کہ عقل کے خلاف نہیں بلکہ عقل کے لئے نشو ونما کا سامان بھی کرتی ہے۔ اظہار وبیان کا وسیلہ زبان ہوتی ہے۔ فقیہہ اور مفتی کے لئے اظہار وبیان کی قدرت ایک لازمی اور ضروری صفت ہے ورنہ مسائل ومشاغل کی تفہیم آسان نہ ہوگی۔ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس میدان کے مرد میداں ہی نہیں شہسوار بھی ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو پر انہیں جو کامل عبور تھا اس کا ایک ثبوت تو ان تینوں زبانوں میں ان کے شاعرانہ کمالات ہیں جو نعت اور مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف ہیں، مگر "فتاوی رضویہ" میں بھی وہ اظہار وبیان کے وسائل یعنی زبان کے ادبی اسلوب سے قاری کے ذہن کی چٹکیاں

لیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ الفاظ کو نئے معنی پہنانا اور مرکبات و کلام تضمین کے طور پر یوں استعمال کرنا کہ وہ انگشتری میں نگینہ جڑ دینے کا منظر پیش کرتے ہوئے نظر آئیں۔ یہ صرف قادر الکلام شاعر اور باکمال ادیب ہی کر سکتا ہے۔

اختصار سے کام لیتے ہوئے یہاں صرف "فتاویٰ رضویہ" کی جلد اول کے دو تمہید عنوانات یعنی "خطبۃ الکتاب" اور "صفۃ الکتاب" کے علاوہ مستقل فقہی موضوع پر لکھے جانے والے پہلے رسالے "اجلی الاعلام ان الفتوی مطلقا علی قول الامام" کے خطبے کی طرف اشارہ کافی ہوگا۔
خطبۃ الکتاب میں فقہ حنفی کی امہات الکتب کے اسماء اور فنی مصطلحات کو بطور تلمیح و براعت استہلال، استعمال کر کے جو سماں باندھا ہے وہ کچھ انہیں کا کمال ہے۔ الفاظ پرانے ہیں مگر بطور تلمیح استعمال ہو کر نئے معانی کا لباس بن گئے ہیں۔

الحمد للہ ھو الفقہ الاکبر والجامع الکبیر لزیادات فیضہ المبسوط الدرر الغرر، بہ الھدایۃ ومنہ البدایۃ والیہ النھایۃ (یعنی سب حمد اللہ کے لئے ہے یہی سب سے بڑی سمجھ اور اضافوں کو یکجا کرنے والی بات ہے اس کا فیض ہے جو پھیلا ہوا ہے جیسے چمکتے ہوئے موتی ہوں۔ اسی ذات سے ہدایت وابستہ ہے وہی اول اور وہی آخر ہے) یہ تو وہ نئے معنی ہیں جو ان پرانے الفاظ کے لباس میں یہاں وارد ہوئے ہیں مگر ان کے پرانے معنی فقہ حنفی کے امہات الکتب کے نام ہیں فقہ اکبر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، جامع کبیر۔ زیادات فیض مبسوط، درر، غرر، ہدایہ اور بدایہ و نہایہ، یہ سب کتب فقہ ہیں مگر زبان عربی پر عبور رکھنے والے نے ان پرانے الفاظ سے دوہرا کام لے کر اپنے مہارت و عبقریت کا ثبوت دے دیا ہے۔

اسی تمہید کتاب میں صفۃ الکتاب کے عنوان سے کتاب کا تعارف کراتے ہوئے قرآنی الفاظ

وتراکیب سے برکت و سعادت کا جو سماں باندھا گیا ہے وہ کسی فنانی العربیہ اور ماہر کلام ربانی کا پتہ دیتا ہے۔ رسالہ اجلی الاعلام میں بھی یہی رنگ کمال نظر آتا ہے۔ یہاں پر مصنف عربی زبان کے اسالیب نگارش پر عبور رکھنے کے علاوہ جدت تعبیر سے کام لینے میں بھی لاثانی نظر آتے ہیں۔ فقہ جیسے خشک مضمون میں اس جدت تعبیر نے جو رنگ پیدا کیا ہے اس نے دلچسپی میں اضافہ کر دیا ہے۔ فقہی نصوص کے صحیح ادراک وقت نظر و باریک بینی، بداہت قول و حاضر جوابی، منطقی و موثر طریقہ استدلال اور حسن استنباط و استنتاج میں فاضل بریلوی کا کوئی جواب نہیں۔ یہاں پر میں ایک خاص بات کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں جو میں نے محسوس کی ہے۔ یوں تو برعظیم پاک و ہند کے نامور عربی دانوں اور علوم اسلامیہ کے ماہرین کے علمی کارناموں سے اپنے اور بیگانے سبھی ناآشنا اور کم آگاہ ہیں مگر ان میں بعض اہل علم تو بے قدری اور احسان ناشناسی کی حد تک گمنام چلے آتے ہیں اور لوگ ان کے حقیقی مقام اور مرتبے کے منکر دکھائی دیتے ہیں۔ برعظیم کی جن ہستیوں کو دانستہ یا نادانستہ طور پر فراموشی و بے قدری کا مستحق گردانا گیا ان میں سے ایک کا تعلق سر زمین پنجاب سے ہے اور دوسرے کا تعلق علم و ثقافت کے خطے یوپی سے ہے۔ پنجاب کی نادرۂ روزگار ہستی اور بے مثال عبقری تو مولانا عبد العزیز پرہاروی تھے جو مشہور عرب شاعر ابو القاسم الشابی اور ایک انگریز شاعر کیٹس کی طرح جوانی میں ہی دنیا سے کوچ کر گئے مگر علمی کارناموں کے لحاظ سے ان کی مختصر عمر بھی طویل مدت ثابت ہوئی۔ مولانا پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ حسب شہرت اور عزت کے مستحق تھے وہ نہ تو انہیں زندگی میں مل سکی اور نہ موت کے بعد گمنامی کا پردہ چاک ہو سکا۔ پنجاب کے اس عظیم عبقری اور عالم دین کو کما حقہ متعارف کرانے کا شرف اللہ نے مجھے بخشا ہے ان کے متعلق خود بھی لکھا ہے اور دو مقالے پی ایچ ڈی کے بھی میری نگرانی میں ہو رہے ہیں۔

خطہ علم و ثقافت یوپی سے اٹھنے والی ہستی فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں ہیں جن کے علمی

کارناموں سے شدید اغماض برتا گیا بلکہ ان کے فضل وکمال سے انکار کیا گیا، یہی نہیں بلکہ بدنامی کی جسارتیں بھی ہوتی رہیں۔ بظاہر اس کے تین اسباب نظر آتے ہیں۔ پہلا سبب تو خود ان کے نام لیواؤں کی کمزوری ہے جو ان کے علمی کارناموں کو عام کرنے کی سنجیدہ کوشش نہ کرسکے۔ الا ماشاء اللہ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ عالمی ادارے یا تنظیمیں جو برعظیم میں اہل علم کو متعارف کرانے کے ذمہ دار تھے وہ حضرت فاضل بریلوی کی قدرشناسی اور اعتراف فضل سے گریزاں رہے۔ میرے خیال میں اس کا تیسرا سبب حسد و رقابت کے جذبات ہوسکتے ہیں۔ معمولی آدمیوں کو ایسے حادثے کم پیش آتے ہیں مگر غیر معمولی ذہانت وقابلیت کے مالک انسانوں کے لئے مخالفت وعداوت اور حسد ورقابت بھی غیر معمولی نوعیت کی سامنے آتی ہے۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کثیر الجوانب عبقریت کے مالک تھے غالباً اسی وجہ سے ان کے علمی کارناموں کو پردۂ خفا میں رکھنے اور خاک ڈالنے کی کوشش بھی ہوسکتی ہے۔

بہرحال یہ بات باعث اطمینان ہونی چاہئے کہ اب برعظیم پاک وہند میں ایسے افراد و ادارے وجود میں آچکے ہیں جو فاضل بریلوی کے تعارف کے ضمن میں تلافی مافات کے لئے کوشاں ہیں۔

تاثرات کی ترتیب میں بھول ہوئی ہے ہم اس کے لیے معذرت کے طالب ہیں۔

رحمت اللہ صدیقی

۹۲/۷۸۶

الحاج حضرت صوفی عیسیٰ نوری صاحب

ماہم شریف بمبئی۔

بانی و مہتمم مدرسہ فیضان رضا اعظم گڈھ، یوپی۔

"مجلہ پیغام رضا" کے امام احمد رضا نمبر کی اشاعت کی خبر سن کر بے پناہ مسرت ہوئی۔ پیغام رضا کو عام کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ امام احمد رضا نے مخالفتوں کے ہجوم میں احقاق حق و ابطال باطل کا فریضہ انجام دیا، اور زبان و قلم کی پوری توانائی صرف کر کے اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے میں پورے طور پر کامیاب ہوئے۔ ان کے جلائے ہوئے چراغ عشق رسالت سے پوری دنیا روشن و منور ہے ان کے مشن کی حفاظت و اشاعت ہماری ملی ذمہ داری ہے۔ مولانا رحمت اللہ صدیقی نے اس ذمہ داری کو محسوس کیا اور ہم تشنہ کاموں سے آگے نکل گئے۔ ہم پیغام رضا کی اشاعت پر مولانا موصوف اور ان کے رفقائے کار کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں اور

دعا گو ہیں کہ رب تعالیٰ اس نمبر کو مقبول عام کرے اور اراکین ادارہ کو جزائے خیر عطا فرمائے (آمین) بحق سید المرسلین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

فقط

اسیر مفتی اعظم
عیسیٰ لنوری۔ ماہم شریف بمبئی۔
۱۳ شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ
۵ جنوری ۱۹۹۶ء۔

پیکر اخلاص الحاج سراج الدین خاں صاحب

ساکی ناکہ بمبئی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے ہزاروں نقوش ہیں اور ہر ایک کا رشتہ شریعت اسلامیہ سے بڑا گہرا ہے ناموس رسالت اور تقدیس الوہیت کی تاحیات وہ محافظت فرماتے رہے، اس راہ میں انہیں شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی ذات کو بے بنیاد الزامات کا نشانہ بنایا گیا اور تاریخ کے اوراق سے انہیں ہٹانے کی ہر ممکن کوشش عمل میں لائی گئی اور آج بھی یہ عمل جاری ہے۔ اس کے باوجود امام احمد رضا کی شخصیت مسلمانوں کے لئے نشان منزل بن گئی ہے۔

اس دور خود پرستی میں مولانا رحمت اللہ صدیقی نے پیغام رضا کے ذریعے امام احمد رضا

کی تعلیمات کو عام کرنیکا جو نیک قدم اٹھایا ہے وہ لائق تحسین ہے۔ ہم پیغام رضا کی اشاعت پر نیک خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور اراکین ادارہ کے لئے استقامت کی دعائیں کرتے ہیں۔ وہ دن ہمارے لئے عید سے کم نہ ہوگا جس دن یہ نمبر ہمارے ہاتھوں کی زینت ہوگا۔ رب کائنات ملت کے فرد کو پیغام رضا کی اشاعت کی توفیق دے۔ آمین

فقط

نیازمند،

سراج الدین خاں قادری

بمبئی

الحاج سعید نوری صاحب بانی و سربراہ

رضا اکیڈمی، بمبئی ۳

کیوں رضا آج گلی سونی ہے

اٹھ میرے دھوم مچانے والے

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب صدیقی قادری رضوی سے معلوم ہوا کہ "پیغام رضا" کا "امام احمد رضا نمبر" شائع ہو رہا ہے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ الحمد للہ جہاں سنیت کے تعلق سے اس کے کام میں بیداری اور تیزی آئی ہے وہیں رضویات پر بھی خاصہ کام ہو رہا ہے۔ آج ضرورت ہے کہ سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت امام اہلسنت کے پیغام کو "پیغام رضا" کے ذریعے گھر گھر پہنچایا جائے۔ کسی کہنے والے نے کہا ہے اور خوب کہا ہے کہ امام احمد کسی فرد واحد کا نام نہیں ہے، بلکہ

تقدیس رسالت کی تحریک کا نام ہے عامۃ المسلمین کے زندہ ضمیر کا نام ہے عشق مصطفےٰ میں ڈوب کر دھڑکنے والے پاک اور بابرکت دل کا نام ہے۔ ؎

سب ان سے جلنے والوں کے گل ہوگئے چراغ
احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی

اس فقیر حقیر اسیر مفتی اعظم اور تمام اراکین رضا اکیڈمی کی نیک خواہشات آپ کیساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی دینی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین۔

فقط

اسیر مفتی اعظم،
محمد سعید نوری۔
خادم رضا اکیڈمی بمبئی۔ ۲۸ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ

ماہر رضویات ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب

۲/۱۷۔سی،
پی ای سی ایچ سوسائٹی،
کراچی (سندھ) کوڈ نمبر:- ۷۵۴۰۰

برادر مکرم
رحمت اللہ صدیقی ——— زید مجدکم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،۔ نوازش نامہ باعث فرحت ہوا۔ "پیغام رضا" کی اشاعت موجب مسرت وانبساط ہوئی۔ مولیٰ تعالیٰ پردۂ غیب سے آپ کی مدد فرمائے اور آپ کی خدمات

قبول فرما کر اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین!

فقیر نے "حدائق بخشش" کا ایک انتخاب مرتب کیا ہے جو شائع ہو گیا ہے۔ اس میں ایک مقالہ امام احمد رضا کی شاعری پر شامل کیا ہے اس کا عکس پیش کر رہا ہوں۔ "پیغام رضا" میں شامل کر لیں۔

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (کراچی) کے صدر محترم سیّد وجاہت رسول قادری صاحب سے عرض کیا تھا کہ "تعارف رضا" آپ کو ارسال کرایا جائے، انہوں نے بتایا کہ لٹریچر آپ کو ارسال کرایا گیا ہے۔ وصول فرما کر مطلع کریں۔

احباب اہل سنت کو سلام کہہ دیں۔

فقط والسّلام

احقر محمد مسعود احمد

۳ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ

حضرت علامہ سیّد وجاہت رسول قادری، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (پاکستان)

یکم محرم الحرام ۱۴۱۶ھ

کراچی

محترم و مکرم رحمت اللہ صدیقی صاحب،

خطیب و امام الٰہی مسجد، بمبئی۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ مجلّہ "پیغام رضا" کی اشاعت کی نوید سن کر مسرت ہوئی، اس اہم اقدام پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں ساتھ ہی مجلّہ میں اشاعت کے لیے

۴۔ مقالات اور ادارہ کی کتب کا تحفہ پیش خدمت ہے ملنے پر اطلاع سے اور اشاعت پر رسالے کی چند کاپیاں ارسال فرمائیں انشاء اللہ ہم ہر طرح تعاون کو تیار ہیں جو بھی کار لائق ہوں مطلع فرمائیں۔
ادارہ کے تمام عہدیداران کی جانب سے مبارکباد اور سلام قبول فرمائیں۔

والسلام

آپ کا مخلص،

سیّد وجاہت رسول قادری (صدر)

حضرت علامہ مفتی محمد اسلم رضوی صاحب،

مُہتمم جامعہ قادریہ مقصودپور، مُظفرپور

(بہار)

دنیائے سنیت کے عظیم پیشوا شیخ الاسلام والمسلمین مجدد مائۃ ماضیہ وحاضرہ مؤید ملت طاہرہ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ المولیٰ تعالیٰ عنہ کی عبقری شخصیت اپنی ضو فشاں کرنوں کے ساتھ معرض وجود میں آئی اور عالم اسلام کو منور و درخشاں کر گئی، جن کے علم و فضل، زہد و ورع، طہارت و پاکیزگی کا شہرہ چہار دانگ عالم میں گوناگوں صفتوں کے ساتھ پھیل گیا۔ جن کی قلم کی نوک سے علم و فضل کی ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ کشور ہند سے جزیرۂ عرب جل تھل ہو گیا، اور آج بھی آپ کی جامع شخصیت کے زندہ نقوش ہر ایک کے لئے شاہراہ ہیں۔
اگرچہ آپ کی بارگاہ میں احباب اہلسنت کثّرھم اللہ تعالیٰ نے عقیدت کے پھول اپنے اپنے

انداز میں پیش کیے ہیں۔

مگر زیر نظر امام احمد رضا نمبر کے اجرا میں خطیب اہلسنت حضرت علامہ مولینا رحمت اللہ صاحب رضوی خطیب الٰہی مسجد بمبئی لائق تحسین و مبارکباد ہیں کہ آپ نے جدید اسلوب میں سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات طیبہ کو روشن و تاباں کیا ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولینا اور ان کے شرکار کی سعی بیہم کو قبول کرے اور امام احمد رضا نمبر کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین!

سگِ بارگاہ رضا
محمد اسلم رضوی غفرلہ،
مہتمم جامعہ قادریہ مقصود پور، اورائی
مظفرپور (بہار)

حضرت علامہ عبدالحفیظ صاحب
سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور،
اعظم گڈھ (یوپی)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

فاضل نوجوان حضرت مولانا سید اولاد رسول قدسی مصباحی کے ذریعہ مسرت بخش خبر سن کر خوشی ہوئی کہ سرزمین بمبئی سے جناب مولانا رحمت اللہ صدیقی کے زیر ادارت "پیغام رضا" نامی رسالہ

منظرِ عام پر آرہا ہے۔ تمام عقیدت مندان امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز سے پُر خلوص گذارش ہے کہ "پیغام رضا" کی توسیع واشاعت میں حصہ لیں اور بارگاہ امام اہلسنت میں خراج عقیدت پیش کرنے کا سلسلہ جاری رکھیں۔ خدائے قدیر بطفیل حضور حافظ ملّت بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور "پیغام رضا" کو مقبول عام فرمائے۔ آمین!

بجاہ حبیبہٖ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

فقط:-

عبد الحفیظ غفرلہٗ۔

۱۲ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ۔

مطابق ۱۲ جون ۱۹۹۵ء

فقیہہ العصر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی صدر مفتی،

دار العلوم اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڈھ

(یوپی)

مولانا المحترم زید مجدکم السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

عوافی مزاج!

آپ کا خط مکتوبہ ۱۶ر ۵ر ۹۵ء کا وقت پر مل گیا تھا لیکن تھوڑی سی غفلت کیوجہ سے مسائل کی ڈاک میں دب گیا آج ملا اور فوراً جواب لکھوا رہا ہوں معلوم نہیں آپ کیا سوچتے

ہوں گے۔ حالاں کہ میری عادت ہے کہ میں ہر خط کا جواب ضرور دیتا ہوں۔ مجدد اعظم اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی ذات شخصیت اور کارناموں کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا دین کی بہت اہم خدمت ہے۔ بڑی خوشی ہے کہ آپ اس میں مصروف ہیں کبرسنی کی وجہ سے قویٰ مضمحل ہو چکے ہیں، بصارت پہلے ہی سے کمزور ہے اس لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ پر کوئی مضمون لکھنا بہت مشکل ہے پھر کام کا ہجوم اتنا ہے کہ پورا نہیں کر پا رہا ہوں اور اب تو وقت بھی نکل گیا ہوگا۔ اندازہ یہ ہے کہ "پیغام رضا" کا امام احمد رضا نمبر مکمل ہو کر چھپ بھی چکا ہوگا۔ دو باتیں خصوصی طور پر گذارش ہیں۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے لئے فاضل بریلوی کا لفظ بہت ہلکا ہے فاضلوں کی کمی نہیں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ یہ لفظ دیوبندیوں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے لئے استعمال کرنا شروع کیا ان کی نیت یقیناً تحقیر کی تھی ہمارے نوجوان علماء نے بغیر غور و خوض کے اس کو اختیار کر لیا۔ آئندہ آپ احتیاط کریں فاضل بریلوی ہر گز نہ لکھیں دوسرے یہ کہ "اعلیٰحضرت" اعلیٰحضرت کا علم ہے اور کچھ لوگ اسے چھین کر اپنے بزرگوں کیلئے استعمال کرنے پر زور دے رہے ہیں اس لئے ہمیں چاہئے بلکہ لازم ہے کہ اسے ضرور استعمال کریں چھوڑیں نہیں۔ میں نے التزام کر لیا ہے کہ ہمیشہ مجدد اعظم اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کہوں۔"

نمبر تیار ہو جائے تو ایک عدد میرے نام وی پی کر دیں۔ تمام احباب سے سلام کہہ دیں۔

فقط:۔

مفتی محمد شریف الحق امجدی

۱۰ صفر ۱۴۱۶ھ

۱۰ / ۷ / ۱۹۹۵ء

پیغام مبارکباد

حضرت مولانا سبحان رضا خاں صاحب
زیب سجادۂ خانقاہ عالیہ رضویہ، بریلی شریف

حضرات مدیرانِ " پیغام رضا " پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مزاج گرامی!

اس اطلاع سے مجھے قلبی و روحانی مسرت ہوئی کہ آپ حضرات کی ادارت و نگرانی میں شائع ہونے والا مجلہ " پیغام رضا " کا پہلا شمارہ " امام احمد رضا نمبر " اپنی صوری اور معنوی خوبیوں کے ساتھ عرس رضوی کے موقع پر منظرِ عام پر آرہا ہے۔ " امام احمد رضا نمبر " کی اشاعت کے موقع پر میں اپنی جانب سے آپ کو پرخلوص مبارکباد پیش کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں دعا گو ہوں کہ رب کائنات جل و علی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل میں آپ کے " امام احمد رضا نمبر " کو مقبول انام بنائے۔
اور دین و دنیا کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

فقط والسلام
فقیر قادری سبحان رضا خاں سبحانی غفرلہ
١٠/١/٩٦ء

عزیزان گرامی مولانا فیضان احمد رضوی و مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحبان

ادعیۂ ماثورہ

مجلّہ " پیغام رضا " پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار کی اولیں اور عظیم پیش کش " امام احمد رضا نمبر " کی اشاعت و اجراء کی خبر سن کر بے حد مسرت ہوئی۔ گذشتہ چالیس سالوں میں رضویات پر اتنا کام نہ ہو سکا جتنا اب ہو رہا ہے۔ شاہراہ علم و فن کا آج کوئی گوشہ نہیں جہاں امام احمد رضا کی فکری و فنی تابناکیاں موجود نہ ہوں مگر اب تک امام احمد رضا کی شخصیت کی ہمہ گیریت کما حقہ اجاگر نہیں ہو سکی۔ آپ حضرات کی یہ کاوش لائق صد تحسین اور تا قیام قیامت باقی و قائم رہنے والا عظیم کارنامہ ہے۔ خدا کرے آپ کے راستے میں کوئی ناگزیر صورت حائل نہ ہو سکے اور اس راہِ عزم پر ہمیشہ حوصلوں سے گامزن رہیں۔

آمین۔

بجاہِ سید المرسلین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

دعاء گو

محمد ظفر الحسین قادری

پوکھریروی۔

رئیس المدرسین مدرسہ معینیہ عظمت العلوم صاحبگنج

(مظفر پور)

۱۵ ۶/۹۶ء

پُر خلوص مبارکباد

معمارِ ملت حضرت مولانا الحاج شبیہ القادری صاحب قبلہ پوکھریری
ناظم اعلیٰ غوث الوریٰ عربی کالج سیوان، بہار۔

عزیز گرامی قدر جناب مولانا فیضان احمد رضوی سلمہٗ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
مزاج ہمایوں!

اس اطلاع سے مجھے بے پناہ مسرت ہوئی کہ آپ مجلہ "پیغام رضا" کا "امام احمد رضا نمبر" نکال رہے ہیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی اپنے علمی قد و قامت میں اپنے تمام معاصرین اور مخالفین سے کہیں زیادہ بلند و بالا ہیں وہ علم کا ایک ایسا سمندر ہیں جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ فاضل بریلوی ہر علم میں تجدیدی مقام و مرتبہ رکھتے ہیں اس کے باوجود انہیں جس طرح متعارف کرایا جارہا ہے وہ ان کی شخصیت کے ساتھ ناانصافی کے مترادف ہے۔ ستم بالائے ستم تو یہ کہ امام احمد رضا کے تعارف میں بیگانوں کے ساتھ ساتھ اپنے بھی برابر کے شریک ہیں وہ نئی نسل کو ان کی شخصیت، علم و فضل اور خدمات کا کما حقہ تعارف کرانے میں ناکام رہے ہیں۔ لیکن بحمد اللہ ادھر چند سالوں سے امام احمد رضا کے تعارف اور آپ کے صحیح خد و خال کو عام کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی

جاری ہے ۔ " امام احمد رضا " نمبر کی اشاعت کا اعلان ایک مستحسن اقدام ہے مجھے یقین ہے کہ یہ خصوصی نمبر علمی ، ادبی اور دینی معلومات کا بہترین خزینہ ہوگا اور سنی صحافت کی تاریخ میں سنگ میل ثابت ہوگا ۔

اس مبارک نمبر کی اشاعت پر میں بصمیم قلب مبارک باد پیش کرتا ہوں ، اور دعا گو ہوں کہ یہ کاوش مفید انام اور مقبول عام ہو جائے ۔ آمین

دعاء گو

شبیہہ القادری

پوکھریروی

۱۱ ۶/۹۶ ء

برادران اسلام !

مدرسہ جامع العلوم شریف جلال پور سیوان اہلسنت کا فعال ادارہ ہے بچوں کی تعلیم و تربیت قیام و طعام کا معقول انتظام ہے اور آپ کے تعاون کا مستحق ہے ۔ رمضان المبارک اور دوسرے اہم لمحوں میں اسے یاد رکھیں ۔ نوازش ہوگی ۔

کی

اشاعت میں ان حضرات کی اعانت حاصل ہے،

رب کائنات سب کو اپنی رحمتوں سے شاد کام کرے۔

الحاج سراج الدین خاں قادری۔ بمبئی
" شبیر ملک صاحب " "
" نسیم " "
جناب ننھے " "
" محمد احمد " "
" حسنین صدیقی " "
" علی اکبر " "
" حافظ توفیق عالم " "
" مولینا عبد القیوم " "
" نظم حسن " "
" کلام " "

جناب حافظ چاند علی صاحب۔ بھیونڈی
" عبد الرشید " بمبئی
" اظہار الحق " "
" توفیق " "
" منظور " "
" نور الہدیٰ " "
" عبد الرحمٰن " "
" فیاض " "
" الحاج سرور " "
جناب عبد العزیز " "
" شعیب رضوی " "

جناب شیر علی صاحب۔ بمبئی
〃 قمر الدین 〃 〃
〃 فرید 〃 〃
〃 سلیمان بن عبد الرحمن صاحب بھیونڈی
〃 نسیم خاں صاحب بمبئی
〃 حفیظ اللہ 〃 〃
〃 حکیم اللہ 〃 〃
〃 کلیم اللہ قادری 〃 〃
〃 محسن 〃 〃

جناب علی بھائی بمبئی
〃 افروز صاحب 〃
〃 مختار 〃 〃
〃 لال محمد 〃 〃
〃 احمد رضا 〃 〃
〃 عبد الغنی 〃 〃

قادری کتاب گھر